بسم الله الرحمن الرحيم

آفتاب کے سائے میں

محمد حسن رحیمیان

ترجمہ

فصاحت حسین، سید سجاد حیدر صفوی

نشر شاہد

نام کتاب: آفتاب کے سائے میں

مصنف: محمد حسن رحیمیان

مترجم: فصاحت حسین، سید سجاد حیدر صفوی

نظر ثانی: سید ابرار حسین جعفری

طبع اول: ۲۰۱۳

ناشر: نشر شاہد، تہران

فہرست

پہلا باب

تعارف اور ملاقات

سال ۱۹۶۲

مرحوم آیت اللہ العظمیٰ بروجردی کی رحلت کے بعد میں نے اپنے والد محترم کی زبان سے امام خمینی (قدس سرہ) کا نام مرجعیت و قیادت کے لائق اور ممتاز شخصیت کے عنوان سے سنا۔ اور ۱۹۶۲ کے ستمبر میں امام کے دیدار اور علوم دین کی تحصیل کا عشق لئے ہوئے تیرہ سال کی عمر میں قم میں داخل ہوا۔ بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ محلہ "یخچال قاضی" کی گلیوں سے میرا گزر نہ ہو۔ وہاں دیار یار تھا۔ اس کی تو کچی دیواریں بھی میرے لئے خوبصورت، پر کشش اور محبوب تھیں۔ میں مدرسہ فیضیہ میں مقیم تھا۔ اگر چہ وہاں پر، صحن میں اور حرم حضرت معصومہ (سلام اللہ علیہا) میں متعدد اور پر شکوہ نماز جماعت قائم ہوتی تھیں لیکن وقت غروب سب کچھ اور سب کو چھوڑ کر "یخچال قاضی" تک تیزی سے دوڑتا ہوا جاتا تھا تاکہ امام کے گھر میں ان کی اقتدا میں نماز پڑھوں۔

اس وقت مجتہد یا مرجع تقلید کی ایک نشانی یہ تھی کہ وہ کسی بڑی اور مشہور یا حرم سے نزدیک کسی مسجد میں نماز جماعت قائم کرے اور اس کے مامومین زیادہ ہوں۔ امام کی مجلس درس "یخچال قاضی" کے پاس "مسجد سلماسی" میں کثیر طلاب و فضلا کے ساتھ منعقد ہوتی تھی اس کے باوجود وہ ہرگز امامت جماعت کی خاطر محراب و منبر کی جستجو میں نہیں تھے۔ فقط مغرب کے وقت آپ کے معمولی سے گھر پہنچنے والوں کو امام کے ساتھ جماعت پڑھنے کی توفیق ملتی تھی جن میں حقیر سب سے کمسن تھا۔

آغاز طلوع

جیسا کہ اشارہ کیا گیا کہ اس زمانہ میں فضلا، علمی محافل اور خواص کے درمیان امام کی شہرت تحت الشعاع میں تھی۔ کیونکہ امام اپنی زاہدانہ طرز زندگی کی وجہ سے خود کو شہرت و قیادت سے دور رکھتے تھے اور عام افراد یہاں تک کہ جدید طلاب بھی آپ کو صحیح سے نہیں پہچانتے تھے۔ جہاں تک مجھے یاد آتا ہے کہ میرے ہم حجرہ ایک ابتدائی طالب علم کو یہ سن کر تعجب ہوا تھا کہ ہم امام کے مقلد ہیں۔

لیکن زیادہ زمانہ نہیں گزرا تھا کہ "اصلاحات اراضی" کے قالب میں ظالمانہ حکومت کی شرمناک سازش اور اس کے اسلام مخالف مضمون کی وجہ سے امام کی تحریک شروع ہوگئی۔ اسلام و قرآن سے امام کا دلیرانہ اور سخت دفاع ان کے الہی چہرے اور معنوی و ملکوتی شخصیت کے درخشاں ہونے اور تمام پاکیزہ دلوں پر ان کے نور محبت اور خدائی عشق کے جلوہ افروز ہونے کا سبب بن گیا۔ اس کے چند مہینہ بعد حکومت کا طریقہ کار بدلنے اور جنوری ۱۹۶۳ میں انقلاب سفید

کے عنوان سے امریکی منصوبہ کی وجہ سے امریکا اور اس کے گماشتہ شاہ کے خلاف امام کا ہمہ جہت قیام ظاہر ہو گیا اور اسلامی انقلاب کا بیج بو دیا گیا۔

صبح بہار

تحریک کے اس حصہ میں ۵ جون ۱۹۶۳ کو امام کو گرفتار کر لیا گیا اور تہران میں حراست میں رکھنے کے بعد ۴ اپریل ۱۹۶۴ کو رات میں آزاد کر دیا گیا اور آپ دس بجے قم تشریف لے آئے۔ اس رات قم میں خوشی کا غل بپا تھا اور بلاشبہ مدرسۂ فیضیہ نے اس وقت تک کبھی اس رات جیسی خوشی کا منظر نہیں دیکھا تھا۔ سبھی لوگ صبح تک بیدار تھے اور میں پوسٹر لکھنے میں مشغول تھا۔ فضا تاریک تھی۔ ہم بے صبری کے ساتھ محلہ "یخچال قاضی" کی گلیوں کے پیچ وخم سے گزرتے رہے۔ تمام گلیوں میں جمع غفیر امڈ آیا تھا۔ محب اپنے محبوب کو دیکھنے کے منتظر تھے تو عشاق وصل معشوق کے انتظار میں لمحہ شماری کر رہے تھے۔

بہار کی صبح میں طلوع آفتاب بہت روح پرور اور دلکش ہوتا ہے۔ لیکن ۶ جون ۶۳ کی صبح گویا صبح قیامت تھی۔ بہشت ابدی کی صبح، زندگی جاوید کی بہار کی صبح اور آسمان معنویت پر فجر صادق کا نیا خورشید۔ آتش ہجر سے جلے ہوئے دلوں پر قطرات سکون کی بارش ہو رہی تھی، مشتاق نگاہیں اشک شوق بہا رہی تھیں اور آبشار لب سے قہقہوں کی مترنم صدائیں آرہی تھیں۔ ان لمحات کی منظر کشی کے لئے اشعار کہنے والے ہمارے دیرینہ دوست حجت الاسلام محمد حسین بہجتی (شفق) کے بقول:

گریہ کند دیدہ ز شوق وصال　　　　خندہ کند لب ز سر وجد وحال

"آنکھیں شوق وصال سے گریہ کناں ہیں۔ لب خوشی کی وجہ سے مسکرا رہے ہیں۔"

امام نے وہ رات اپنے گھر کے سامنے والے گھر میں -جو میرے خیال سے ان کے داماد کا گھر تھا- گزاری۔ لمحات انتظار بہت مشکل سے گزر رہے تھے۔ آخر طلوع خورشید کا وقت آپہنچا۔ صلوات کے نعرے، خوشی کے قہقہے اور گریہ وشیون کی آوازیں ایک دوسرے میں مل گئی تھیں۔ اگرچہ گلی کا عرض چھ میٹر سے کم تھا لیکن افراد کے سیلاب اور عشق کے طوفان نے تدبیروں کا حصار توڑ دیا اور امام کو گلی سے گزرنے میں کافی وقت لگا۔

جشن آزادی

ان دنوں قم مکمل طور پر نور و سرور کا پیکر بنا ہوا تھا۔ مدرسہ فیضیہ میں پورے ایران سے شرکت کرنے والے دسیوں ہزار افراد کے ہمراہ عظیم اور تاریخی محفل جشن منعقد ہوئی جو تاریخ انقلاب کے زریں صفحات میں سے ہے۔

کئی ہفتوں تک محفل و جشن کا یہ سلسلہ چلتا رہا۔ وہ محفلیں جن کے لئے مسجدیں اور میدان تنگ پڑ جاتے تھے اور وہ قم کی سڑکوں پر منعقد ہوتی تھیں۔ ایک رات شہید مطہری چوک اور شہید سعیدی چوک کے درمیانی راستے پر منعقد ہونے پر شکوہ جشن کے بعد طے شدہ منصوبہ کے تحت میں نے بعض اعلانات (مشہور میمورنڈم) تقسیم کئے اور تقسیم کرتے ہوئے مجھے گرفتار کر لیا گیا۔ لیکن چونکہ مجمع زیادہ تھا اور میں نے بہت سے پرچے اپنی عبا– جسے میں نے اس رات خاص طور پر پہنا تھا– کے نیچے چھپا رکھے تھے وہ سارے پرچے گر گئے اور لوگ انہیں اٹھانے کے لئے آگے بڑے۔ "ساواکی اہل کار" حیران و پریشان ہو گیا۔ میں نے موقع مناسب سمجھا اور تیزی سے اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور چونکہ اس عمر میں میرا قدم کم تھا اس لئے جمع غفیر میں اس کی آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ اس طرح میں تمام اعلانات تقسیم کرنے کے باوجود فرار کرنے میں کامیاب رہا۔

دو کردار

حضرت امام نے آزادی کے بعد مسجد اعظم میں ہونے والی اپنی پہلی تقریر میں ۱۵ خرداد - جس کو گزرے ہوئے گیارہ مہینے ہو چکے تھے - کا المناک واقعہ بیان کیا۔ وہ خود حسینی زمانہ تھا لیکن اس نے شہیدوں کے خون کا پیغام پہنچانے میں زینبی کردار بھی ادا کیا۔۔۔

۔۔۔انہوں نے یتیم بچوں، جوان بیٹوں کی موت کے غم میں تڑپنے والی ماؤں اور بھائیوں کا فراق سہنے والی بہنوں کا تذکرہ کیا۔۔۔ ظالم حکومت کے ظلم و جور کو طشت از بام کیا، دشمن کو پہلے سے زیادہ سخت و سست کہا اور قافلۂ تحریک کو مزید روانی عطا کی۔ اس دن اور اس مجلس میں زمانہ کے یزیدوں کے خلاف غیظ و غضب اور نفرت کے احساسات کا طوفان برپا ہو گیا۔ میں نے اپنی زندگی میں ایسا گریہ و شیون نہیں دیکھا تھا اور خود میں بھی اس دن جیسا کبھی نہیں رویا تھا۔

(۵/۱۵/۱۹۶۴)

موسم گرما

۱۹۶۴ کا موسم گرما آپہنچا۔ حوزہ میں تعطیل ہوگئی اور میں کچھ دنوں کے لئے اصفہان چلا گیا۔ لیکن اس دوران بھی امام سے دوری برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا اور کچھ دنوں کے فاصلہ سے کسی کام یا خط اور شرعی رقوم پہنچانے کے بہانے قم پہنچ جاتا تھا۔ ایک دن مجھے جلدی واپس جانا تھا۔ ظہر سے پہلے امام کے گھر پہنچا، بلا فاصلہ اذن حضور ملا، اندر داخل ہوا تو انہیں مطالعہ کرتے ہوئے پایا اور ان کی دست بوسی کا شرف حاصل کیا۔ اپنے والد محترم کا خط اور امانت ان کے حوالہ کی۔ انہوں نے اسی وقت خود رسید لکھی اور مہر لگائی اور خط کا جواب لکھ کر لطف و محبت کے ہمراہ مجھے عنایت فرمایا۔

مشروط اطاعت کا منصوبہ اور امام کی جلاوطنی

امام نے ۱۰ / اکتوبر کو مسجد اعظم میں اہم تقریر ارشاد فرمائی اور آخر کار ۲۵ / نومبر بمطابق ۲۰ جمادی الثانی ۱۳۸۴ کو (حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے یوم ولادت کے موقع پر) آپ نے اپنے گھر میں مشروط اطاعت (امریکی شہریوں کو خصوصی رعایت دینے کا لایحۂ عمل) کی مخالفت کرتے ہوئے تاریخی اور اہم تقریر کی۔ اس دن محلۂ قاضی کی گلیوں میں عوام کا جم غفیر اکٹھا تھا اور ہر طرف لاوڈ اسپیکر لگے ہوے تھے۔ تقریر شروع ہونے سے کئی گھنٹہ پہلے میں امام کے گھر پہنچ گیا تھا۔ بعد میں جس کھڑکی سے امام کو تقریر کرنا تھی وہاں سے دو میٹر کے فاصلہ پر مجھے جگہ ملی۔ بہت پر جوش لمحات تھے۔ "اناللہ" پڑھنے کے بعد انہوں نے اس طرح بیان شروع کیا:

"میں اپنے قلبی تاثرات کا اظہار نہیں کر سکتا ہوں۔ میرا دل ایک سنگین بوجھ کے تلے دبا ہوا ہے۔ ان چند دنوں میں ایران کی خبریں سننے کے بعد سے میری نیند کم ہوگئی ہے۔ میں بہت پریشان ہوں۔ میرا دل بوجھل ہے۔ ان قلبی تاثرات کے ساتھ میں دن گن رہا ہوں کہ کس دن میری موت آئے گی۔ ایران میں اب عید نہیں ہے۔ انہوں نے ایران کی عید کو عزا میں تبدیل کر دیا ہے۔ عزا برپا کر کے چراغاں کیا ہے۔ عزا برپا کر کے ایک ساتھ رقص کیا ہے۔۔۔ ہمیں فروخت کر دیا ہے، ہمارا استقلال فروخت کر دیا ہے اور۔۔۔۔"

امام کے پر سوز دل سے نکلے ہوئے ان پر درد الفاظ نے لوگوں کے دلوں میں ایسی حرارت پیدا کی اور لوگوں کو اتنا منقلب کر دیا کہ ان کے گریہ وبکا کی آوازیں آسمان چھونے لگیں۔ اس دن کا ناقابل فراموش جوش و جذبہ اور گریہ مسجد اعظم کی تقریر اور پندرہ خرداد کے شہداء کے تذکرہ کے وقت ہونے والے گریہ سے زیادہ بھی تھا اور ناقابل بیان بھی۔

۴ دسمبر کی صبح-اس تقریر کے نودن بعد -میں نے قم کو فوجیوں کے تسلط میں دیکھا۔ ہم لوگ مدرسہ "خان" میں محصور تھے کہ بہت جلدی ہی ہمیں امام کی دوبارہ گرفتاری کی اطلاع ملی۔ اس کے بعد ہم نے حاج آقائے مصطفی کی گرفتاری بھی دیکھی جس کے تقریبا دو مہینہ بعد انہیں وقتی طور پر آزاد کر دیا گیا اور پھر دوبارہ گرفتار کرنے کے بعد انہیں جلاوطن کر کے ترکی میں امام کے پاس بھیج دیا گیا۔

خوف اور سکون

یہاں پر مرحوم حاج آقائے مصطفی کی زبانی ایک واقعہ نقل کرنا پر لطف ہو گا۔ انہوں نے فرمایا:
"جب حکومت کے بلند مرتبہ عہدیداروں نے سخت قسم کی عسکری و امنیتی تدابیر کے ساتھ مجھے گرفتار کیا تو وہ لوگ کسی غیر متوقع واقعہ کے احتمال سے شدید طور پر مضطرب و نگراں تھے لیکن چونکہ میں نے امام کی گرفتاری کی وجہ سے کئی گھنٹہ تک محنت و مشقت کی تھی اور کم سو سکا تھا اس وجہ سے میں نے موقع غنیمت سمجھا اور قم سے نکلتے ہی کچھ لمحوں کے اندر اطمینان کے ساتھ گہری نیند سو گیا اور تہران میں بیدار ہوا! وہ لوگ یہ دیکھ کر اپنے تعجب اور حیرت کو پوشیدہ نہیں رکھ سکے۔"
ایک جانب تمام تر طاقت اور ساز و سامان کے باوجود ان کا خوف و دہشت اور دوسری جانب گرفتاری اور نامعلوم مستقبل کی جانب قدم بڑھانے کے باوجود فرزند روح اللہ کا سکون و اطمینان انتہائی اہمیت اور غور و فکر کے قابل ہے۔
واضح سی بات ہے کہ ان ایام کی جزئیات اور انقلاب اور امام کی زندگی کے واقعات بیان کرنا مورخین کا فرض ہے۔ راقم السطور نے جن واقعات کا مشاہدہ کیا ہے ان میں سے بعض کو اپنے انداز میں قرطاس کے حوالہ کر دیا ہے۔

دعائے توسل

امام کی گرفتاری اور ترکی میں ان کی جلاوطنی کے بعد حضرت معصومہ سلام اللہ علیہا کے روضہ کے بالائی حصہ میں نماز مغرب کے بعد امام کی سلامتی اور آزادی کے لئے دعائے توسل منعقد ہوتی تھی۔ اسلام ناب کے احیا کی کوشش اور عاشورا کے المناک واقعہ کے بعد امام سجاد علیہ السلام کی سیرت کی پیروی کرتے ہوئے یہ جلسے دعا و گریہ کے قالب میں سیاسی و عبادی مضمون لئے ہوئے ظلم اور طاغوت سے مقابلہ کی تاریخ میں زریں صفحات رقم کر رہے تھے۔

بالخصوص دعائے توسل میں امام موسی بن جعفر علیہ السلام کا نام اور ان کے مصائب، زندان اور ان کی قید تنہائی کا تذکرہ امام کی مظلومیت کی یاد دلا تا تھا اور ان کے پاکیزہ عاشقوں، جو اس وقت تک اس سے بے خبر تھے - کے دل میں عشق و ہجر کی آگ مزید شعلہ ور ہو جاتی تھی اور گریہ و شیون کی آوازیں انتہائی رسا اشعار میں تبدیل ہو کر حضرت معصومہ کے تمام زائروں کو اپنی جانب جذب کر لیتی تھیں۔

جب امام مہدی عجل اللہ تعالی فرجہ الشریف کا نام آتا تھا اس وقت وہ اشعار پڑھے جاتے تھے کہ اگر چہ جن کا مخاطب امام غائب تھے لیکن ان حالات میں وہ اس کے نائب غائب پر بھی منطبق تھے:

مارا بہ جہان بی گل روی تو صفا نیست

زیرا کہ جہان جسم و تو چون روح و روانی

پوشیدہ ز خفاش بود چشمہ خورشید

با آن کہ منور ز رخش گشتہ جھانی

یعقوب صفت منتظر دیدن رویت

تا کی رسد از یوسف گم گشتہ نشانی

(منجملہ دعا اور مصائب پڑھنے والے طلاب میں جناب حجت الاسلام شیخ رضا مطلبی (مسجد ابوذر تہران کے امام جماعت) تھے۔

اور اس طرح درد فراق ہر ایک کو مضطرب رکھتا تھا اور ہر شخص کی زبان حال یہ تھی:

سینہ راطوفان غم در هم شکست

کشتی دل در میان خون نشست

اور آخر کار پر جوش اختتام کا راستہ ہموار ہو جاتا تھا۔ دعا کے اختتام پر دین و سیاست اور تولیٰ و تبریٰ ایک سکہ کے دو پہلوؤں کی طرح آپس میں مل جاتے تھے اور امام اور تحریک کی سلامتی و کامیابی کے لئے دعا، اور بآواز بلند "آمین" کے ہمراہ ظالم حکومت کے خلاف بد دعا شاہ کے چیلوں کو پریشانی میں ڈال دیتی تھی۔ اس طرح اس دوران "بالاے سر" کی مسجد حق و باطل کے مقابلہ کا ایک میدان بن گئی تھی۔ ایک طرف امام زمانہ (ع) کے سپاہیوں نے گریہ اور دعا کا اسلحہ ہاتھوں میں لے رکھا تھا تو دوسری جانب طاغوتی کارندے بندوق کی نوک پر جلسات دعا کو ختم کرنے اور حضرت معصومہ (ع) کے حدود حرم میں تجاوز کرنے سے بھی پرہیز نہیں کرتے تھے۔ متعدد بار یہ وحشیانہ حملے صحن مطہر میں بھی ہوئے اور بہت

سے افراد کو گرفتار اور قید کر دیا گیا چنانچہ ایک بار اٹھارہ افراد کو جن میں سے ایک میں بھی تھا، گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا۔

آخر کار کچھ عرصہ بعد حکومت کے کارندے لوگوں کو یکجا ہونے سے روک کر ان جلسات دعا کو معطل کرنے میں کامیاب ہو گئے لیکن اس کے بعد جلسہ دعا مخفی طور پر ایک ایک کر کے طلاب کے گھروں میں ہوتا رہا اور دعائے توسل کے ساتھ ساتھ امام کی تعریف و توصیف میں استاد بزرگوار اور عارف پاکیزہ کردار "انصاری شیرازی" کی تقاریر ان جلسات کو خاص معنویت بخشتی تھیں یہاں تک کہ بعض طلاب ان کی تقریر سنتے وقت شدت گریہ سے بیہوش ہو جاتے تھے۔

ربڑ، امام کی تصویر کی مہر

تحریک کی شروعات اور مضبوطی کے ساتھ امام کا ملکوتی چہرہ بھی دلوں پر اپنا پائدار اثر چھوڑتا گیا اور آپ کی نورانی تصویر آپ کے چاہنے والوں کی بزم کی زینت بنتی گئی۔ لیکن امام کی گرفتاری کے بعد حکومت نے امام کے آثار، نام اور تصاویر کو محو کرنے کی وسیع پیمانہ پر کوشش شروع کر دی جس کے رد عمل میں امام کی تصویر اور ان کا نام تحریک کی اہم علامت میں تبدیل ہو گیا۔

حکومت جابر کے جاسوسی اداروں اور پولیس نے امام کی تصویروں اور آثار کی نشر و اشاعت روکنے کے لئے تمام مطبع، پرس اور اسٹوڈیوز پر کڑی نگرانی شروع کر دی اور جتنی تصاویر موجود تھیں وہ بھی حکومت کے کارندوں کے ذریعہ جمع کر لی گئیں۔ ایسے حالات میں خداوند عالم نے امام کی تصویر نشر کرنے کے لئے حقیر کو ایک نئے طریقہ کی جانب ہدایت کی۔ میں نے پیش رفتہ مشینوں اور سہولتوں کے نہ ہونے کے باوجود مندرجہ ذیل طریقہ سے تصویر امام کی مہر بنائی:

میں نقاشی میں ماہر نہیں تھا لیکن امام کی اصلی تصویر لے کر پنسل سے رنگ کرتا تھا اور اسی سائز کے ربر کو دوات میں بھگونے کے بعد تصویر پر چسپاں کر دیتا تھا۔ الگ کرنے کے بعد ربر پر امام کی تصویر بن جاتی تھی، پھر جس حصہ کو سفید رہنا چاہیئے اسے ریزر کی نوک سے کاٹ دیتا تھا۔ اس طرح امام کی تصویروں کی ایک مناسب مہر بن گئی۔ اسٹامپ کے ذریعہ تصویروں کی کاپی ہو جاتی تھی۔ البتہ یہ تصویر چونے کی دیوار اور سیمنٹ کی پکی دیواروں پر بہت اچھی طرح نمایاں ہوتی تھی اور اسے مٹانا بھی بہت مشکل ہوتا تھا۔

یہ مہریں بناتے بناتے مجھے مہارت ہو گئی لیکن اصلی مشکل میرے پاس بڑے ربر اور اسے خریدنے کے لیے پیسہ کا نہ ہونا تھا۔ جب مرحوم آیت اللہ ربانی شیرازی کو اس کی اطلاع ملی تو ہم دونوں قم کی ایک اسٹیشنری پر گئے اور انہوں نے اس دوکان میں موجود سارے ربر خرید کر مجھے دے دئے۔ میں آہستہ آہستہ مخفی طور پر اس طرح ان کی مہریں بناتا رہا کہ

میرے انتہائی نزدیک دوستوں کو بھی معلوم نہ ہو سکا۔ مہریں بنانے کے بعد میں انہیں دوسرے شہروں اور دیہاتوں میں دے دیتا تھا۔ اس طرح پورے ملک کے در و دیوار یہاں تک کہ نوٹ، سکوں اور بینروں پر بھی امام کی تصویریں نظر آنے لگیں۔ اور افسوس کہ بعض شہروں میں کچھ افراد اس سلسلہ میں گرفتار بھی ہوئے۔

اس روش کے استعمال کا ایک دلچسپ موقع اس وقت تھا جب ایک بحرانی دن میں قم کے "آستانہ چوک" پر مسلح کمانڈوز نے پڑاو ڈال رکھا تھا۔ چوک کے بیچ میں پولیس افسروں کے ٹھہرنے کے لئے کیبن بنا ہوا تھا۔ میں نے کچھ ہی دیر پہلے فیضیہ کے دالان میں مہر تیار کی تھی جسے اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے تھا۔ میں نے کیبن کے پاس سے گزرتے وقت پولیس کی نگاہیں بچا کر کیبن کی دیوار پر امام کی تصویریں چھاپ دیں۔ جب کچھ دیر بعد پولیس والے متوجہ ہوئے تو لوگوں نے دیکھا کہ وہ کتنی پریشانی کے ساتھ پانی اور کیمکل کے ذریعہ تصویر مٹانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اسی طرح مختلف جگہیں منجملہ "مسجد اعظم" کے شبستان کے تمام ستون حکومتی کارندوں کی نظروں سے دور رہتے ہوئے امام کی تصویروں سے مزین ہو گئے جس سے دوست خوشحال اور دشمن مضطرب ہوئے۔

مبارکبادی کا کارڈ

اس سے پہلے بھی جب امام تہران میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہے تھے ۱۳۴۳ کے نوروز کی مناسبت سے میں نے ایک مبارکباد کارڈ ڈزائن اور تیار کیا تھا جسے بہت سراہا گیا۔ "مرحوم شہید قریشی خمینی" اور "آقائے کروبی" جیسے مجاہد دوستوں کی مدد اور ہمت سے بہت مختصر وقت میں اس کے لاکھوں نسخے پورے ملک میں منتشر ہو گئے۔

اس مبارکباد کارڈ میں دو دلچسپ چیزیں تھیں؛ ایک حضرت امام کے قیدی ہونے اور حضرت یوسف سے مشابہت کی وجہ سے آیت کریمہ "رب السجن احب الی ممایدعوننی الیہ" (یوسف/۳۳) اور دوسری چیز یہ بیت:

بُوَد آن روز بر ما عید مطلق

کہ در جنبش درآید پرچم حق!

اس شعر کو انتخاب کرنے کی وجہ میرے لئے نامعلوم تھی اور میں نہیں جانتا تھا کہ یہ کہاں سے میرے ذہن میں آیا یہاں تک کہ تقریباً پندرہ سال بعد جب انقلاب کامیاب ہو گیا اور ۲۲ جنوری ۱۹۷۹ کو یوم اللہ اور حقیقی عید کے دن حق کا پرچم بلند ہوا تو میں متوجہ ہوا کہ:

"وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی" (انفال/۱۷)

اگلے سال یعنی ۱۹۶۶ کے نوروز میں بھی جب حضرت امام کو ترکی جلاوطن کیا گیا تھا میں نے دوسرا مبارکباد کارڈ آمادہ کیا جس میں امام، ان کی جلاوطنی اور کاپیتولاسیون معاملہ سے متعلق آیات اور آپ کے چاہنے والوں کی زبان حال کو اشعار کے پیرایہ میں پیش کیا تھا۔

چونکہ اس سال امام کی تصویر کے ساتھ کیلنڈر شائع نہیں کیا جاسکتا تھا اس لئے میں نے امام کی تصویر کے ساتھ کلینڈر کا متن جس کی تصویر آپ ملاحظہ فرمائیں گے، لکھا اور قم کے ایک اسٹوڈیو میں اس کی کاپیاں کی اور پھر نشر کر دیا گیا۔

مرحوم آیت اللہ ربانی شیرازی نے مکہ مکرمہ میں نشر کرنے کے لئے ایک متن تحریر کیا تھا میں نے اس کے عربی اور انگلش ترجمہ کے ساتھ امام کی تصویر بنائی جسے دوران حج کاپی اور تقسیم کیا گیا۔ ظاہراً اسلامی تحریک کی تبلیغ کی خاطر حج کے عظیم اجتماع میں تقسیم ہونے والی یہ پہلی تصویر تھی۔

چونکہ واقعات کے ان پہلوؤں کا تعلق مجھ سے ہے اس لئے مجھے انکا بیان کرنا پسند نہیں تھا لیکن چونکہ یہ تحریک کے مختصر سہی مگر کچھ پہلووں پر مشتمل ہے اس لئے ان کا نقل کرنا ناگزیر تھا۔ میں کئی بار مختصر مدت کی گرفتاری کے بعد آخر کار ۱۳۴۴ کے موسم گرما میں پولیس کے شدید تعاقب کی زد میں آگیا اور قم، تہران اور اصفہان میں کچھ دن تک چھپے رہنے کے بعد مخفی طور پر عراق چلا گیا۔ یہاں کئی برسوں تک مجھے عتبات عالیات کی مجاورت اور نجف اشرف میں حضرت امام کی خدمت میں رہنے کا شرف ملا۔ یقیناً یہ سعادت و توفیق جو امام کی رحلت کے موقع تک جاری رہی، اسی دنیا میں خدائے منان کی جانب سے تحفۂ فضل و انعام اور بچپن اور نوجوانی میں ہونے والی ہدایتوں اور الطاف کا تسلسل تھی۔

دوسرا باب

ولایت سے رابطہ

چشم گریاں

امام استحکام اور استواری کا مظہر تھے لیکن اسلام اور ایمان باللہ سے دور رہنے والے افراد کے لئے شاید یہ بات قابل تصور نہ ہو کہ کوئی انسان مقصد کی راہ میں استحکام و استواری اور رکاوٹوں اور دشمنوں سے مقابلہ کے وقت سخت اور ناقابل تسلیم ہونے کے باوجود کس طرح دوسرے پہلو میں رقت قلب اور محبت و جذبات کا مظہر ہو۔

امام کا اپنے خدا سے راز و نیاز، مناجات اور شبانہ عبادتیں بالکل مخفی اور لوگوں کی نگاہوں سے دور تھیں۔ اس کے باوجود جن مقامات پر انہیں مخفی نہیں کیا جاسکتا اور جنہیں دوسروں نے یا ہم نے دیکھا، بہت عجیب ہے:

وہ انسان جس نے اپنے عزیز اور بڑے بیٹے کی خبر وفات سننے پر گریہ نہیں کیا اور جب باخبر ہوا تو کہا: "انا للہ و انا الیہ راجعون "(بقرہ ۱۵۹)

انہی امام کو کسی نے نہیں دیکھا کہ وہ امام حسین علیہ السلام یا حضرت زہرا سلام اللہ علیہا اور دوسرے ائمہ معصومین علیہم السلام کے مصائب سنیں اور گریہ نہ کریں۔

ایک دن کسی امام (علیہ السلام) کی شہادت کی مناسبت سے دعائے توسل پڑھنے کے لئے ہم کچھ لوگ امام کے کمرے میں گئے۔ سبھی لوگ رو قبلہ بیٹھ کر دعا پڑھنے لگے۔ کچھ دیر بعد امام کمرے میں داخل ہوئے اور ہمارے ساتھ بیٹھ کر دعا پڑھنے لگے۔ دعائے توسل کے دوران کسی فرد نے مختصر طور پر مصائب پڑھے۔ اگرچہ پڑھنے والا ماہر خطیب نہیں تھا اور امام کے آنے کی وجہ سے مضطرب ہو گیا تھا، اس کی آواز میں بھی رعشہ تھا اور جملے رک رک کر بول رہا تھا لیکن اس نے جیسے ہی مصائب شروع کئے اور ابھی حساس مطالب ذکر نہیں کئے تھے کہ امام نے اس طرح گریہ کرنا شروع کیا کہ ان کے شانے تیزی سے ہلنے لگے۔ میں نے گوشہ نگاہ سے امام کو دیکھا کہ آنسو ان کی ڈاڑھی سے ان کے زانوؤں پر گر رہے تھے۔ کچھ دیر بعد ایک نزدیکی شخص نے امام کی نگاہوں سے بچتے ہوئے ذاکر کو اشارہ کیا کہ مصائب ختم کردے کیونکہ اتنے شدید گریہ سے امام کے قلب مبارک پر اثر پڑ سکتا تھا۔

امام جب تک نجف اشرف میں رہے معصومین علیہم السلام کی شب شہادت میں آپ کے گھر میں مجلس عزا برپا ہوتی تھی اور حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی شہادت کی مناسبت سے یہ سلسلہ تین دن تک چلتا تھا۔ آپ کا یہ گریہ وبکا بغیر کسی استثنا کے تمام مجالس عزا کے موقع پر ہوتا تھا۔

عام افراد معصومین علیہم السلام اور اولیائے الہی کے مصائب کے وقت زیادہ تر خود مصیبت سے متاثر ہونے سے زیادہ جنبی حالات جیسے غم انگیز آواز، ذاکر کی تقریری مہارت اور دوسروں کے گریہ وزاری سے متاثر ہوتے ہیں اور ان پر ایک خاص کیفیت طاری ہوتی ہے، لیکن میں نے امام کے متعلق متعدد بار دیکھا کہ مذکورہ جنبی حالات میں سے کچھ بھی نہ

ہونے کے باوجود ذاکر جیسے ہی السلام علیک یا اباعبد اللہ کا فقرہ اپنی زبان پر لاتا تھا آپ کے اشک جاری ہو جاتے تھے اور آپ انتہائی شدید گریہ کرتے تھے۔ در حقیقت ان بے ریا مجالس میں یہ امام کا گریہ تھا جو ہر سنگدل کو اولیائے خدا اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کے مصائب کی یاد دلا کر نرم کر دیتا تھا اور اپنی اس عاشقانہ بزم میں انتہائی پر شکوہ معنوی کیفیات پیدا کر دیتا تھا۔

دیگر از ساقی نشان باقی نبود
زانکہ آن می خوارہ جز ساقی نبود
خود بہ معنی بادہ بود و جام بود
گر بہ صورت رند دُرد آشام بود

زیارت کا روزانہ عمل

امام نجف اشرف میں اپنی اقامت کے تیرہ برسوں میں ہر شب غروب آفتاب کے تین گھنٹہ بعد سال کے ہر موسم میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی زیارت کے لئے گھر سے نکلتے تھے۔ گھر سے حرم تک کا راستہ پیدل تقریباً سات منٹ میں طے کرتے تھے۔ در قبلہ سے صحن میں داخل ہوتے تھے اور ایوان کے جنوبی حصے سے عبور کرتے ہوئے رواق میں اذن دخول کے بعد حرم مطہر میں داخل ہوتے تھے۔ پائنتی مختصر زیارت پڑھتے تھے اور اس کے بعد ضریح کے جنوبی حصہ میں روبرو کھڑے ہو کر "زیارت امین اللہ" پڑھتے تھے اور دیگر عام افراد کے بر خلاف جو سرہانے سے ہو کر گزرتے تھے، امام اسی جگہ سے واپس لوٹ جاتے تھے اور پائنتی ہو کر پچھلے دروازے سے باہر نکلتے تھے۔ آپ عام طور سے نماز زیارت اور "زیارت جامعہ" بھی بیٹھ کر پڑھتے تھے۔

کبھی سرہانے سے عبور نہیں کرتے تھے

قابل توجہ نکتہ یہ تھا کہ کبھی امام کو حضرت امیر علیہ السلام کے سرہانے سے گزرتے ہوئے نہیں دیکھا گیا چہ جائیکہ وہ اس جگہ رکیں۔ اس طریقہ کی ہمیشہ پابندی مقام ولایت کے کمال احترام کا مظہر تھی وہیں اہل نظر کو ایک ظریف نکتہ کی جانب متوجہ کرتی تھی کیونکہ ایک احتمال کی بنیاد پر حضرت امیر علیہ السلام کے سرہانے امام حسین علیہ السلام کا سر بریدہ

دفن ہے۔ یہی احتمال کافی ہے کہ پاکیزہ کردار عارفان حقیقت اس جگہ قدم نہ رکھیں جس جگہ سر مطہر سید الشہداء کے مدفن ہونے کا احتمال ہے۔

امام عام طور پر حرم سے واپس ہوتے وقت ایوان طلا کے شمالی حصہ میں مرحوم علامہ حلی اور مرحوم شیخ محمد حسین کمپانی کی قبر پر جاتے تھے، فاتحہ کی قرات کے لئے کھڑے ہوتے تھے اور اس کے بعد جنوبی حصہ کی جانب واپس آجاتے تھے۔

یہ بھی ذکر کرنا ضروری ہے کہ اس بات کا امکان تھا کہ حضرت امام کے فرزند عظیم الشان شہید حاج آقائے مصطفی خمینی، مولی الموحدین کی مرقد مطہر سے سب سے نزدیکی حصہ یعنی مرحوم کمپانی کی مرقد کے پاس دفن ہوتے!

زیارت کی پابندی

چودہ سال کے عرصہ میں حضرت امام ہمیشہ پابندی کے ساتھ حرم جاتے رہے سوائے ان خاص راتوں کے جب آپ زیارت کی غرض سے کربلا مشرف ہوتے یا بیمار ہو جاتے تھے کہ جس دوران آپ کا درس، نماز جماعت اور گھر کے مہمان خانہ میں تشریف لانا بھی بند ہو جاتا تھا۔ ان راتوں کے علاوہ سوائے ایک رات کے جو مجھے اچھی طرح یاد ہے اور جس کے بارے میں بعد میں بتاوں گا امام نے حرم تشریف لے جانا اور زیارت کرنا ترک نہیں کیا۔ جبکہ جو افراد عتبات عالیات کے آس پاس زندگی گزارنے لگتے ہیں وہ چاہے کتنے ہی عقیدتمند کیوں نہ ہو لیکن کچھ عرصہ گزرنے کے بعد حالات ان کے لئے معمولی ہو جاتے ہیں۔ بعض اوقات ہفتہ یا مہینہ گزر جاتا ہے اور انہیں حرم جانے کی توفیق نہیں ہوتی لیکن حضرت امام نے ولایت کبری سے اپنے ناقابل بیان عشق وعقیدت اور اپنے کاموں میں حیرت انگیز نظم وپابندی کی وجہ سے نماز جماعت اور درس کی مانند کبھی حضرت امیر علیہ السلام کی زیارت کو بغیر عذر کے ترک نہیں کیا۔ یہاں تک کہ ہمیں یہ یہ اطلاع تھی کہ جن راتوں میں مذکورہ دلائل کی وجہ سے وہ حرم تشریف نہیں لاتے تھے گھر میں اور کبھی کبھی چھت پر جاکر زیارت پڑھتے تھے!

اس بات کو مد نظر رکھا جائے تو اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ امام ۵/۱۰/۱۹۶۵ سے ۵/۱۰/۱۹۷۸ تک ۱۳ سال (۴۷۴۵ دن) عراق میں تھے اور چونکہ آپ صرف چند خاص مواقع اور زیارت امام حسین علیہ السلام کی خاطر کربلا مشرف ہونے کے علاوہ ہمیشہ حرم جاتے تھے لہذا اس دوران آپ نے ۴۵۰۰ بار حضرت امیر (علیہ السلام) اور تقریباً ۲۰۰ بار حضرت سید الشہداء (علیہ السلام) کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔

نقطہ ضعف!

دلچسپ لیکن قابل افسوس بات یہ ہے کہ امام کے اس معنوی کردار کے مقابلہ میں بیمار دل دشمن اور ساواک اور مغربی و مشرقی اداروں کے گماشتے جن میں سے بعض لباس علماء میں تھے، کی ذمہ داری تھی کہ وہ امام کی عیب جوئی کریں۔ ایسے لوگوں کو جب آپ کی شخصیت میں کوئی معمولی سا کمزور پہلو بھی نہیں ملا تو انہوں نے کمال بے شرمی سے امام کی سب سے اچھی صفت کو عیب بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی! انہوں نے مقدس مآب چہرے اور شیطنت آمیز روش کے ذریعہ حوزہ نجف میں یہ بات پھیلا دی کہ آقائے خمینی کا یہ طریقہ اور منظم طور پر حضرت امیر علیہ السلام کی زیارت کرنا ان مراجع کی شخصیت کے زیر سوال ہونے اور ان کی توہین ہونے کا سبب بن رہا ہے جو منظم طور پر حرم تشریف نہیں لاتے ہیں۔

حرم میں امام کی توہین!

انہی میں سے ایک فرد جو بعض دفاتر کارکن اور ایک مرجع تقلید کی قریبی شخصیت تھی، وہ حرم و زیارت سے مانوس شخص نہیں تھا اور اس کی اندرونی پلید گی معروف تھی، کبھی کبھی وہ بالکل اسی وقت حرم آتا تھا جب امام حرم تشریف لے جاتے تھے۔ وہ جان بوجھ کر امام سے الجھنا چاہتا تھا اور مار زخم خوردہ کی مانند امام کے چہرے کو گھورتا رہتا تھا۔ ضریح مطہر کے پاس امام کے زیارت پڑھتے ہوے میں نے خود اس شخص کو ایسی حالت میں دیکھا تھا۔ اگرچہ حرم میں زیادہ مجمع نہیں تھا لیکن وہ زیارت پڑھنے کے بہانہ جب تک امام زیارت پڑھتے رہے وہ ضریح اور امام کے درمیان حائل رہا! جو لوگ ماجرا سے باخبر اور اس جانب متوجہ تھے وہ اس توہین آمیز کام کی وجہ سے بے چین تھے اگرچہ اس عالم غربت میں صبر کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔ لیکن امام جیسے اس دنیا میں ہی نہیں تھے اور معمول کے مطابق اسی حالت میں توجہ کے ساتھ زیارت میں مشغول تھے۔ گویا ان کی زبان حال حضرت امیر المومنین (علیہ السلام) سے منسوب شعر تھا جس میں آپ فرماتے ہیں:

و لقد امر علی اللئیم یسبنی
فمضیت ثم قلت لا یعنینی

”جب میں اس پست انسان سے ملاقات کرتا ہوں جو مجھے گالی دیتا ہے تو اس کے پاس سے گزر جاتا ہوں گویا اس گالی اور بدکلامی میں اس کی مراد میں نہیں ہوں۔“

جس شب امام حرم نہیں گئے

جیسا کہ اشارہ کیا گیا کہ امام کچھ خاص مواقع کے علاوہ ہر رات غروب آفتاب کے ڈھائی گھنٹہ بعد عمومی ملاقات کی غرض سے مہمان خانہ میں تشریف لاتے تھے اور ٹھیک آدھے گھنٹہ بعد اٹھ جاتے تھے اور حرم تشریف لے جاتے تھے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے صرف ایک ایسا موقع تھا جب ظاہراً امام کے پاس کوئی سبب نہیں تھا، جب وقت معین آیا تو آپ اپنی جگہ سے اٹھے اور ہمیشہ کی مانند کمرے کا پورا حصہ طے کر کے زینہ کی طرف جانے کے بجائے ہمارے انتظار کے برخلاف بیٹھنے کی جگہ سے ہی گھر کے اندرونی حصہ میں لوٹ گئے۔ موجودہ افراد کو بہت تعجب ہوا کیونکہ انہوں نے امام کو صحیح و سالم دیکھا تھا۔ صرف بیماری ایک سبب تھی جو امام کو حرم جانے سے روکتی تھی۔ سب نے امام کی خیریت پوچھنا شروع کر دی لیکن کچھ بھی معلوم نہیں ہو سکا۔ یہاں تک کہ قریبی افراد کو بھی اس واقعہ کا کوئی سبب نہیں ملا۔ سب کو تعجب تھا۔ بہر حال ہم بھی حرم نہیں گئے اور مدرسہ چلے گئے۔

اگلے دن بتایا گیا کہ جس وقت معمول کے مطابق امام حرم تشریف لے جاتے تھے، بغداد سے ایران کا سفیر حرم آیا ہوا تھا اور اس نے ظاہراً شاہ کی جانب سے قالین کا تحفہ پیش کر کے پروگرام منعقد کیا تھا۔ حضرت امام کے حرم جانے کی مکمل اطلاع، پروگرام کے لئے اسی وقت کے انتخاب اور اس کی ویڈیو فلم بنانے سے یہ بات معلوم ہو گئ تھی کہ انہوں نے اپنے ذہن میں کوئی سازش رچی ہوئی تھی۔ اس طرح ہمارے لئے امام کے حرم نہ جانے کا معمہ حل ہو گیا۔

محمد و آل محمد علیہم السلام پر صلوات

امام بارگاہ جماران میں عوامی ملاقات کے وقت لوگ ایک دو گھنٹہ پہلے سے اکٹھا ہو جاتے تھے اور کبھی کبھی ان کی صلوات کی آواز سنائی دیتی تھی۔ ظاہر ہے کہ اس صلوات کی آواز امام کے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔

ایک دن ہم متوجہ ہوئے کہ امام صلوات کی آواز اور پیغمبر اکرم (ص) کا نام سننے پر آہستہ صلوات پڑھتے ہیں۔ میں نے اس سلسلہ میں مدتوں تک غور کیا۔ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ آپ صلوات کی آواز سنیں اور خود صلوات نہ پڑھیں۔

تیسرا باب

اصول و اقدار کی پابندی

حضرت امام چھوٹے اور معمولی امور سے لے کر انتہائی اہم مسائل تک اپنے فرض پر عمل اور شرعی قوانین کی پابندی کرنے میں کسی فرد یہاں تک کہ اپنے انتہائی محبوب اشخاص اور ساتھیوں کے ساتھ بھی رعایت نہیں کرتے تھے۔ اتنے زیادہ کاموں اور بہت سے معاملات میں وسیع اختیارات کے باوجود میں نے اس پوری مدت میں بہت غور کیا لیکن مجھے کوئی ایسا موقع نظر نہیں آیا کہ آپ بارگاہ خدا میں مجرم قرار پائیں۔

امام کسی بھی کام کو ہاتھ نہیں لگاتے تھے مگر یہ کہ یا خود یقینی فیصلہ کی حد تک پہنچ جاتے تھے یا کسی دوسرے شرعی راستہ سے ان پر حجت تمام ہو جاتی تھی۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ عام طور سے جہاں وہ اپنے یقینی فیصلہ کی منزل میں ہوتے تھے، کوئی غلطی اور ناپسندیدہ نتیجہ دیکھنے میں نہیں آیا اور اگر کبھی کوئی غلطی ہوتی تھی تو ان کاموں میں ہوتی تھی کہ جہاں کسی دوسرے کی گواہی کسی خاص موضوع میں آپ کے حکم صادر کرنے کی بنیاد بنتی تھی۔ جیسے بعض لبرل افراد کا انتخاب اور ان کی تائید وغیرہ۔۔۔ جسے انہوں نے لائق اعتماد اور قابل اطمینان افراد کی رائے اور تاکید کی وجہ سے انجام دیا۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ جب بھی انہوں نے اس طرح کی غلطیوں کے متعلق گفتگو کی تو کمال بزرگواری کے ساتھ اسے اپنی گردن پر لے لیا اور دوسروں کی غلطیوں پر ان کی مذمت نہیں کی۔

امام کو جن معاملات میں دو عادل افراد کی گواہی درکار ہوتی تھی تو جب تک ان کے لئے اس کے برخلاف ثابت نہیں ہو جاتا تھا وہ اسی گواہی جو شریعت کی نظر میں حجت ہے، کی بنیاد پر عمل کرتے تھے۔ مثلاً اشخاص کو مال امام کا اجازہ دینے کے معاملہ میں جب تک امام، خود درخواست کرنے والے کو نہیں پہچانتے تھے، اپنے تائید شدہ دو عادل افراد کی گواہی کے بغیر اجازہ کا اقدام کرنا ممکن نہیں تھا۔

جماران میں ایک شخص نے اجازت کی درخواست کی جو دفتر میں کام کرتا تھا۔ جب آپ تک بات پہنچی تو آپ نے حاضرین میں سے ایک فرد کی تائید اور تاکید پر اکتفا نہیں کی بلکہ میری جانب دیکھتے ہوئے فرمایا کہ

"کوئی دوسرا آدمی بھی ان کی تائید کرے"

میرے سکوت کی وجہ سے یہ مسئلہ ختم ہو گیا۔

☆☆☆

مجھے یاد ہے کہ نجف اشرف میں "حاج شیخ نصر اللہ خلخالی" کہ مراجع کے لئے جن کا اشارہ دسیوں عادل گواہوں کا کام کرتا تھا اور وہ امام کی نظر میں بھی قابل احترام و اکرام تھے، انہوں نے کسی فرد کی تائید کی اور امام سے اصرار کیا کہ وہ اجازہ نامہ عطا فرمائیں لیکن آپ نے واضح طور پر فرمایا:

آپ ایک آدمی ہیں، کوئی دوسرا آدمی بھی ان کی تائید کرے۔

لیکن جن معاملات میں گواہی کی ضرورت نہیں تھی اور حکم اور اجازہ نامہ کے لئے سائل کی تشخیص ہی کافی تھی، پھر بھی امام مدمقابل پر ذمہ داری ڈال دیتے تھے اور اجازہ اور جواب اس طرح دیتے تھے کہ اگر اس میں کوئی غلطی ہو تو خود بارگاہ خدا میں گرفتار نہ ہوں اور عام طور پر جواب "اگر" "چنانچہ"، "مذکورہ فرض میں" یا اس جیسی دوسری تعبیروں کے ہمراہ ہوتا تھا۔ ذیل میں ہم اس کے کچھ نمونے ذکر کر رہے ہیں:

حضرت امام، تعمیر مسجد کے لئے سہم مبارک امام علیہ السلام کا اجازہ نہیں دیتے تھے سوائے دو شرطوں کے: ایک مسجد کا ضروری ہونا اور دوسرے یہ کہ تعمیر کا بجٹ کسی دوسرے راستہ مثلاً چندہ وغیرہ سے پورا نہ کیا جاسکے۔ لہذا اگر سائل دو شرطوں کی جانب متوجہ ہوتا تھا اور سوال میں ان کی قید لگا دیتا تھا تو آپ فرماتے تھے:

"مذکورہ فرض میں خرچ کرنے کی اجازت ہے۔"

اور اگر اس کی توجہ نہیں تھی یا اس نے قید نہیں لگائی تھی تو آپ جواب دیتے تھے:

"اگر ضرورت ہو اور کسی دوسرے راستہ سے یہ ضرورت پوری نہ ہو رہی ہو تو جائز ہے۔"

جو کچھ ذکر کیا گیا وہ اصل مسجد اور اس کی عمارت کی تعمیر کے لئے تھا لیکن مسجد کی سجاوٹ، غیر ضروری اور دوسرے درجہ کی چیزوں کے لئے مال شرعی خرچ کی بالکل اجازت نہیں دیتے تھے۔ اس کی بہت سی مثالیں تھیں۔ من جملہ ایک شخص نے اجازہ لینا چاہا کہ وہ تہران کی ابوذر مسجد کے فرش کے لئے سہم مبارک امام علیہ السلام سے تیس ہزار تومان دے۔ تو آپ نے فرمایا: "میں اجازت نہیں دوں گا"۔ (۵/۱۲/۶۴)

☆☆☆

عام طور پر امام کتاب اور مجلہ شائع کرنے کے لئے شرعی رقوم صرف کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے کیونکہ وہ کتابوں کو مفت تقسیم کرنے یہاں تک کہ غیر معمولی طور پر سستا کرنے کے موافق نہیں تھے اور جب تک شخصی طور پر کسی تالیف و تصنیف سے مطمئن نہیں ہو جاتے تھے اس کی تائید نہیں کرتے تھے چاہے یہ تائید صرف اس کی طباعت کے لئے شرعی رقم صرف کرنے کی حد تک ہی کیوں نہ ہو!

قم کی ایک فاضل شخصیت نے خط لکھا کہ عقائد کے متعلق ایک کتابچہ شائع کرنے کے لئے امام اجازت دیدیں کہ وہ اپنا اور اپنے دوستوں کا خمس استعمال کرلیں، امام نے فرمایا: کتاب جو کہ تدریجی طور پر چھپتی ہے، اس کے لئے اجازہ نہیں دوں گا۔

حاضرین میں سے ایک شخص نے ان کی تائید کی تو امام نے دوبارہ فرمایا:

''میں کتاب کے لئے اس طرح اجازہ نہیں دوں گا۔''

پاکستانی افاضل میں سے ایک شخص نے خط کے ذریعہ امام سے رابطہ کیا اور اپنے ملک کے لئے رسالہ پاسدار اسلام کی افادیت بیان کرتے ہوئے درخواست کی کہ امام اجازت دیدیں کہ اسے اردو میں نشر کرنے کے لئے شرعی رقوم خرچ کی جایں۔ اس طرح کے معاملات میں امام کا جواب معلوم ہونے کی وجہ سے ہم اس موضوع کو امام کے سامنے پیش نہیں کرنا چاہتے تھے لیکن "جناب آقائے رسول" جنہیں یہ معلوم تھا کہ میں اس رسالہ کی ذمہ داری سنبھال رہاہوں اور رسالہ پر امام کی نظر عنایت بھی ہے، نے امام کی خدمت میں خط پیش کر دیا۔ امام نے ہمیشہ کی مانند ذرہ برابر تامل اور تعلقات کا لحاظ کیے بغیر فرمایا:

میں اجازہ نہیں دے سکتاہوں۔

اسلامی جمہوریہ کے قوانین کی پابندی

امام اپنے خالص اور سچے ایمان کی وجہ سے میدان عمل میں بھی پیش رو تھے۔ صرف عبادت اور خدائی آداب ہی نہیں بلکہ عام اصول و قوانین پر بھی سختی سے پابند تھے۔ ہر گز خود کو عام لوگوں سے الگ نہیں سمجھتے تھے۔ چونکہ اسلامی نظام کے تمام اصول و قوانین آپ ہی کے منصب ولایت سے سند جواز حاصل کرتے تھے اس لئے ان کا لحاظ رکھنے میں وہ دوسروں کی بہ نسبت سب سے زیادہ پابند تھے۔ اس طرح کے مواقع میں سے بطور مثال بعض واقعات کا ذکر ایک اسلامی معاشرے میں عہدیداروں کے لئے نمونہ عمل بن سکتاہے۔
بیرون ممالک امام کے مقلدین کے ذریعہ آنے والی شرعی رقم دوسری کرنسی میں دریافت کی جاتی تھی اور کبھی کبھی اسے ریال میں تبدیل کرنے کی ضرورت پڑتی تھی۔ ایسی صورت میں یہ معاملہ پیش آتا تھا کہ اسے مرکزی بینک سے تبدیل کیاجائے اور اس کی سرکاری قیمت وصول کی جائے (نتیجۃً سرکاری قیمت اور آزاد قیمت کے درمیان کا فرق مستحقین کو حاصل نہیں ہوگا) یا آزاد طور پر فروخت کیاجائے اور ملنے والی مکمل رقم مقررہ جگہوں پر خرچ کی جائے۔
واضح سی بات تھی کہ مثلاً اگر فقیر کو سو ڈالر صدقہ یا زکات فطرہ کے عنوان سے دیناہو تو مستحق کو اس کی اصلی قیمت ادا کرناضروری ہے۔ اس کے باوجود امام نے فرمایا:

جناب موسوی (پہلے وزیر اعظم) سے سوال کیجئے۔ اگر حکومت کی نظر میں قابل اعتراض نہ ہو تو آزاد فروخت کیا جائے۔

جس طرح وہ دوسروں کو جواب دیتے تھے اسی طرح خود بھی عمل کرتے تھے۔

امام فقط اسلامی نظام کے اصول و قوانین کے پابند نہیں تھے بلکہ معاشرے کی عمومی مصلحتوں اور بیت المال کی حفاظت کی خاطر آپ پہلوی کی غیر شرعی حکومت میں بھی ایسا ہی طرز عمل اپناتے تھے۔ اس کی ایک مثال وہ واقعہ ہے جسے شہید آیت اللہ مصطفی خمینی نے نقل کیا تھا۔ وہ کہتے تھے: "امام نے (ظاہراً شہر ہمدان میں) سڑک پار کرنے کے لئے کافی لمبا راستہ طے کیا تاکہ روڈ کے درمیان ڈوائڈر پر موجود درختکاری پر قدم نہ رکھنا پڑے۔ انہوں نے ایک طویل راستہ طے کر کے چوراہے سے روڈ پار کرنا مناسب سمجھا تاکہ پیڑ پودوں کو قدموں تلے روندنا نہ پڑے"۔

امام کے دفتر میں برسوں خدمت گزاری کرنے والے شخص کے عنوان سے میں پورے اعتماد کے ساتھ یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ میں نے امام کی نجی زندگی میں بھی اسلامی حکومت کے قوانین کی ذرہ برابر خلاف ورزی کا مشاہدہ نہیں کیا۔ مثلاً پانی، بجلی، ٹیلیفون اور ٹیکس وغیرہ سے متعلق بل آتے ہی انہیں ادا کیا جاتا تھا۔ وہ قطعی اس بات کی بھی اجازت نہیں دیتے تھے کہ ان کے گھر اور دفتر سے متعلق افراد اسلامی حکومت کے اصول و قوانین کے دائرہ سے باہر ہوں۔

عوامی حقوق کی پاسداری

امام نجف اشرف میں اقامت کے دوران سال میں کئی دفعہ مختلف خاص مناسبتوں پر امام حسین علیہ السلام کی زیارت کی خاطر کربلا تشریف لے جاتے تھے۔ وہاں پر آپ کویت کے ایک باشندہ "جناب حاج رئیس" کے دیئے ہوئے ایک معمولی سے گھر میں قیام کرتے تھے۔

کربلا میں مغرب کے وقت زیادہ تر مرحوم آیت اللہ بروجردی کے حسینیہ میں اور ظہر کے وقت اسی گھر میں امام کی اقتدا میں باجماعت نماز ہوتی تھی۔ گھر کی نماز جماعت چند دوستوں کی شرکت کے ساتھ بیرونی کمرے میں اور کبھی افراد زیادہ ہونے کی صورت میں گھر کے صحن میں ہوتی تھی۔ صحن تقریباً پچاس میٹر کا تھا اور فرش بھی ضرورت کے مطابق نہیں تھا۔ اس وجہ سے افراد اپنی عبا تہہ کر دیتے تھے اور سجادہ اور مصلی کے عنوان سے اس پر کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے۔

اندرونی کمرہ قبلہ کی مخالف سمت میں تھا۔ امام جب اس کمرے سے نماز جماعت کی خاطر صحن میں تشریف لاتے تھے تو انہیں آگے جانے کے لئے لوگوں کے درمیان سے گزرنا پڑتا تھا۔ تمام حاضرین اس بات پر فخر کرتے تھے کہ ان کی عبا امام کے مبارک قدموں سے متبرک ہو جائے اور ظاہر ہے کہ امام بھی اس بات سے واقف تھے۔ اس کے باوجود چاہے

وہ جوتے اور چپل کے درمیان سے گزر رہے ہوں یا عباؤں کے درمیان سے ، بغور قدم اٹھاتے تھے تاکہ کسی بھی صورت میں ان کا قدم نہ تو جوتے اور چپل پر پڑے اور نہ کسی کی عبا پر۔ اس طرح وہ اپنے مقلدین کو عملی طور پر دوسروں کے حقوق کی رعایت کا سبق دیتے تھے۔

امام بہترین کرایہ دار

جماران میں امام کے کرایہ دار ہونے کے متعلق ایک واقعہ کی جانب اشارہ کر رہا ہوں۔ یہ واقعہ امام کے شرعی احکام و اقدار خاص طور پر دوسروں کے حقوق کی مکمل پابندی کرنے کی عکاسی کرتا ہے نیز ایک دیندار کرایہ دار ہونے کی بہترین مثال پیش کرتا ہے۔ اگرچہ گھر کے مالک امام کے مقلد اور عاشق افراد میں سے تھے اور اپنے گھر میں امام کے قیام کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا افتخار سمجھتے تھے لیکن امام ایک عام فرد کی مانند کہ گویا مالک اور کرایہ دار کے درمیان کوئی رابطہ نہ ہو، متعلقہ شرعی قوانین کی پاسداری کرتے تھے۔

سرکاری ملاقات یا پیغام نوروز جیسے پروگراموں کی فلم بنانے کے لئے کمرے میں لازمی روشنی فراہم کرنے کی خاطر آپ کے کمرے کی چھت میں لوہے کے راڈ کے درمیان ۵*۵ کے تین سوراخ کر دیے گئے۔ تاکہ وہاں پر لائٹ لگا دی جائے۔ جب ہم معمول کے مطابق صبح کے وقت امام کی خدمت میں پہنچے تو انہوں نے سب سے پہلے سخت لہجہ اور مضطرب چہرہ کے ساتھ فرمایا:

یہ سب کیا ہے ؟ یہ سب کیوں کیا ہے ؟

آپ سے کہا گیا کہ فلم بنانے کے لئے روشنی فراہم کرنے کی خاطر یہ کام کیا گیا ہے۔ آپ نے کچھ لمحہ تأمل اور تلخ سکوت کرنے کے بعد کہا:

گھر کے مالک کی اجازت کے بغیر کیوں اس طرح کا تصرف کرتے ہیں ؟

اس سخت رد عمل کی وجہ سے کام آگے بڑھانے کی جرات نہ رہی اور اصل معاملہ ہی منتفی ہو گیا اور اس جگہ کو تعمیر کر دیا گیا۔

جب ہم ان کے پاس سے رخصت ہوئے تو دسیوں سال امام کے ساتھ رہنے والے "جناب شیخ حسن صانعی " نے مجھ سے کہا: "میں نے اپنی پوری زندگی امام کو اتنا سخت ناراض ہوتے ہوئے بہت کم دیکھا ہے !"

چوتھا باب

علمی واخلاقی خصوصیات

الف: پرہیز گاری

امام، زہد و پرہیز گاری کا مظہر

زہد و پرہیز گاری کا مفہوم بہت وسیع ہے جس کے مختلف مدارج، اقسام اور مصادیق ہیں۔ ممکن ہے کہ کوئی شخص مال دنیا کے معاملہ میں زاہد ہو لیکن مقام و منصب کا موقع آئے تو خود پر کنٹرول نہ کر سکے یہاں تک کہ یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی شخص اس معاملہ میں بھی پرہیز گار ہو لیکن شہرت طلبی اور عوامی محبوبیت کا دلباختہ ہو وغیرہ وغیرہ۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ زہد و پرہیز گاری باطنی اور اندرونی صفت ہے جس کے اثرات مقام عمل اور دنیوی و مادی امور کا سامنا ہونے پر ظاہر ہوتے ہیں۔ لہذا ممکن ہے کہ کوئی شخص نفاق و ریاکاری کی وجہ سے دنیا حاصل کرنے کے لئے دنیا سے زہد کا ڈھونگ رچائے یا درحقیقت دنیاوی مظاہر سے اس کی دوری طاقت اور سہولیات نہ ہونے کی وجہ سے ہو۔ لہذا ممکن ہے کہ فقر و تنگ دستی کے باوجود اس شخص کو اپنے کہنہ لباس یا پرانی کتاب اور چپل سے اتنا ہی لگاؤ ہو جتنا ایک کروڑپتی کو اپنی ثروت سے ہوتا ہے۔ پس زہد ایک معنوی اور نفسیاتی حقیقت ہے اور حقیقی زاہد وہ ہے جس کے پاس دنیا تک رسائی کی تمام سہولیات فراہم ہوں یا نہ ہوں، دنیا اور اس کے مظاہر تک اس کی دسترسی ہو یا یہ تمام چیزیں اس کے اختیار میں نہ ہوں، اس کو حاصل ہونے والی دنیا کم اور ناچیز ہو یا زیادہ ہو، ان تمام حالات میں وہ اپنے وجود میں دنیا سے تعلق اور لگاؤ کا احساس نہ کرے۔

امام وہ انسان کامل تھے جنہوں نے اپنی خدائی روح کو حقیقت زہد سے آراستہ کر لیا تھا۔ اگرچہ ان کے پاس مختلف دنیاوی مظاہر تک رسائی کی سہولیات موجود تھیں لیکن وہ کبھی دنیا کے پیچھے نہیں گئے بلکہ اس سے گریزپا رہے۔ اسی وجہ سے اور مشیت خداوندی کے سبب دنیا نے اپنے تمام مظاہر کے ساتھ آپ کی جانب قدم بڑھایا اور وہ محبوبیت، شہرت، طاقت اور سہولیات کی اوج تک پہنچ گئے لیکن اس مرحلہ میں بھی بہترین انداز سے خدائی امتحان میں کامیاب ہوئے۔ زہد و پرہیز گاری، خلوص اور دین خدا اور بندگان خدا کی خدمت کے نتیجہ میں آپ نے جو کچھ بھی حاصل کیا تھا اسے راہ خدا میں صرف کر دیا اور آپ کے اندر چھوٹی یا بڑی، اہم یا غیر اہم کسی بھی دنیاوی چیز سے قلبی تعلق کا اثر تک نہیں دیکھا گیا۔ کیونکہ انہوں نے گھر، مالک کے سپرد کر دیا تھا اور دل کو مکمل طور پر محبوب کے حوالہ کر دیا تھا۔ نہ وہ اپنی شخصیت کے قائل تھے اور نہ اپنی شخصیت لئے کسی دل کے، کہ جس کے سبب وہ خدا کے علاوہ اپنے لئے کسی چیز کے خواہشمند ہوں یا خدا کے علاوہ کسی دوسری چیز سے دل لگائیں۔

ایرانی زائرین کا شوق دیدار

ایک دفعہ ماہ ذی الحجہ کے آخری اور محرم کے ابتدائی دنوں میں بعض ایرانی زائرین سعودی عرب کے راستہ اور کافی افراد بلاواسطہ ایران سے عراق آگئے۔ اس سال عتبات عالیات اور عراق کے تمام مقدس شہروں میں ایرانی اور ایرانی گاڑیاں ہی دکھائی دیتی تھیں۔

امام مغرب وعشاء کی نماز جماعت مرحوم آیت اللہ بروجردی کے مدرسہ میں پڑھاتے تھے۔ ایرانی زائرین جو برسوں سے امام کے عشق میں بے قرار تھے اور امام کے چہرہ پر نور کی زیارت کی آس لگائے ہوئے تھے، زیادہ تر نجف میں مقیم تھے۔ وہ روزانہ مغرب سے کئی گھنٹہ پہلے جگہ پانے کے لئے آیت اللہ بروجردی کے مدرسہ میں آجاتے تھے۔ مدرسہ کا صحن، بالائی طبقہ کے ہال یہاں تک کہ طلاب کے کمرے بھی بھر جاتے تھے اور معمولی دنوں سے دوبرابر مجمع اکٹھا ہو جاتا تھا۔

مغرب کے وقت جب امام تشریف لاتے تھے تو مجمع بے تابی کے ساتھ کھڑا ہو جاتا تھا اور صلوات، خوشی اور نالہ شوق کی ملی جلی آوازیں بلند ہوتی تھیں اور عجیب قیامت برپا ہو جاتی تھی۔ ایک بار عالم عشق اور امام وامت کے درمیان خاص تعلق سے بے خبر فرد نے مدرسہ کے ایک کمرے سے یہ ماجرا دیکھا اور اس کا ادراک نہیں کر سکا تو اس نے بے اختیار کہا: " واقعاً بہت دیوانے لوگ ہیں!" اور اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ بعد میں یہی شخص انقلابی اور امام کے پیروکار بن ہو گیا۔

نماز ختم کرنے کے بعد امام چند منٹ کے لئے لوگوں کی جانب رخ کرکے کھڑے ہو جاتے تھے اور مجمع ناقابل بیان طریقہ سے امام کو دیکھتے تھے اور ان کی دست بوسی کرتے تھے۔ اس کے بعد امام باہر کی طرف چلے جاتے تھے اور مجمع بھی آپ کے پیچھے چلنے لگتا تھا۔ لیکن مدرسہ کے دالان میں پہنچتے ہی امام اپنا سر اٹھاتے تھے اور شکریہ اور خداحافظی کرتے ہوئے احترام کے ساتھ انہیں ساتھ چلنے سے منع کرتے تھے تاکہ سڑکوں اور گلیوں میں اتنے ازدحام کی وجہ سے عام لوگوں کو تکلیف اور زحمت نہ ہو۔ لیکن آپ کا یہ اقدام بھی لوگوں کی آتش عشق کو سرد نہیں کرتا تھا۔ لوگ آخری لمحہ یعنی آپ کے دروازے تک آپ کو خداحافظی کرنا چاہتے تھے۔ دوسری طرف چونکہ امام بھی لوگوں سے محبت کرتے تھے اس لئے وہ قطعاً نہیں چاہتے تھے کہ روزانہ گلیوں اور سڑکوں میں اتنے لوگوں کے درمیان چلیں۔ اس وجہ سے مجبوراً امام کے مدرسہ سے باہر نکلنے کے بعد کچھ دیر کے لئے دروازہ بند کر دیا جاتا تھا اور امام ہمیشہ کی مانند اپنے گھر تشریف لے جاتے تھے۔

"بفرمایید"!

امام دوسرے موقعوں پر بھی طلاب کے ساتھ اسی طرح پیش آتے تھے اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ راستہ چلتے وقت ایک شخص کے علاوہ کہ جو معمولا ہمیشہ ان کے ہمراہ رہتا تھا، کوئی دوسرا ان کے ساتھ رہے۔ جب بھی وہ دیکھتے تھے کہ کوئی طالب علم ان کے پیچھے اور ان کے نزدیک چل رہا ہے تو تھوڑا سا رکتے تھے اور کہتے تھے: "بفرمایید"

اس "بفرمایید" کے دو مطلب ہوتے تھے: اگر کوئی کام ہو تو فرمایئے اور اگر کوئی کام نہ ہو تو آگے تشریف لے جایئے!

جبکہ بعض افراد عام طور پر خواہشات نفسانی کے زیر اثر یہ چاہتے ہیں کہ کوچہ و بازار میں چلتے وقت ایک جمع غفیر ان کے ساتھ چلے تاکہ دوسروں کی نظریں جذب ہوں لیکن امام اور اس پاکیزہ کردار الہی شخصیت کا طریق کار یہ ہے جسے آپ کے سامنے پیش کیا گیا۔ لہذا سب کو متوجہ رہنا چاہئے کہ وہ ضرورت سے زیادہ آگے پیچھے لگنے والوں اور اس طرز عمل سے دور رہیں اور صرف ضرورت کی حد تک حفاظتی معاملات کی رعایت کریں نہ اس سے زیادہ۔

البتہ حضرت امام نے ایران واپسی اور شہر قم میں تشریف لاتے وقت لوگوں کے عظیم الشان استقبال کی مخالفت نہیں کی کیونکہ یہ اتحاد کے مظہر اور اسلامی دشمنوں کی کمر توڑنے والے تھے۔

افراد کا استحصال؛ ہر گز نہیں!

امام کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ آپ کبھی اپنے مقام و منزلت اور محبوبیت سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے لئے انجام دیئے جانے والے کاموں کو بغیر اجرت کے نہیں کرواتے تھے۔ مثلاً نجف اشرف میں امام نے ملحقات توضیح المسائل اور مسائل مستحدثہ تحریر فرمائی تھی اور پہلی بار اس کی اشاعت ہونا تھی۔ نجف کے مطبع خط شکستہ میں لکھی گئی امام کی تحریر نہیں پڑھ سکتے تھے اس لئے میں نے امام کی تحریر کو خط نسخ میں لکھا۔ اگرچہ انہیں معلوم تھا کہ میں نے نسخہ نویسی کا یہ کام انتہائی شوق اور افتخار کے ساتھ انجام دیا ہے لیکن بلافاصلہ اس بات کی رعایت کرتے ہوئے کہ میں ان کے سامنے شرمندگی محسوس نہ کروں، انہوں نے جناب شیخ عبد العلی قرہی سے فرمایا تھا:

فلاں کی اجرت معلوم کرو کہ کتنی ہوتی ہے اور اسے ادا کرو!

حاج شیخ نے مجھ تک یہ بات پہنچائی۔ میں امام کے اس اخلاق سے شرمندہ تھا اور میں نے چاہا کہ اجرت لینے سے انکار کر دوں لیکن حاج شیخ نے تاکید کی کہ یہ کام بہر حال انجام ہونا ہے۔ میں نے کہا کہ میری پہلی گزارش امام تک پہنچا دیجئے اگر اس کے بعد بھی انہوں نے تاکید کی تو وہ مجھے اپنے ہاتھ سے تحریر کیا ہوا خطی نسخہ عنایت فرمادیں" حاج شیخ بلافاصلہ

امام کے پاس پہنچے اور انہیں سارا ماجرا سنایا۔ حضرت امام نے تیس صفحات پر مشتمل اصلی نسخہ مجھے عنایت کر دیا۔ وہ چاہے جتنی رقم مجھے دے دیتے بہر حال اس کی اہمیت محدود اور فانی تھی اور امام کی تحریر کی اہمیت نامحدود اور باقی رہنے والی تھی، اس لئے میں بہت خوش ہوا اور خدا کا شکر ادا کیا کہ میں نے امام سے انتہائی گرانبہا تحفہ حاصل کر لیا ہے۔

اس کام میں میری زحمت اور اجرت دینے میں امام کے طرز عمل سے میں نے یہ نتیجہ حاصل کیا کہ اگر کوئی کام انجام دینا کسی شخص کے لئے شرعی طور پر واجب و لازم نہ ہو تو کام لینے والے کو اپنے مقام و منزلت سے غلط فائدہ اٹھائے بغیر کام انجام دینے والے کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کی اجرت ادا کرنا چاہئے اور اگر کام شروع کرنے سے پہلے قیمت معین نہیں ہوئی ہے تو اس کی مرضی کا خیال رکھنا چاہئے۔ امام کی جانب سے ان نکات کی رعایت کرنا دوسروں کے حقوق کے متعلق شرعی ہدایتوں پر آپ کے کاربند ہونے کی عکاسی کرتا ہے۔ میں نے بارہا انقلاب کے بعد بھی آخر عمر تک امام کے دفتر میں مختلف ذمہ داریوں کے حوالہ سے امام کے اس طرز عمل کا مشاہدہ کیا ہے جس کی بنیاد پر میں یقین سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ امام کی ایک فضیلت یہ تھی کہ دنیا سے جاتے وقت ذرہ برابر حق الناس ان کے ذمہ نہیں تھا۔

دوسری جانب شرعی یا اداراتی ذمہ داریوں کی بنیاد پر انجام دیئے جانے والے کاموں کے سلسلہ میں امام کا ردعمل اس سے مختلف ہوتا تھا مثلاً ۱۹۶۲ میں قید سے رہائی کے بعد تہران کے ایک واعظ جو شاید کسی اسکول کے مدیر بھی تھے، اپنے اسکول کے طالب علموں کے ساتھ امام کی زیارت کے لئے قاضی یخچال میں ان کے گھر آئے۔ پر جوش تقریر کرنے کے بعد وہ کمرے میں امام کے پاس بیٹھ گئے اور اپنی کارکردگی بیان کرنے لگے جس سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ امام کے سامنے احسان جتا رہے ہیں۔ امام نے ان کی ساری باتوں کے جواب میں صرف یہ جملہ کہا:

آپ نے اپنا فریضہ انجام دیا ہے!

پاکیزگی کی منزل معراج

حضرت امام غیر معمولی اخلاص اور اللہ سبحانہ وتعالی کی ذات مقدس کے حضور سراپا تسلیم ہونے کی وجہ سے نہ صرف دنیا اور مادی امور کی محبت سے آزاد تھے بلکہ ان کی زندگی میں ان کی کثیر عبادات و اعمال اور اتنے عظیم الشان معنوی سرمایہ سے بھی قلبی تعلق دکھائی نہیں دیتا تھا۔ امام خود کو اور اپنی پوری عمر کے عظیم ماحصل کو خدا کی بارگاہ مقدس میں ہیچ شمار کرتے تھے۔ ہم سب نے ان کے بیانات اور پیغامات میں متعدد بار سنا ہے کہ وہ شہدا، بسیجیوں وغیرہ جیسے خدا کے نیک بندوں کے مقابلہ میں انتہائی حقارت اور شرمساری محسوس کرتے تھے۔ وہ اپنی تمام حصولیابیوں کو خدا کی جانب سے سمجھتے تھے، خود کو اور اپنے کردار کو کچھ بھی نہیں سمجھتے تھے۔

کائنات معنویت سے دور مجھ جیسے حقیر و عاجز انسان کے بس میں نہیں ہے کہ امام کی معنویت یا علم و آگہی جیسی ان کی ممتاز صفت کے سلسلہ میں لب وا کر سکوں۔ لیکن میں نے جس حیرت انگیز نکتہ پر غور کیا ہے اسے بیان کرنے سے پرہیز نہیں کرنا چاہتا ہوں۔ ابھی تک ہم نے خود کو یا دوسروں کو دیکھا ہے کہ اگر ہم چند صفحات کی تکراری اور غیر اہم تحریر لکھ لیں تو اس کی اشاعت کے مشتاق ہوتے ہیں یا کم از کم اس جانب مائل ہوتے ہیں تا کہ ہمارے اپنے خیال کے مطابق لوگ ہماری افکار سے استفادہ کریں اور حداقل یہ سمجھ جائیں کہ ہم اس حد تک سمجھے ہیں۔ شرح فصوص الحکم و مصباح پر امام کے حاشیوں کی نسخہ نویسی اور اشاعت کے سلسلہ میں امام کی خدمت میں بارہا شرفیاب ہونے کی وجہ سے میری نگاہوں کے سامنے ایک نیا افق کھل کر سامنے آیا۔ میں متوجہ ہوا کہ ہمارے ذہن کا احاطہ کرنے والی تاریک دنیا سے ماورا ایک دوسری روشن کائنات بھی ہے جس کی لامتناہی فضا میں خدا طلب راہرو، کمال و جمال مطلق اور نامحدود منبع وجود کی جانب محو پرواز ہیں۔

کتابوں کا تلف ہونا اور ملنا

۱۹۶۸ میں تاج گذاری کے منحوس جشن کے وقت امام نجف میں تھے۔ قم میں ساواک کے گماشتوں نے امام کے گھر پر حملہ کیا اور امام کی کچھ کتابیں لے گئے۔ ساواک کا صدر امام کی تالیفات کے خطی نسخوں کو علیحدہ رکھ دیتا ہے۔ خوش قسمتی سے انقلاب اسلامی کی کامیابی کے بعد یہ مجموعہ مل جاتا ہے اور اسے امام کے حوالہ کر دیا جاتا ہے لیکن ان میں سے ایک کتاب نہیں ملتی ہے اور وہ فصوص الحکم پر امام کا حاشیہ تھا۔ ۱۹۸۳ میں حوزہ علمیہ ہمدان کا ایک طالب علم پرانی کتابوں اور مجلات کے دوکاندار سے ۵۰ تومان میں کچھ کتابیں خریدتا ہے جن میں سے ایک فصوص الحکم اور دوسری خطی کتاب تھی۔ کچھ دیر بعد وہ متوجہ ہوتا ہے کہ فصوص کے حاشیوں میں مختلف جگہوں پر "السید روح اللہ الخمینی" لکھا ہوا ہے اور اسے یہ بھی اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس نسخہ کی کتاب نہیں شائع ہوئی ہے۔

مذکورہ طالب علم کو یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ خطی نسخہ امام کی تحریر ہے اور بدرجہ اولی اس کے لئے یہ بات قابل تصور نہیں تھی کہ یہ منفرد نسخہ امام کی ایک تالیف اور وہ قیمتی کتاب ہے جس کے لئے امام کے شاگرد اور علمائے عرفان برسوں سے تشنہ ہیں۔ اس کے باوجود کتابوں کو "آیت اللہ نوری حمدانی" جو اس وقت ہمدان میں امام کے نمایندہ اور امام جمعہ تھے، کے پاس لے جاتا ہے۔ آپ امام کے شاگرد تھے اور امام کی تحریر کو اچھی طرح پہچانتے تھے۔ اس میں دوسری کتاب کفایۃ الاصول پر شہید آیت اللہ مصطفی خمینی کا حاشیہ تھا۔ اپنی نگاہوں کے سامنے دونوں کتابیں دیکھ وہ بہت خوشحال اور

حیرت زدہ ہوتے ہیں۔ طالب کو مناسب ہدیہ دے کر کتابوں کو امام کی خدمت میں پہنچانے کے لئے اپنے پاس رکھ لیتے ہیں۔

کچھ دنوں بعد آیت اللہ نوری امام کی خدمت میں حاضر ہو کر کتابیں امام کے حوالہ کرتے ہیں۔ حضرت امام نے فصوص بغل میں رکھ دیتے ہیں اور کچھ دیر تک اپنے فرزند کے تحریر کئے ہوئے علمی سرمایہ میں غرق ہو جاتے ہیں!

امام کے حاشیوں کی کتابت اور اشاعت

امام کے حاشیوں اور تحریر سے آراستہ فصوص الحکم ملنے کے بعد حاج احمد آقا کی تجویز پر میں نے اس کی اور مصباح الانس پر امام کے حاشیوں کی نسخہ نویسی کا کام انجام دیا۔ اس طرح دو کتابوں کا مجموعہ ایک جلد میں اس طرح بنا:

۱۔ فصوص الحکم: تالیف محی الدین ابن عربی باشرح داود بن محمود بن محمد الروحی القیصری

۲۔ مصباح الانس بین المعقول والمشھود فی شرح مفتاح غیب الجمع والوجود۔ مولف متن: ابی المعالی صدرالدین محمد بن اسحاق قونوی وشارح: محمد بن حمزۃ بن محمد

ابتدائی طور پر امام کی ان دونوں کتابوں کی نسخہ نویسی اس مقصد سے ہوئی تھی کہ کتابوں کا دوسرا نسخہ موجود رہے تاکہ اس کی حفاظت کے سلسلہ میں زیادہ اطمینان ہو لیکن نسخہ نویسی کے بعد امام کے بعض شاگردوں اور آپ کی عرفانی تالیفات کے خواہشمند افراد کو اس کی اطلاع مل گئی۔ ان کے اصرار اور اس خواہش کو امام کی خدمت میں پہنچانے اور امام کے سکوت اور عدم مخالفت کی وجہ سے اس حقیر نے اس کی اشاعت کروائی۔ یہ کتاب موسسہ پاسدار اسلام کے ذریعہ منتشر ہوئی۔ اس طرح انقلاب کی کامیابی کے بعد امام کی زیر نگرانی نسخہ نویسی ہونے والی واحد کتاب کی اشاعت ہوئی۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ عام طور پر امام اپنی تحریروں کو دو تین بار نہیں لکھتے تھے۔ اگرچہ آپ بداہت اور سرعت کے ساتھ لکھتے تھے لیکن ان کی تحریریں عمیق مضمون کے علاوہ خوبصورت تعبیروں، بلاغت اور پختہ اور دلکش خط پر مشتمل ہوتی تھی۔ مزید یہ کہ اس میں کاٹنے اور صحیح کرنے کا نشان نہیں ہوتا تھا! آپ کی تحریروں کے بعض نمونے فصوص اور مصباح الانس کے حاشیوں میں ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔

آیت اللہ شاہ آبادی کے مکتب فکر میں

حضرت امام تقریبا بیس سال کی عمر میں قم کی طرف ہجرت کرتے ہیں۔ جبکہ اس وقت تک آپ نے حوزہ کے صرف مقدماتی علوم حاصل کئے تھے اور قم میں آنے کے بعد "سطح" کی تعلیم جاری رکھتے ہیں۔ لیکن علم و دانش کے حصول میں اتنی سرعت کے ساتھ قدم بڑھاتے ہیں کہ ۲۷ سال کی عمر میں علمی و معنوی بلند درجات تک دسترسی حاصل کر لیتے ہیں۔ اسی دوران آیت اللہ شاہ آبادی مرحوم سے ایک نشست میں ملاقات ہوتی ہے اور پہلی ہی ملاقات میں آپ اس الٰہی شخصیت کے علم وفضل سے باخبر ہو جاتے ہیں۔ نشست کے بعد ان کے پیچھے پیچھے چل دیتے ہیں اور ان کی شاگردی سے فیضیاب ہونے کی درخواست کرتے ہیں۔ بہت اصرار کے بعد استاد امام کی خاطر ملاصدرا کی اسفار کی تدریس کرنے کے لئے راضی ہو جاتے ہیں لیکن امام کہتے ہیں کہ وہ اسفار کے مطالب سے واقفیت رکھتے ہیں اور فصوص الحکم کی تدریس کے لئے اصرار کرتے ہیں۔ آخر کار ضعیف استاد نوجوان اور باہمت طالب عالم کے اصرار کے سامنے تسلیم ہو جاتا ہے ۔اس طرح امام شروع میں استاد سے فصوص الحکم اس کے بعد مصباح الانس پڑھتے ہیں اور آیت اللہ شاہ آبادی کے تہران ہجرت کرنے تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اسی دوران امام تیس سال سے پہلے فصوص الحکم اور ۳۵سال سے پہلے مصباح الانس پر حاشیہ لکھ دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ عرفان میں مصباح الہدایہ اور شرح دعائے سحر جیسی بیش قیمت کتابیں بھی قرطاس کے حوالہ کرتے ہیں۔

امام کی غیر معمولی ذہانت

اس نکتہ کی جانب بھی توجہ دینا ضروری ہے کہ فصوص الحکم کو عرفان کی سب سے علمی اور سخت کتاب کے طور پر جانا جاتا ہے۔ آیت اللہ شہید مطہری اپنی کتاب "آشنایی با علوم اسلامی" میں اس کتاب کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں: "یہ عرفان کا سب سے علمی اور عمیق متن ہے۔۔۔ ہر زمانہ میں شاید دو تین لوگوں سے زیادہ ایسے افراد نہ رہے ہوں جو اتنے عمیق متن کو سمجھ سکتے ہوں"۔

فصوح الحکم کی شرح میں شرح قیصری بھی سب سے اہم اور معتبر شرح ہے۔ امام کے حاشیہ اس متن اور اس شرح پر ہیں۔

تعجب کی بات ہے کہ امام بیس سال کی عمر میں حوزہ میں آتے ہیں اور ۲۷ سال کی عمر میں ایسے مقام پر پہنچ جاتے ہیں کہ اس متن اور اسکی شرح کو سمجھنے کے علاوہ اس پر ایسی تنقید کرتے ہیں کہ موجودہ دور میں علم و عرفان کی عظیم شخصیتیں ان کی عاشق ہو جاتی ہیں۔

استاد سے زیادہ سمجھنے والا شاگرد!

آقائے معلم دامغانی امام کے ایک گہرے اور قدیمی دوست تھے اور آخر عمر تک ان کے امام کے ساتھ خصوصی روابط تھے اور وہ مکرر امام کے ساتھ طولانی نشستیں رکھتے تھے۔ جس نشست میں میں ان سے امام کی علمی منزلت کے سلسلہ میں گفتگو کر رہا تھا، انہوں نے فرمایا: "ہم امام کے ساتھ آیت اللہ شاہ آبادی کی خدمت میں شرح فصوص پڑھ رہے تھے۔ لیکن امام آقائے شاہ آبادی سے زیادہ فصوص اور شرح فصوص سمجھتے تھے!"۔ اس بات سے حقیر کو بہت تعجب ہوا اور میں نے پوچھا: "اس کے باوجود ان کی شاگردی اور ان کے سامنے زانوئے ادب طے کرنے کے لئے اتنے اصرار کی کیا وجہ تھی؟!" آقائے معلم نے فرمایا: "امام ان کے وجود اور ان کے قرب کے لیے مسحور ہو چکے تھے اور آقائے شاہ آبادی سے امام کا استفادہ درس اور علمی مسائل سے بڑھ کر تھا!" میں اس وقت متوجہ ہوا کہ امام نے اپنے حاشیہ یا اپنی تالیفات میں جہاں کہیں آیت اللہ شاہ آبادی کا نام لیا ہے وہاں "روحی لہ الفداء" کیوں لکھا ہے۔ جبکہ امام کے دوسرے اساتذہ بھی تھے اور ان کا بہت احترام کرنے کے باوجود ان کے لئے ایسی تعبیریں استعمال نہیں کی ہیں!

اس سے بھی زیادہ عجیب نکتہ

اگرچہ میں نے اجمالی طور پر امام کی غیر مطبوعہ کتابوں کے سلسلہ میں سنا تھا لیکن ان کی ناقابل تصور تعداد اور حجم کا مجھے اس وقت علم ہوا جب نے امام کے ہاتھ سے تحریر کردہ کتابوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ میں نے اس وقت ان میں سے سب سے کم حجم کتاب کی نسخہ نویسی کی تھی اور مجھے اس کی سنگینی کا اندازہ تھا۔ لیکن ان تمام کتابوں کو دیکھنے سے میں دریائے حیرت میں غوطہ زن ہو گیا کیونکہ اگر کتابوں کے علمی محتویٰ کو نظر انداز بھی کر دیا جائے جس کا اندازہ لگانا مجھ جیسے حقیر کے بس میں نہیں ہے، تب بھی یہ بات قابل تعجب ہے کہ ایک انسان نے اتنی باریک بینی اور کاتبوں جیسی خوبصورت اور صاف ستھری خطاطی کے ساتھ اتنی کتابیں تحریر کی ہیں۔

جیسا کہ اس سے پہلے بھی اشارہ کیا جاچکا ہے کہ امام بیس سال تک صرف "سطح" کے ابتدائی مدارج طے کرنے کے بعد حوزہ علمیہ قم میں داخل ہوے تھے۔ بیس سال سے کم کے عرصہ میں آپ اسلامی علوم و معارف میں گویا سب پر سبقت لے جاتے ہیں اور تیس سال سے پہلے ظریف اور گرانقدر کتابیں تحریر فرماتے ہیں۔

اس سے بھی زیادہ عجیب نکتہ یہ ہے کہ مجھے مذکورہ کتاب کی نسخہ نویسی کے دوران امام کی خدمت میں بار بار جانا پڑتا تھا۔ میں نے اس دوران غور کیا کہ کتاب کی تالیف کے پچاس سال گزر جانے اور علمی و معنوی تمام میدانوں میں مسلسل ترقی کے باوجود امام اُس دور میں بھی اپنے علمی کشفیات پر ثابت قدم تھے۔ گویا جیسے آغاز سفر میں ہی منزل تک پہنچ گئے تھے۔ جبکہ عام طور پر بہت سے افراد مختلف علوم میں مختلف نتائج تک رسائی حاصل کرتے ہیں اور اُسی موضوع پر مسلسل تحقیق کرتے رہتے ہیں تو ایک زمانہ گزرنے کے بعد انہیں اپنے گزشتہ نظریہ پر نظر ثانی یا اس کی اصلاح کرنا پڑتی ہے یا کبھی کبھی اس کے بالکل برخلاف نظریہ دینا پڑتا ہے۔

دوسرا قابل توجہ نکتہ یہ کہ کتابت کے دوران میں نے متعدد موقعوں پر ان سے سوال کیا تو انہوں نے اس طرح جواب دیا جیسے ابھی کچھ ہی دیر پہلے مذکورہ کتاب لکھی ہو۔ اتنی تیزی سے جواب دینا اس بات کی واضح علامت ہے کہ پچاس سال سے زائد عرصہ گزرنے کے باوجود آپ کتنے حاضر دماغ تھے کہ گویا تمام مضامین آپ کے لئے روز روشن کی مانند عیاں تھے۔ جبکہ عام زندگی میں ہم نے آپ کا ایسا حافظہ نہیں دیکھا تھا۔

ان دونوں باتوں سے مجھے اتنا تعجب ہوا تھا کہ یہ میرے لئے مدتوں تک ایک لاینحل مسئلہ بنا رہا یہاں تک کہ میں نے حوزہ کی ایک بزرگ شخصیت سے اس سلسلہ میں گفتگو کی۔ اگرچہ ان کا جواب تشفی بخش تھا لیکن امام کی شخصیت میرے لئے مزید ناشناختہ ہو گئی اور مجھے امام کی عظمت کا مزید ادراک ہوا اور اس معنویت کے کوہ عظیم الشان کے سامنے اپنی حقارت محسوس کرتے ہوئے میں نے خود کو اس شعر کا مخاطب پایا:

تا نگردی آشنا زین پردہ رمزی نشنوی

گوش نامحرم نباشد جای پیغام سروش

"جب تک تم محرم راز نہیں بن جاتے تب تک اس حجاب کے ماوراسے کوئی راز نہیں سن سکتے کیونکہ نامحرم کے کان ہاتف غیبی کے پیغام کی جگہ نہیں ہوتے۔"

بہر حال اس گرانقدر استاد نے میرے جواب میں کہا: "اگر انسان حکمت کو پالے اور حقیقت تک رسائی حاصل کرلے، تو یہ نہ فراموش ہونے والی ہے، نہ بدلنے والی، نہ اس میں نظر ثانی کی ضرورت ہے اور نہ تبدیلی کی"۔

اس کے بعد انہوں نے مثال دی کہ جب کوئی انسان ریاضی میں یہ سیکھ لیتا ہے کہ "دو اور دو چار ہوتے ہیں" چونکہ یہ علم حقیقت کے مطابق ہے اس لئے نہ تو وہ اسے بھولتا ہے اور نہ زمانہ بدلنے سے اس میں کوئی تبدیلی ہوتی ہے اور ۲+۲ ہر گز تین یا پانچ نہیں ہوتے بلکہ اگر کوئی ریاضی کی مزید تعلیم حاصل کرے تو وہ جتنا آگے بڑھتا جائے گا اتنا ہی یہ نتیجہ اس کے نزدیک زیادہ مستحکم ہوتا جائے گا۔

یہاں پر آپ حقیر کے سوال کے جواب میں امام کی تحریر ملاحظہ فرمارہے ہیں:

تصویر

امام(رہ) کی علمی انکساری

امام کی یہ علمی عظمت ان کو کسی ایسے معمولی طالب علم کی بات سننے اور اس پر توجہ دینے سے باز نہیں رکھتی تھی جو ان کی شاگردی کا بھی دعوی نہیں کر سکتا تھا۔ حقیر نے متعدد بار ان کی خدمت میں کچھ تجاویز پیش کیں اور انہوں نے خندہ پیشانی کے ساتھ انہیں قبول کر لیا۔ مثلاً امام نے اپنی کتابوں میں قرب نوافل سے متعلق حدیث "وانہ لیتقرب الی بالنافلۃ حتی احبہ۔۔۔" کو مصباح الشریعہ سے نقل کیا تھا لیکن حقیر نے خود امام کی خدمت میں یہ عرض کیا کہ یہ حدیث اصول کافی میں بھی موجود ہے اور مضمون میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ کافی کی حدیث معتبر ہے اور مصباح الشریعہ "مرسل" ہے، اگر آپ اجازت دیں تو ہم کافی کی نقل کے مطابق اس کا متن تحریر کریں اور امام نے خوشی کے ساتھ مثبت جواب دیا! اور میں نے ہر جگہ اس حدیث کا متن اصول کافی کے مطابق دوبارہ لکھا۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ میں نے مذکورہ کتاب پر ایک مقدمہ لکھا ہے جہاں اس میں سے بعض باتیں تحریر کی ہیں، اسی طرح میں نے آیات وروایات کی فہرست بنا کر کتاب کے آخر میں تحریر کی ہے۔ یہ بیش قیمت کتاب حقیر کی کتابت سے شائع ہوئی ہے۔ کتابت کرتے وقت یہ طے نہیں تھا کہ اس کی طباعت ہونا ہے اور جیسا کہ میں نے اس سے پہلے بھی عرض کیا ہے یہ کام صرف نسخہ نویسی کی خاطر تھا، اگر مجھے معلوم ہوتا کہ یہی نسخہ شائع ہوگا تو میں کتابت کے لحاظ سے اس سے بہتر کام انجام دیتا۔

تُعرف الاشیاء باضدادھا

اس معاملہ میں دوسرے خوبصورت نکتہ کی طرف میں متوجہ ہوا کہ اتنی زحمتوں، کوششوں اور مختلف میدانوں میں علمی مدارج طے کرنے اور مختلف علوم میں بے نظیر کتابیں تحریر کرنے کے بعد امام کو ذاتی طور پر ان کتابوں اور تحریروں سے کوئی قلبی وابستگی نہیں تھی۔ ان کی طباعت اور اشاعت کی خواہش تو بہت دور کی بات ہے۔ جب میں نے ان کا مقایسہ ان افراد سے کیا جو صرف تکراری باتیں لکھنے یا واضح مسئلوں کی وضاحت کرنے کے باوجود چند صفحات پر مشتمل اپنی کتابوں کی اشاعت اور تالیفات کی تعداد بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں تو "تعرف الاشیاء باضدادھا" کے باب سے مجھے امام کے زہد و پرہیز گاری کا ایک عظیم نمونہ ملا۔ آپ طلاب سے متعدد بار فرماتے تھے:"

اگر آپ لوگ تحصیل علم کی راہ میں ایک قدم بڑھارہے ہیں تو تہذیب نفس کی راہ میں دو قدم بڑھائیں۔

آپ نے اسی طرح راستہ طے کیا تھا۔ اسی وجہ سے علم اور راستہ کا حجاب طے کر کے منزل مقصود تک پہنچ گئے اور علم اخلاق کے ذریعہ خود اخلاق اور علم حکمت کے ذریعہ خود حکمت حاصل کرلی۔

امام کی تصنیفات کی نشرواشاعت

امام اس کمال پرہیز گاری اور اللہ سے صادقانہ تعلق کے نتیجہ میں نہ تو اپنے خزانہ تصنیفات کی تاراجی پر نوحہ کناں اور غمزدہ ہوئے اور نہ ہی ان کے دوبارہ ملنے پر غیر معمولی خوش ہوئے۔ آپ نے کبھی دوسروں کے سامنے ان کی نشرو اشاعت کا ارادہ ظاہر کیا اور نہ ہی اس سلسلہ میں ذرہ برابر سرمایہ لگایا۔ جو کچھ طباعت کے منزلوں سے گزرا وہ دوسروں کے اصرار کا نتیجہ تھا یا چونکہ آپ کی بعض تحریریں نسخہ برداری کی خاطر شاگردوں میں ایک سے دوسرے کے پاس جاتی رہتی تھی اس لئے ان میں سے کچھ شائع ہوگئیں۔ لیکن ابھی ان میں سے زیادہ تر تصنیفات شائع نہیں ہوئی ہیں۔ اور کمال افسوس یہ ہے کہ ان میں سے بعض امام کی زندگی کے نشیب و فراز میں گم ہوگئیں۔ امید ہے کہ جن افراد کو یہ کتابیں ملیں گی وہ اسلامی معاشرہ اور علمی محافل کو ان قیمتی کتابوں سے محروم نہیں کریں گے اور انہیں "موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی رہ" کے حوالہ کر کے قابل فخر کارنامہ انجام دیں گے۔ ان کتابوں میں ایک انتہائی بیش قیمت کتاب اسفار پر آپ کا حاشیہ ہے۔ الحمد للہ موسسہ پاسدار اسلام کی جانب سے فصوص کے حاشیہ کی اشاعت کے بعد امام کی تصنیفات کی طباعت کا کام سنجیدگی سے آگے بڑھ رہا ہے اور اب تک متعدد قدم اٹھائے جاچکے ہیں۔ امید ہے کہ اسلامی تمدن اور معارف کے سلسلہ میں یہ عظیم خدمت جلدی انجام دی جائے گی۔

رسالہ عملیہ

رسالہ عملیہ کے سلسلہ میں بھی امام کا طریقہ کار بالکل علیحدہ تھا۔ میں خود ایک ایسے شخص کو جانتا تھا جو ابھی مرجع تقلید نہیں ہوا تھا یہاں تک کہ اس کے گھر والوں نے بھی ابھی اس کی تقلید نہیں کی تھی لیکن اس نے توضیح اور مختلف توضیح المسائل پر اپنے حاشیے اکٹھا کر کے متعدد زبانوں میں ترجمہ کروا کے خود انہیں شائع کروا دیا تھا۔ آپ کے شہرت و قیادت سے گریز کے باوجود جب مرضی خدا کے تحت ان کے کاندھوں پر مرجعیت و قیادت کی ذمہ داری آئی تب آپ نے لوگوں کے بہت اصرار اور تقاضہ کے بعد رسالہ عملیہ پیش کیا۔

معمولاً ایسا ہوتا ہے کہ افراد توضیح المسائل بیت المال اور شرعی رقم کے ذریعہ شائع کرتے ہیں اور وسیع پیمانہ پر لوگوں کے درمیان مفت تقسیم کرواتے ہیں لیکن حضرت امام نے رسالہ عملیہ شرعی رقوم سے شائع نہیں ہونے دیا اور نہ اسے مفت تقسیم کروانے کی اجازت دی۔

اس سلسلہ میں امام کے سخت رویہ کے بہت سے واقعات ہیں۔ مثلاً میرے والد محترم ۱۹۶۲ میں امام کی خدمت میں پہنچے اور مقلدوں کی کثرت اور توضیح المسائل کی ضرورت کو بیان کر کے انہوں نے یہ کوشش کی کہ امام کو رسالہ عملیہ شائع کرنے کی ترغیب دیں لیکن حضرت امام نے ان کی باتیں سننے کے بعد صراحتاً اور بغیر کسی تکلف کے فرمایا:

بہتر ہے کہ آپ یہ باتیں کسی ناشر سے کہیں۔

رائج اصول اور اسی کے مطابق ذہنیت کی وجہ سے میرے والد کو بہت تعجب ہوا اور وہ کبیدہ خاطر ہوئے لیکن امام کے نئے اسلوب اور ان کے خدائی معیاروں میں غور و فکر کرنے کے بعد امام سے ان کی مخلصانہ محبت میں اضافہ ہو گیا۔

امام نے ایسے حالات میں یہ اسلوب اپنایا اور اس پر کاربند رہے جبکہ میں نے اپنی آنکھوں سے اس کے بالکل برخلاف بہت سے واقعات دیکھے تھے۔ منجملہ جب مرحوم "آیت اللہ حکیم" بیمار ہوئے اور لندن منتقل کئے گئے، تو میں خلیجی ممالک میں ایک عالم دین کے گھر گیا۔ میں نے وہاں پر عجیب منظر دیکھا۔ ان کے کمرے اور دالان کا ایک بڑا حصہ چھت تک بعض افراد کی توضیح المسائل سے بھرا ہوا تھا۔ ان توضیح المسائل کو آیت اللہ حکیم کی وفات کے بعد مراجع کے دفتر نے مفت تقسیم کرنے کے لئے بھیجا تھا، جبکہ وہ عالم دین بظاہر امام خمینی کے مقلد تھے لیکن اب تک انہیں امام کی ایک توضیح المسائل بھی نہیں مل سکی تھی۔

مرجعیت کے مدعی ایک دوسرے شخص کو میں نے خود دیکھا کہ ایک پاکستانی ان کے پاس آیا تھا اور اگرچہ اس نے صراحتاً بتا دیا تھا کہ وہ امام خمینی کا مقلد ہے لیکن اس مدعی مرجعیت نے اپنے ہاتھ سے الماری سے اپنی توضیح المسائل نکال کر اسکے حوالہ کر دی۔

بارہاعلماء یا غیر علماء جو رائج طریقہ سے واقف تھے، امام کے دفتر میں آکر توضیح المسائل کا مطالبہ کرتے تھے۔ جب ہم کہتے تھے کہ ہمارے پاس نہیں ہے اور ہمیں بھی جب دفتر کے لئے یا جواب کے لئے یا خود امام کو توضیح المسائل کی ضرورت ہوتی ہے تو ہم دوسروں کی مانند ناشرین سے خریدتے ہیں، تو مطالبہ کرنے والوں کو بہت تعجب ہوتا تھا۔ امام کی شائع شدہ تمام کتابوں کی صورتحال یہی تھی۔ یہاں تک کہ خود امام کے پاس ان میں سے بعض کتابوں کا ایک نسخہ بھی نہیں ہوتا تھا اور ضرورت پڑنے پر وہ ہم سے امانت لیتے تھے اور بعد میں واپس کر دیتے تھے۔

دوسری بات یہ ہے کہ وہ کتابوں کی معمول سے کم قیمت کو کتاب اور اس کے مصنف کی توہین سمجھتے تھے اور اس کام کے مخالف تھے۔ اس کی مثال یہ واقعہ ہے:

توہین اور استغفار

نجف اشرف میں امام کے ایک نزدیکی ساتھی جن سے امام محبت کرتے تھے، نے آیت اللہ شہید مرحوم مصطفی خمینی کی بعض تصنیفات کی تحقیق اور اشاعت کے لئے اقدام کیا تھا۔ اس سلسلہ میں انہوں نے امام کی خدمت میں ایک خط بھجوایا۔ ہم امام کی خدمت میں پہنچے تو دیکھا کہ امام اس خط کا مضمون پڑھنے کے بعد بہت ناراض ہیں اور کہہ رہے ہیں:

فلاں صاحب نے میرے لئے یہ کیا لکھا ہے؟ مصطفی اور اس کی کتابوں کی توہین کی ہے۔ انہیں استغفار کرنا چاہئے۔ اس توہین کی بابت استغفار کرنا چاہئے!

چونکہ ہمیں خط کے مضمون کا علم نہیں تھا اس لئے ہم سوچنے لگے کہ انہوں نے ایسی کون سی بات لکھ دی ہے جس نے امام کو اتنا ناراض کر دیا ہے۔ کچھ دنوں کے بعد جب وہ دفتر آئے تو ہم نے امام کی بات بتانے کے بعد ان سے خط کا مضمون معلوم کیا تو انہوں نے اسے میرے لئے دوبارہ لکھا:

بخدمت اقدس۔۔۔۔۔ الحمد للہ استاد شہید آیت اللہ مصطفی خمینی کی کتاب۔۔۔۔۔ شائع ہو گئی ہے۔ ہمارا ارادہ ہے کہ اگر کچھ مدد فرمادیں تو ہم اشاعت کے حقوق نہیں لیں گے تاکہ کتاب کو معمول کی قیمت سے کم تقریباً نصف قیمت پر بازار میں فروخت کیا جاسکے۔

امام(رہ) کے حق میں مفید سازش!

امام نے خدا کے لئے خدا کی راہ میں خدا کے دین کے دفاع کے لئے اور بندگان خدا کی نجات کی خاطر قیام کیا اور اس راہ میں وہ خدا کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرے۔ انہوں نے ایک لمحہ کے لئے بھی اپنی مصلحت اور آسائش و آرام کی فکر نہیں کی۔ خدا نے بھی ان کے لئے راستے کھول دیے، ان کی حفاظت اور مدد کی۔ اپنے پاکیزہ کردار بندوں کے دلوں کو ان کی جانب متوجہ اور ان کا عاشق بنا دیا اور ان کے دشمنوں کو مرعوب اور مغلوب کر دیا۔

اگرچہ امام کے سرفروش ساتھیوں نے امام کی تحریک کی پیش رفت کے لئے کسی بھی کوشش اور قربانی سے دریغ نہیں کیا اور اس راہ میں حماسہ کی تخلیق کی لیکن خدا کے اس معجزہ کو بآسانی محسوس کیا جا سکتا ہے کہ امام کی تحریک کی ترقی اور کامیابی میں ان کے دشمنوں نے بھی کردار ادا کیا۔ دشمن، دشمنی اور امام کو نقصان پہچانے کے ارادہ سے جو منصوبہ بھی بناتے تھے تقدیر الٰہی کے زیر اثر وہ امام کے مفاد اور دشمن کے نقصان کا سبب بنتا تھا۔ " ولا یحیق المکر السیئی الا باھلہ"۔ یقینا امام کی زندگی کا مطالعہ بہت سی قرآنی آیات کی مجسم تفسیر ہے۔

امام کو ترکی جلاوطن کرنے کے ایک سال بعد شاہی حکومت اپنے آقاؤں بالخصوص شیطان اکبر کی فکری مدد سے اس نتیجہ تک پہنچی کہ امام سے مقابلہ سے بچنے کے لئے بہترین راستہ انہیں نجف اشرف منتقل کر دینا ہے۔ دوسری جانب امام کے حامی جو دیندار اور امیر المومنین علیہ السلام کے عاشق ہیں جب دیکھتے ہیں کہ ان کے قائد اور مرجع ترکی کے دور دراز علاقہ میں جلاوطن ہونے کے بجائے نجف اشرف میں اپنے جد کے جوار میں مقیم ہو گئے ہیں تو ان کی پریشانی خوشحالی اور اطمینان میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس طرح آپ کی مظلومانہ جلاوطنی کی وجہ سے عام افراد سے رابطہ اور امام کی جانب لوگوں کی توجہ کم ہونے کی مشکل دور ہو جاتی ہے۔ دوسری جانب شاہی حکومت کو نجف کے حالات کی جو شناخت تھی اور وہاں پر ان کے کچھ چھوٹے بڑے مہرے موجود تھے نیز ان کا یہ خیال تھا کہ آیات عظام "حکیم، خوئی، شاہرودی" جیسے قدیمی مراجع کی موجودگی میں امام کی نئی شخصیت اپنی حیثیت گنوا دے گی اور درباری لوگوں کی مدد سے حقارت کی نگاہوں سے دیکھی جانے والی امام کی شخصیت نجف کی خاموش فضا میں منجمد ہو جائے گی اور ان کی افکار اور تحریک کا پودا خشک ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ دوسرے دلائل بھی ہیں جنہیں یہاں ذکر کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ ان سب دلائل کی وجہ سے انہوں نے امام کو ۵/۱۰/۱۹۶۵ میں نجف اشرف جلاوطن کر دیا تا کہ اطمینان کے ساتھ امام کے حامیوں کی جانب سے پریشان ہوئے بغیر سب کچھ ختم کر دیں۔

امام کے علمی مقام و منزلت کا بول بالا

شاہی حکومت کا خیال تھا کہ نجف علمی لحاظ سے قم سے بالاتر ہے، البتہ ان کا یہ تصور حوزہ نجف پر مسلط اس رائے عامہ کی وجہ سے تھا۔ لیکن امام کے درس فقہ کی شروعات کے بعد حوزہ نجف کو اپنے اس غلط تصور کا اندازہ ہو گیا۔ اگر چہ چند متعصب اور جانبداروں نے کچھ برسوں تک مزاحمت کی لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حتی نجف کی بہت سی بزرگ شخصیتوں کو بھی اس حقیقت کا علم ہو گیا۔ "آیت اللہ شیخ مجتبی لنکرانی" جیسی ممتاز شخصیت جو سالہا سال "آیت اللہ خوئی" اور "آیت اللہ میلانی" کے شریک مباحثہ تھے، نے نہ صرف دوسروں کی بہ نسبت امام کے اعلم ہونے کی گواہی دی بلکہ اپنے عظیم الشان قصیدہ میں امام کا شیعہ تاریخ کی بالاترین شخصیتوں سے موازنہ کیا۔ آپ نے امام کو علوم نقلی میں علامہ حلی اور علوم عقلی میں خواجہ نصیر طوسی کے ہم پلہ قرار دیا تو تقوی میں ابن فھد سے برتر بتایا۔

تالی علامہ است و خواجۂ طوسی

گوی سبق بردہ زبن فھد بہ تقوی

من بہ شگفتم کہ زندہ گشت محقق

نامدہ رجعت چگونہ آمدہ دنیا

میں نے رسائل اور مکاسب شیخ انصاری کا بیشتر حصہ مرحوم شیخ مجتبی لنکرانی کی خدمت میں پڑھا۔ وہ دوران درس نجف کی بہت سی بزرگ شخصیتوں کے علمی نظریات کی تردید کرتے تھے لیکن امام کے نظریات پیش کرتے وقت استدلال کے ساتھ ان کی تائید کرتے تھے اور امام کا نام بھی انتہائی احترام سے لیتے تھے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ بعض افراد جو امام (رہ) سے قلبی لگاؤ تو رکھتے تھے لیکن تقلید دوسرے مراجع نجف کی کرتے تھے وہ آیت اللہ حاج شیخ مجتبی لنکرانی اور شہید آیت اللہ سید مدنی کے امام کے اعلم ہونے کی گواہی دینے سے امام کی تقلید کرنے لگے۔

ایک دوسرے ممتاز عالم نے مجھ سے کہا: جب حضرت امام نے نجف اشرف میں درس فقہ شروع کیا تو میں خود درس خارج دے رہا تھا اور خود کو دوسروں کے درس سے بے نیاز سمجھتا تھا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ امام کی اعلمیت کا امتحان لینے کے لئے کچھ دن ان کے درس میں حاضری دوں لیکن کچھ دنوں بعد میں سمجھ گیا کہ امام کی علمی عظمت کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا چاہئے اور اس طرح میں نے آخر تک امام کا درس نہیں چھوڑا"۔

امام کا درس ابتدائی مہینوں اور پہلے ہی سال میں نجف اشرف کا سب سے اہم اور علمی لحاظ سے مستحکم درس مانا جانے لگا۔ نجف کے مشہور دروس معمولا بیس منٹ یا آدھ گھنٹہ کے ہوتے تھے لیکن امام کا درس عام طور سے ایک گھنٹہ سے زیادہ

چلتا تھا۔ دوسرے دروس میں شرکاء کی بڑی تعداد "لشکر کی سیاہی میں اضافہ" یا خود ان کی زبانی جلسۂ درس کے احترام میں حاضری دینا تھی لیکن امام کے درس کے شاگرد محنتی طلاب ہوتے تھے۔ نجف کے درس معمولاً شاگردوں کی مکمل خاموشی اور یکساں تقریر کی صورت میں منعقد ہوتے تھے لیکن امام کا درس ہمیشہ اعتراض کے حل، جواب، مذاکرہ، گفتگو اور مشق اجتہاد کا مرکز تھا۔ شاگردوں کو نہ صرف اعتراض اور اظہار نظر کا حق تھا بلکہ خود امام اس اسلوب کی جانب ترغیب دلاتے تھے اور شاگردوں کو حتیٰ درس قلمبند کرتے وقت بھی استاد کے نظریات پر تنقید کرنے کے لئے کہتے تھے۔

امام کے ایک ممتاز شاگرد اور امام کی استفتاء کمیٹی کے رکن میرے استاد "آقائے قدیری" نے مجھے بتایا کہ ہم نے امام کے دروس کو تحریری شکل دے کر اظہار نظر کی خاطر ان کی خدمت میں پیش کیا، جب ہم اپنی کاپی واپس لینے اور امام کا نقطۂ نظر جاننے کے لئے ان کی خدمت میں پہنچے تو انہوں نے میری تحریر پر تقنید کرتے ہوئے کسی بزرگ شخصیت سے ایک واقعہ نقل کیا۔ یہ امام کا طریقۂ کار تھا کہ آپ بہت سی جگہوں پر انتہائی ادب کے ساتھ بالواسطہ خوبصورت واقعات نقل کر کے اپنے مخاطب کو اپنا نقطۂ نظر بتا دیتے تھے۔ اس واقعہ کا ماحصل یہ تھا کہ آپ نے درس کا مضمون بہت اچھے انداز میں قلمبند کیا ہے لیکن اس کا واحد عیب یہ ہے کہ آپ نے استاد کے نظریات میں کوئی عیب نہیں نکالا ہے اور اپنی جانب سے کوئی تنقید اور نظریہ نہیں پیش کیا ہے۔!

سب سے منظم درس

امام کا درس سب سے منظم درس تھا اور اس میں غیر ضروری تعطیلات نہیں تھیں۔ مثلاً معمول یہ تھا کہ دو تعطیل کے درمیان تعطیل ہو جاتی تھی جیسے اگر یکشنبہ کو کسی معصوم کی شہادت کی مناسبت سے تعطیل تھی تو جمعہ اور یکشنبہ کے درمیانی دن شنبہ کو بھی تعطیل ہو جاتی تھی لیکن حضرت امام (رہ) نے یہ روایت ختم کر دی۔

ایک دن امام دوسرے درسی دنوں کی مانند مسجد شیخ انصاری میں آئے۔ اس مسجد کا شبستان امام کا محل درس بھی تھا اور وہاں پر آپ کی اقتدا میں ظہرین کی نماز جماعت بھی ہوتی تھی۔ امام کا درس صبح ۱۰ بجے ہوتا تھا اور اپنے سارے کاموں کی طرح جو وقت کی پابندی اور نظم وضبط کے ساتھ انجام پاتے تھے، امام مقررہ وقت پر مسجد پہنچ گئے۔ عام طور پر آپ تھوڑا آرام کرنے کے لئے منبر کے پاس تھوڑی دیر کے لئے بیٹھتے تھے اور اس کے بعد درس کے لئے منبر پر جاتے تھے۔ اس دن "بین التعطیلین" کی وجہ سے سوائے کچھ لوگوں کے کوئی بھی شاگرد نہیں آیا تھا! امام نے تقریباً بیس منٹ انتظار کیا۔ منبر ایسی جگہ پر تھا جہاں سے مسجد دروازہ دکھائی دیتا تھا اور امام شاگردوں کے آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ ایک ایک دو دو

کر کے کچھ لوگ آئے اور امام کو منتظر دیکھ کر درس میں بیٹھ گئے اور آخرکار حاضرین کی تعداد اچھی خاصی ہوگئی تو امام منبر پر گئے لیکن گزشتہ دنوں کے موضوع درس پر گفتگو کرنے کے بجائے آپ نے غلط تعطیلات کی دیرینہ رسم کی شدید مذمت کی۔ جس کا مضمون یہ تھا کہ ہمارے پاس اپنے ہر کام کے سلسلہ میں خدا کے حضور اور قیامت کے دن دلیل ہونا چاہیئے، ہمیں حساب کرنا چاہیئے کہ ہم نے اپنی عمر کا ایک دن گزار کے کیا حاصل کیا ہے۔ حوزہ پر خرچ ہونے والی بیت المال اور امام زمانہ (ع) کی رقم کتنی ہے؟ اور اسے برباد کرنے کے لئے ہمارے پاس کون سی ایسی دلیل ہے جس سے خدا راضی ہو؟! وغیرہ وغیرہ

ہمیشہ کی مانند اسلامی تعلیمات اور دل کی گہرائیوں سے نکلنے والی امام کی باتیں دلوں میں بیٹھ گئیں اور اس آواز کی گونج نے غائبین کو بھی متوجہ کر دیا جس کی وجہ سے دو تعطیل کے درمیان تعطیل کا سلسلہ ختم ہو گیا!

اگرچہ اس دن درس میں فقط دس فی صد شاگرد موجود تھے لیکن امام نے اپنی گفگو کو عملی جامہ پہنایا اور فقہی موضوع گفتگو اور درس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس طرح تقریباً بیس منٹ انتظار، بیس منٹ نصیحت اور بیس منٹ درس کے ذریعہ اپنے شاگردوں کو دوسرے دروس سے بالاتر درس دیا!

مجتہد ساز درس

امام کے درس کی ایک اور خصوصیت یہ تھی کہ موضوع بحث کے متعلق نظریات پر تنقید و تبصرہ کے لئے اہل نظر افراد کے مستحکم نظریات اور ان کے دلائل کا انتخاب کرتے تھے اور کبھی کبھی کئی ایک درسوں میں اس نظریہ کی توضیح و تشریح کرتے تھے۔ کبھی کبھی تو سامع کو محسوس ہوتا تھا کہ یہ انتہائی اہم استدلال ہے اور امام بھی اسی کی تائید کر رہے ہیں لیکن اس کے بعد اتنے مستحکم استدلال کے ذریعہ اس نظریہ پر تنقید و تبصرہ کرتے تھے کہ شاگردوں کے ذہن میں تلاطم بپا ہو جاتا تھا۔ اس طرح وہ نظریاتی کشمکش اور مختلف انداز کے استدلال پیش کر کے طلاب کو اجتہاد کے فن سے آگاہ کرتے تھے اور ذہنوں کو غور و فکر پر ابھارتے تھے اور افکار کو تازگی بخشتے تھے۔ اس سارے ماجرا میں ذہین اور محنتی طالب عالم مذاکرہ اور گفتگو کرتے تھے۔ سارے شاگردوں میں مرحوم آقا مصطفی اس میدان کے مرد تھے اور آقائے شیخ مصطفی اشرفی شاھرودی کو اعتراضات پیش کرنے میں مہارت اور استقلال تھا۔ کبھی کبھی ان دونوں شخصیتوں کی امام سے مناظرہ اور سوال و جواب کے نتیجہ میں اتنی آواز بلند ہوتی تھی اور درس کا ماحول ایسا ہو جاتا تھا کہ اگر کوئی ناواقف اس لمحہ داخل ہوتا تو وہ سمجھتا کہ استاد اور شاگردوں میں جھگڑا ہو گیا ہے!

اعتراضات وجوابات کا یہ سلسلہ بالکل پہلوانوں کے اکھاڑے کی مانند تھا جہاں نئے لوگ پہلوان بننے کے لئے اپنے مربی اور پیش قدم افراد سے مقابلہ کرتے ہیں۔ "سابقون" مجتہد بننے کی مشق کرتے تھے اور "لاحقون" طریق کار سیکھتے تھے اور درس خارج میں شرکت کرنے والے نئے افراد کے لئے یہ ایسی جگہ تھی جہاں کم از کم وہ اصل درس کو بخوبی سمجھ جاتے تھے۔ بطور خلاصہ کہا جاسکتا ہے کہ امام کا درس مختلف مراحل کے شاگردوں کی ترقی اور مجتہد سازی کے لئے بہترین درس تھا۔

موضوعات پر گفتگو کرنے کے سلسلہ میں امام کی ممتاز روش کا دوسرا نمونہ یہ تھا کہ دوسرے دروس خارج دینے والے افراد معمولاً مرحوم نائینی اور آقا ضیاء عراقی کے شاگرد تھے اور وہ اپنے درس میں انہی دو بزرگ شخصیتوں کے نظریات نقل اور ان پر تنقید کرتے تھے لیکن ایسے اساتذہ کم تھے جو شیخ محمد حسین کمپانی کے نظریات بیان کرتے تھے جس کی وجہ ظاہراً یہ تھی کہ ان کی علمی منزلت اور استدلالی قوت اپنے ہمعصر افراد سے کہیں زیادہ تھی۔ یہ طریقہ نجف میں رائج ہو گیا تھا لیکن امام وہ تنہا استاد تھے جو اپنے مذکورہ رویہ کی وجہ سے مرحوم کمپانی کے نظریات پیش کرتے تھے اور ان پر تنقید و تبصرہ کرتے تھے۔ فقہی مضامین اور استدلال میں امام کی علمی قدرت اور ذہانت اسی میدان میں ظاہر ہوتی تھی۔

امام(رہ) کے اخلاقی دروس

امام کے درس یا خود امام کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ عموماً موضوع درس کے ختم ہونے اور ماہ رمضان وغیرہ کی خاطر درس تعطیل ہونے کی مناسبت سے آخری جلسہ میں مکمل طور پر یا کچھ دیر تک اخلاقی مسائل بیان کرتے تھے اور شاگردوں کو نصیحت کرتے تھے۔ اس گفتگو کا مجموعہ "جہاد اکبر" کے نام سے نجف میں ترتیب پایا اور نشر ہوا۔

امام(رہ) کا درس اخلاق مخاطبین اور حاضرین میں اتنا اثر دکھاتا تھا کہ پتھر دل کو بھی پانی پانی کر دیتا تھا اور دل کی گہرائیوں سے اٹھنے والے جذبات اشکوں کی صورت رواں ہو جاتے تھے اور ان کی روح سے تمام کثافتوں کو پاک وصاف کر دیتے تھے۔

اگرچہ امام کا درس اخلاق کئی مہینوں میں ایک بار ہوتا تھا لیکن اس کا گہرا اثر مدتوں تک باقی رہتا تھا اور یقینا حاضرین کی آواز گریہ کے ہمراہ امام کی دلنشین اور موثر آواز آپ کے شاگردوں کے ذہن سے کبھی ختم نہیں ہو سکتی۔

امام کے شاگردوں کے اخلاق و کردار میں آپ کے درس اخلاق کا ایک آنکھوں دیکھا اثر یہ تھا کہ دو افراد کافی دنوں سے ایک دوسرے سے ناراض تھے اور ان میں بات چیت نہیں ہو رہی تھی۔ ان میں صلح کرانے کی دوستوں کی کوشش بھی

رنگ نہیں لا رہی تھی۔ ایک دن درس اخلاق کے بعد دونوں ایسا منقلب ہوئے کہ درس کے فورا بعد مصافحہ کرتے ہوئے ان کے دل بھی ایک ہوگئے اور میں نے خود دیکھا کہ مسجد سے نکلتے وقت دونوں میں سے ہر ایک کی کوشش یہ تھی کہ وہ دوسرے کی چپل سیدھی کر کے اس کے سامنے رکھ دے۔

ب: انفاق و بخشش

امام کے ذاتی وسائل

الف: زمین اور گھر

جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ امام نہ تو خاندانی اعتبار سے خالی ہاتھ تھے اور نہ اپنے والد کی میراث کے لحاظ سے لہذا وسائل اور عیش و عشرت کی زندگی گزارنے کے راستے آپ کے سامنے کھلے ہوئے تھے۔ اس کے باوجود انہوں نے اپنی موروثی زمین کسانوں اور ضرورتمندوں میں تقسیم کر دی تھی۔ اس کے علاوہ انقلاب سے پہلے کا زمانہ ہو یا انقلاب کے بعد کا، مومنین اور آپ کے چاہنے والے شرعی رقم نہیں بلکہ تحفہ کے طور پر آپ کو گھر اور زمین ہدیہ کرتے تھے جنہیں آپ قبول کرنے کے بعد مستحق افراد یا فلاحی اداروں کو دے دیتے تھے۔

منجملہ کئی ایکٹر زمین پر مشتمل ایک باغ آپ کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کیا گیا۔ آپ نے اسے قبول کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ پورا باغ ان کسانوں کی ملکیت ہے جو اس میں کام کرتے تھے۔ امام کا واحد گھر وہی معمولی سا گھر تھا جسے آپ نے اپنی طالب علمی کے زمانہ میں قم کے محلہ یخچال قاضی میں فراہم کیا تھا۔ یہ محلہ اس وقت شہر قم کا آخری محلہ تھا۔ امام کی جلاوطنی اور نجف میں قیام کا زمانہ ہو یا انقلاب کے بعد کا دور، یہ گھر ہمیشہ شرعی اور فلاحی امور کی خاطر عوام اور طلاب کی آمد و رفت کا مرکز تھا۔

امام کی محبوبیت بڑھنے سے آپ کی خدمت میں پیش کی جانے والی زمینوں اور گھروں کے علاوہ نقد روپیہ، سونا، نفیس اشیا، کتاب، خطی قرآن، نفیس آرٹ اور کتابت، کپڑے وغیرہ بھی آپ کے معتقد افراد کی جانب سے نذر و ہدیہ کے عنوان سے پیش کئے جاتے تھے۔ جہاں تک حقیر کے علم میں ہے امام کے گھر اور باہر کے اخراجات کا بیشتر حصہ انہی ہدایا سے

پورا ہوتا تھا لیکن تحائف کی کثرت اور امام کی قناعت کی وجہ سے یہ اشیا بھی آپ کے گھر میں جمع نہیں کی جاتی تھیں اگر چہ افراد انہیں صرف آپ کی ذات کے لئے پیش کرتے تھے۔ امام نے ان میں سے کچھ بھی اپنے لئے بچا کر نہیں رکھا یہاں تک کہ امام نے جو کچھ اپنے پیچھے چھوڑا تھا وہ صرف اتنا تھا کہ ان کی رحلت کے بعد ان کے دفتر اور گھر میں فقط دو تین دن مہمان نوازی کی جا سکی!

ب:وسائل زندگی

آپ تحفہ میں پیش کئے جانے والے عمامہ، قبا، عبا، کپڑا، جانماز، سجدہ گاہ، نعلین، جوراب اور رومال وغیرہ میں سے کبھی کبھی اپنی ضرورت کے مطابق کوئی چیز لے لیتے تھے اور جب کوئی چیز کئی عدد ہوتی تھی تو فرماتے تھے:

میں ان سب کا کیا کروں گا؟!

اور ضرورت سے زائد سامان کے لئے فرماتے تھے:

یہ ضرورتمند افراد کو دے دیجئے۔

کبھی کبھی وہ اس میں سے کچھ لے لیتے تھے تو محسوس ہوتا تھا کہ گویا اپنے لئے لے رہے ہیں لیکن بعد میں معلوم ہوتا تھا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ انہوں نے کسی دوسرے کو دینے کے لئے لیا ہے۔ منجملہ کویت سے ایک مومن کی جانب امام کو عبا کا ایک نفیس کپڑا پیش کیا گیا۔ آپ نے لے لیا اور کچھ نہیں کہا۔ کچھ دنوں بعد میں ان کے پاس سے واپس آرہا تھا کہ دروازے کے قریب پہنچ کر مجھے محسوس ہوا کہ وہ کچھ فرما رہے ہیں۔ میں واپس لوٹا تو انہوں نے کہا:

وہاں پر (دوسرے کمرے میں پردے کے پیچھے اشارہ کیا) جو کچھ ہے تمہارا ہے، اسے اٹھالو۔

میں نے کہا "جی بالکل" وہاں جا کر دیکھا تو وہی عبا کا کپڑا رکھا ہوا تھا۔ میں نے اسے اٹھایا اور شکریہ ادا کرتا ہوا باہر چلا آیا۔

ج:نفیس اشیا اور کتب

قیمتی اور نفیس تحائف جیسے خطی قرآن کے بارے میں عام طور پر فرماتے تھے:

انہیں ایسی جگہوں پر دے دیجئے جہاں ان کی حفاظت ہو سکے۔

بعض مواقع پر خطی قرآن کے سلسلہ میں حکم دیتے تھے کہ انہیں حرم امام رضا کے کتابخانہ میں بھجوا دیا جائے۔ فقط کچھ ایسے نادر مواقع تھے جب امام نے خلاف معمول فرمایا کہ یہیں پر رکھ دیجئے، جن میں سے ایک موقع وہ تھا کہ جب پیغمبر

اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ایک خوبصورت تصویر پیش کی گئی جس کا واقعہ بعد میں دوسری مناسبت سے نقل کروں گا۔ جو کتابیں ناشرین یا مصنفین کی جانب سے تحفہ میں دی جاتی تھیں، وہ سب آپ کی خدمت میں پہنچائی جاتی تھیں اور امام چند انگشت شمار مواقع کہ جن میں سے بعض نئ عرفانی کتابیں تھی اور امام نے انہیں اپنے پاس رکھ لیا، کے علاوہ ہمیشہ ایک اجمالی نظر ڈالنے کے فرماتے تھے:

انہیں لے جایئے اور کسی ایسے آدمی کو دے دیجئے جو ان سے استفادہ کرے۔

البتہ کبھی کبھی ایسا ہوتا تھا کہ بعض ضد انقلاب کتابیں جو امام کے خلاف تحریر کی گئی تھیں اور وہ جھوٹ، تہمت اور اہانت سے بھری ہوئی تھیں، امام کی ناراضگی کے سبب ان کی خدمت میں پیش نہیں کی جاتی تھیں لیکن ہمیں بعد میں معلوم ہوا کہ منجملہ ان میں سے ایک بدترین کتاب کسی دوسرے ذریعہ سے امام تک پہنچ گئی تھی۔ مگر ہم نے اس کے ساتھ یہ بھی دیکھا کہ امام راہ خدا میں ملامت کرنے والوں اور دشمنوں کے حیلوں سے ذرہ برابر متاثر نہیں ہوئے اور یہ مخالف ہوائیں ایمان و اخلاص کے اس ہمالیہ کو ہلا بھی نہ سکیں۔

د: نقد رقم

تمام تحائف میں سب سے زیادہ جو چیز مومنین کی جانب سے پیش کی جاتی تھی اور جسے تقریباً روزانہ بہت سے مومنین پیش کرتے تھے وہ نقد رقم، سونا اور چاندی وغیرہ تھی جسے عام طور سے آپ لے لیتے تھے۔ لیکن جن مواقع پر آپ کو معلوم ہو جاتا تھا کہ تحفہ دینے والا شہید کے گھر سے ہے (چاہے وہ باپ، بھائی، ماں، اہلیہ یا شہید کا بیٹا ہو) یا خود ضرورتمند ہے تو آپ پیش کی گئی رقم یا سونا وغیرہ اپنے اختیار میں لینے کے بعد اسے واپس کر دیتے تھے اور فرماتے تھے:

خود ان کو واپس کر دیجئے

ایسا بہت دیکھنے میں آتا تھا کہ فوجی شہدا کے گھرانوں کو فوج کی جانب سے دو لاکھ تومان (اس وقت کے حساب سے پندرہ بیس ہزار روپئے) ملتے تھے اور وہ مذکورہ مبلغ چک یا نقد امام کی خدمت میں ہدیہ کر دیتے تھے۔ امام بلا استثنا اور ان کی ضرورت یا عدم ضرورت کو مد نظر قرار دیئے بغیر، دی ہوئی رقم وصول فرماتے تھے اور پھر انہیں واپس کر دیتے تھے۔

لوگوں کی جانب سے تحائف دینے اور امام کے واپس کرنے کے علاوہ کچھ ایسے بھی مواقع تھے کہ جب بعض افراد کو پیسہ کی شدید ضرورت ہوتی تھی اور چونکہ وہ شرعی رقم استعمال نہیں کرنا چاہتے تھے اس لئے اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے امام کے شخصی مال میں سے مدد کی درخواست کرتے تھے۔

منجملہ امام کے ایک وکیل نے حقیر کے ذریعہ امام تک یہ پیغام پہنچوایا کہ "میرا بیٹا فلاں اسلامی ملک میں زیر تعلیم ہے، ابھی اس نے حکومت سے وہاں کی کرنسی نہیں لی ہے اس لئے وہ مقروض ہو گیا ہے اور اسے پیسہ کی شدید ضرورت ہے لیکن چونکہ میں رقوم شرعیہ نہیں استعمال کرنا چاہتا ہوں اس لئے اگر ممکن ہو تو اپنے شخصی مال میں سے فلاں مقدار مبلغ اس مقصد کے لئے عنایت فرمایئے" چونکہ دوسرے ملک کی کرنسی کا معاملہ تھا اور امام کے پاس اس طرح کے تحائف زیادہ نہیں تھے اس لئے ان تک یہ درخواست پہنچانا سخت کام تھا۔ لیکن بہر حال ان کی خدمت میں یہ بات پہنچائی گئی اور آپ نے کچھ دنوں بعد مذکورہ مبلغ فراہم کیا اور لاکر ہمیں دیتے ہوئے کہا کہ فلاں صاحب کو دے دیجئے۔

آپ اس سلسلہ میں دوسرے واقعات باب "دوطرفہ محبت" میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

ادائیگی قرض

ایک واقعہ یہ ہے کہ امام کو اطلاع ملی کہ آپ کے ایک جاننے والے گھر خریدنے کی وجہ سے مقروض ہو گئے ہیں اور ان کے لئے اس کی ادائیگی مشکل ہو گئی ہے۔ آپ نے حکم دیا کہ ان کا قرض ادا کر دیا جائے۔ لیکن مذکورہ شخص امام کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے شکریہ اور ان کے سامنے بولنے کی جسارت کی معذرت کرتے ہوئے کہا: "حقیر نے اب تک کوشش کی ہے کہ میں اپنی زندگی میں رقوم شرعیہ استعمال نہ کروں اور اگر آپ اجازت دیں تو میں چاہتا ہوں کہ اپنا یہی طریقہ کار جاری رکھوں"

امام نے اس وقت کچھ نہیں کہا لیکن کچھ دنوں بعد اپنے شخصی مال میں سے کچھ رقم اسے عنایت کی اور تین ہفتہ بعد پھر ان کے بقیہ قرض کا حال معلوم کیا اور اسے بھی ادا کر دیا۔

امام کے وہ وسائل جو خود ان کے نہیں تھے

شہرت و قیادت اور مرجعیت کی نسبت امام کی بے اعتنائی اور اور ان امور سے پرہیز کی داستان عام و خاص کی زباں زد ہے جسے تحریر کرنے کے لئے علیحدہ باب کی ضرورت ہے۔ لیکن اس کے باوجود خدا کا ارادہ یہ تھا کہ امام کو محبوبیت، شہرت اور مرجعیت کی بلندیوں تک پہنچا دے۔ عالم تشیع کی اس قیادت و مرجعیت کے نتیجہ میں رقوم شرعیہ کا ایک سیلاب امام کی جانب رواں ہو گیا یہاں تک کہ تاریخ مرجعیت میں امام کا شہریہ اور ان کی جانب سے خرچ ہونے والی شرعی رقوم سب سے زیادہ ہو گئیں۔

یقیناشیعہ مرجعیت میں موجود پیسہ کا سسٹم پوری دنیا میں بے نظیر ہے اور کسی بھی شخص اور شخصیت کے اختیار میں اتنا پیسہ نہیں ہوتا ہے، وہ بھی ایسا پیسہ جسے ادا کرنے والے اپنی مرضی سے اور اپنا فریضہ ادا کرنے کی خاطر دیتے ہیں اور اس ادائیگی میں نہ صرف یہ کہ پیسہ لینے پر کوئی احسان نہیں جتاتے ہیں بلکہ اس کے احسان مند بھی ہوتے ہیں۔ کیونکہ مراجع رقم دریافت کرکے ان کے ذمہ سے شرعی ذمہ داری کا بوجھ اٹھالیتے ہیں اور اس کی ذمہ داری اپنے کاندھوں پر لے لیتے ہیں۔ شرعی رقوم کے لین دین میں یہی تہذیب حاوی ہے اور اگر اس معیار میں کسی خلاف ورزی کا مشاہدہ کیا جائے تو اس وہ تہذیب سے جدا ہے۔ ایسی ہی ایک غلطی کے سلسلہ میں امام کارد عمل:

آپ نے ہم پر احسان نہیں کیا ہے!

ایک ایرانی تاجر رقوم شرعیہ کے عنوان سے کافی زیادہ رقم نجف میں امام کی خدمت میں لایا۔ رقم پیش کرتے وقت گویا دوسروں کی غلط تلقین اور ایمان کی وجہ سے کہنے لگا کہ میں نے اتنے زیادہ پیسہ کی محبت اپنے دل سے دور کی ہے لہذا امام سے درخواست ہے کہ میرے لئے کچھ رعایت کردیں اور مثلاً گاڑی جس کا خمس دیناضروری ہے، مجھ سے نہ لیں!

امام نے ساری رقم اسکے سامنے رکھ دی اور فرمایا:

اسے لے لیجئے اور جایئے۔ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ نے یہ پیسہ یہاں لاکر ہم پر احسان کیا ہے؟ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ ہم نے آپ پر احسان کیا ہے۔ کیونکہ اسے ادا کرکے آپ کی ذمہ داری پوری ہوجاتی ہے اور ہم اسے قبول کرتے ہیں تو یہیں سے ہماری ذمہ داری شروع ہوجاتی ہے۔

جب تک ہم جماران میں امام کی خدمت میں رہے آپ کا معمول یہی تھا۔ کبھی بھی کسی شخص کے لئے زیادہ رقم ادا کرنے کی وجہ سے اسے ایسے آدمی پر کوئی امتیاز نہیں تھا جو فقط دس تومان بعنوان خمس لایا تھا۔ رد عمل یا برتاؤ کا معیار صرف افراد کا خلوص اور ان کی دینداری تھی۔ نہ جانے کتنے ایسے افراد تھے جو خمس کے ذریعہ غیر خدائی مقاصد کے درپے تھے لیکن یہ انکشاف ہوتے ہی چاہے رقم کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو، ان سے خمس نہیں لیا جاتا تھا اور انہیں واپس کردیا جاتا تھا۔ اور اس کے برخلاف نہ جانے کتنے ایسے افراد تھے جو اپنی کم آمدنی میں سے انتہائی کم مقدار میں خمس لاتے تھے لیکن ان کی شخصیت سے عیاں خلوص کی وجہ سے انہیں عزت و احترام ملتا تھا اور کبھی کبھی انہیں امام کی دست بوسی کا موقع بھی مل جاتا تھا۔

اس کے علاوہ جب امام کو علم ہو جاتا تھا کہ شرعی رقوم ادا کرنے والے کی مالی حالت اچھی نہیں ہے اور کمزور طبقہ سے ہے تو اس سے رقم اپنے اختیار میں لینے کے بعد اسی کو واپس کر دیتے تھے۔ اور کبھی کبھی اس کے ساتھ اس کے لئے دعائے خیر بھی کرتے تھے۔

کسانوں کی جانب خصوصی توجہ

اس سے زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ اصفہان کے پاس شرعی رقم کے عنوان سے امام کو ایک زمین دی گئی تھی۔ امام نے بھی ایک صاحب کو زمین بیچنے کا وکیل بنا دیا تھا۔ کچھ دنوں بعد امام کی خدمت میں یہ بات پہنچائی گئی کہ فلاں شخص کو زمین بیچنے کی وکالت دی گئی تھی، اس نے یہ کام انجام دے دیا ہے لیکن اس زمین پر کام کرنے والے کسانوں کی مالی حیثیت اچھی نہیں ہے۔ وہ لوگ "آقائے پسندیدہ" کے گھر آئے ہیں اور چونکہ اب وہ اس زمین پر کام نہیں کر سکتے ہیں اس لئے وہ لوگ پریشان ہیں۔ جیسے ہی کسانوں کی بات آئی تو امام نے فیصلہ کن لہجے میں کہا:
کسانوں کی طرف منتقل کر دی جائے۔ کہیے کہ کسانوں کو دے دی جائے۔

ضرورتمندوں کی مدد

امام گدائی اور اسے پروان چڑھانے کے سخت مخالف تھے۔ مثلاً نجف اشرف میں بعض معروف افراد تھے جو حرم مطہر کے خادم اور دوسرے عناوین کے تحت گدائی کو پیشہ بنائے ہوئے تھے۔ وہ مسلسل اس مرجع کے گھر سے دوسرے مرجع کے گھر آتے جاتے رہتے تھے۔ ان کی گدائی کا طریقہ ٹیکس اور چنگی لینے جیسا تھا جو کبھی کبھی چیخ و پکار کے ہمراہ بھی ہوتا تھا۔ ان کے سامنے تسلیم نہ ہونے والی شخصیت فقط امام کی تھی۔ اس کے باوجود مستحق اور ضرورتمند افراد کی نسبت آپ کا رویہ یہ تھا کہ اگرچہ آپ نے ایسے ہی افراد کو ظالموں اور شیطانی طاقتوں کے پنجۂ ظلم سے نکالنے کے لئے قیام کیا تھا اور ذمہ دار افراد کو ہمیشہ محروم افراد کے معاملات پر توجہ دینے کی تاکید کرتے تھے لیکن پھر بھی مستحق اور ضرورتمند لوگوں کے معاملات کو ذاتی طور پر دیکھنا آپ کے سرفہرست کاموں میں سے تھا۔ بغیر کسی استثنا کے ہر وہ رقوم شرعی ادا کرنے والا جو مستحق افراد کو دونوں سہم دینے کے لئے اجازت لیتا تھا، اس کے ذمہ مفروضہ رقم میں سے کم از کم ایک تہائی کی اجازت دے دیتے تھے اور اگر ادا کرنے والا کسی خاص موضوع کا تذکرہ کرتا تھا مثلاً کسی فقیر کی ضرورت پوری

کرنے، علاج، قرض، لڑکی کی شادی، مکان وغیرہ کے لئے اجازت لیتا تھا تو ضرورت پوری ہونے تک کی اجازت دے دیتے تھے۔ متعدد بار اس طرف کے خطوط آئے کہ مثلاً فلاں شخص میرا اتنا مقروض ہے، چونکہ وہ اپنا قرض خود نہیں دے سکتا ہے اس لئے آپ اجازت دیجئے کہ میں اپنا قرض اپنی شرعی رقم سے لے لوں اور اس سے کچھ نہ لوں۔ امام ایسے موقع پر فرماتے تھے:

اگر مقروض اپنا قرض ادا نہیں کر سکتا ہے تو مطالبہ کا حق ہی نہیں ہے کہ جس کی بنیاد پر رقوم شرعی سے اس کا حساب کر لیا جائے۔

اگر مقروض اپنا قرض ادا کر سکتا ہے لیکن چونکہ وہ فقیر ہے اس وجہ سے اس کے لئے مشکل ہے۔ ایسی صورت میں آپ اجازت دے دیتے تھے کہ شرعی رقم سے اس کا حساب کر لیا جائے۔

امام ہمیشہ ضرورتمند افراد سے باخبر رہنے کی کوشش کرتے تھے۔ کبھی بغیر کسی مقدمہ کے اچانک کسی دور دراز یا فراموش شدہ فرد کے بارے میں پوچھتے تھے اور حکم دیتے تھے کہ ان کی جانب توجہ کی جائے اور ان کی ضروریات پوری کی جائں۔

پسماندہ علاقوں پر توجہ

عام طور سے امام کے وکیلوں اور آپ کی جانب سے امور حسبیہ کا اجازہ نامہ رکھنے والوں کو دریافت شدہ رقم میں ایک تہائی سے زیادہ رکھنے اور اس جگہ خرچ کرنے کی اجازت نہیں تھی اور باقی دو تہائی انہیں حوزات علمیہ اور کلمۃ اللہ کی سربلندی کی خاطر دفتر میں دینا ہوتی تھی لیکن دورافتادہ اور پسماندہ علاقوں میں آپ اس کے برعکس عمل انجام دیتے تھے یعنی دو تہائی وہاں پر خرچ کیا جائے اور ایک تہائی دفتر بھیجا جائے۔ جو علاقے زیادہ پسماندہ تھے وہاں اس علاقہ سے ملنے والی پوری رقم کے لئے امام اجازت دے دیتے تھے کہ اسے وہیں پر شرعی امور اور دیندار فقرا کی مدد میں خرچ کر دیا جائے۔

تمام اسلامی ممالک میں امام کے وکلا بھی اس اصول سے مستثنیٰ نہیں تھے۔ منجملہ لبنان میں، جبکہ علمائے حزب اللہ نے اپنے اجازہ نامہ کے متن میں ایک تہائی اور نصف رقم خرچ کرنے کی قید لگائی تھی لیکن آپ نے شفاہی طور دو تہائی کی اجازت دے دی تھی اور دفتر میں آنے والی ایک تہائی رقم کو بھی ان کو ہی واپس کر دیتے تھے۔ علمائے حزب اللہ بھی لبنان میں قائم کئے ہوئے صندوق بیت المال کے ذریعہ اسلام کے عمومی کاموں، طے شدہ شرعی امور اور مستحق مومنین پر یہ رقم صرف کرتے تھے اور سالانہ رپورٹ دفتر بھیجتے تھے۔

اس کے علاوہ امام نے بالخصوص عقب افتادہ علاقوں میں اپنے وکلا کو اجازت دے رکھی تھی کہ شہدا، بسیجی، مجاہدین کے گھرانوں اور عمومی طور پر وہ تمام افراد جو اسلام کی خدمت میں مصروف ہیں اور ان کی مالی حیثیت اچھی نہیں ہے لیکن وہ خمس ادا کرتے ہیں تو انہیں خصوصی رعایت دینے کے علاوہ اگر ضروری ہو تو حساب و کتاب کے بعد موقع و محل کی مناسبت سے بالکل بریٔ الذمہ کر دیں۔ جیسا کہ خود امام بھی ایسے مواقع پر یہی طرز عمل اختیار کرتے تھے۔

ج: سادگی اور قناعت

عظیم ترین انسان انتہائی معمولی گھر میں

نجف اشرف میں قیام کے دوران امام "شارع الرسول" کی گلی میں سیکڑوں معمولی طلاب کی مانند ایک معمولی اور حقیر سے گھر میں کرایہ پر رہتے تھے۔ انقلاب کی کامیابی کے بعد بھی چاہے قم میں رہے ہوں یا دس سال جماران میں، بہت سے نادار افراد کی مانند کرایہ کا گھر لئے ہوئے تھے اور "آقائے جمارانی" کے بہت پرانے گھر میں رہتے تھے۔ یہ گھر آقائے جمارانی کے والد کی وفات کے بعد کئی چھوٹے حصوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ آقائے جمارانی کے داماد آقائے سید حسن حسینی سے متعلق حصہ جو ۱۲۰ میٹر مربع اور ۷۰ میٹر تعمیر شدہ تھا، امام نے کرایہ پر لیا۔ اس چھوٹے سے گھر میں جسے نزدیک سے یا ٹی وی کے ذریعہ سب نے دیکھا، ایک دہائی اس انسان کی جائے قیام رہا ہے جس نے کروڑوں عاشق مسلمانوں اور دنیا بھر کے عقید تمند مستضعفین کے دلوں پر حکومت کی ہے۔ وہ انسان کہ جس نے ایمان اور اپنی خدائی تاثیر کی مدد سے شیطانی قوتوں کے محلوں کو لرزہ بر اندام کر دیا۔

امریکی نامہ نگار

حضرت امام کی سادہ زندگی اور عظمت کردار خاص طور سے ان لوگوں کو زیادہ تعجب میں ڈال دیتی تھی جنہوں نے دنیا کے ظالم و جابر حکمرانوں کو ان کے افسانوی محلوں میں نزدیک سے دیکھا ہے۔ ایک دن کچھ بیرونی نامہ نگار جماران آئے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک ظاہراً امریکی جوان تھا جو امام کا گھر دیکھنے کے بعد انتہائی حیرت زدہ تھا۔ سب کچھ اپنی نگاہوں سے دیکھنے کے باوجود یہ اس کے حلق سے نہیں اتر رہا تھا۔ اس وجہ سے وہ کسی غیر معمولی چیز کی تلاش میں تھا

ساتھ ہی وہ کسی ایسے شخص کو ڈھونڈھ رہا تھا جو اس معما کو حل کرسکے۔ آخر کار مجھ سے ملنے کے بعد اس نے انتہائی ذوق و شوق کے ساتھ گفتگو شروع کی۔ اگرچہ میں اس کی زبان نہیں سمجھ رہا تھا لیکن اس کی زبان حال اس کے مافی الضمیر کی بخوبی عکاسی کر رہی تھی۔ کچھ ہی دیر میں ایک مترجم مل گیا جس نے اس کی گفتگو کا ترجمہ کیا۔

امام کے گھر کے مختصر سے آنگن میں لوہے کے سریے لگے ہوئے تھے تاکہ جاڑے میں ٹھنڈی ہوا اور گرمی میں سخت دھوپ سے بچنے کے لئے ان پر ترپال ڈالی جاسکے۔ اس کا سوال یہ تھا کہ: "یہ سریئے اور راڈ کس لئے ہیں؟ کیا ان میں کرنٹ ہے؟" اس کے بعد اس نے پوچھا: "کیا واقعاً امام کا گھر یہی ہے؟" میرے جواب اور وضاحت سے اس کے تعجب میں مزید اضافہ ہو گیا۔ اس کے بعد میں نے اس سے ایک ایسی بات کہی جو اس نامہ نگار کے سوالی ذہن میں بھی نہیں آسکتی تھی۔ میں نے کہا: "اور آپ جو یہ گھر دیکھ رہے ہیں یہ بھی امام کی ملکیت نہیں ہے بلکہ کرایہ کا مکان ہے!"

اسے بہت تعجب ہوا، اگرچہ اس کے چہرے سے عیاں تھا کہ وہ اس پر یقین نہیں کر سکتا ہے لیکن اس بات نے اسے بہت متاثر کیا تھا۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبانے لگیں اور وہ منقلب ہو گیا۔ جیسے اس کے سامنے ایک نیا افق کھول دیا گیا ہو لیکن اس کی آنکھیں اس سمت دیکھنے پر قادر نہیں ہیں۔

یہ بات کہ امام کا گھر کرایہ کا ہے اور یہ اس کی آنکھوں اور کیمرہ کی قید میں نہیں آسکتا تھا۔ قبول کرنے کے بعد اس نے اپنے پورے وجود سے میرا اس طرح شکریہ ادا کیا کہ جس کا ترجمہ کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

یقیناً امام کی ہر خصوصیت جو اسلام، امامت اور اسلامی حکومت میں قائد کی صفات کا مظہر ہے، کا دوسرے نظام اور ان کے قائدین سے موازنہ ہر باشعور اور آزاد ضمیر انسان کو اسلام کی حقانیت اور اسلام کے حیات بخش نظام کی جانب رہنمائی کر سکتا ہے۔

مالی سہولیات کے باوجود قناعت اور زہد

بہر حال مرجعیت و قیادت کے دوران امام کے اختیار میں رقوم شرعیہ کے کھربوں روپئے تھے اس کے علاوہ ولی فقیہ اور اسلامی حکومت کے سربراہ ہونے کی وجہ سے تمام زمینی اور سمندری خزانوں پر ان کو تصرف حاصل تھا اس کے باوجود کمال کی منزلیں طے کرتا ہوے اس سالک راہ خدا نے ان میں سے کسی بھی چیز کو اپنے ذاتی فائدے کے لئے استعمال نہیں کیا اور زندگی کے آخری لمحہ تک سادگی، قناعت اور خدا پسند پاک و پاکیزہ زندگی کو اپنائے رہے۔

مظاہر عشرت سے دوری

نجف میں اپنے قیام کے دوران امام کرایہ کے ایک قدیمی مکان میں رہتے تھے جو سادگی کے اعتبار سے دوسرے طلاب کے مکانوں جیسا تھا۔ عام طور پر نجف کی بزرگ شخصیات کا ایک گھر کوفہ (جس کی آب و ہوا نجف سے بہتر ہے) اور فرات کے کنارے بھی ایک گھر ہوتا تھا تاکہ بالخصوص گرمیوں میں وہاں رہیں۔

امام نجف کی خشک اور گرم آب و ہوا سے مانوس نہیں تھے اور زیادہ عمر ہونے کی وجہ سے اپنے جیسے دوسرے افراد سے زیادہ تکلیف برداشت کرتے تھے۔ آپ کے نزدیکی تمام افراد اس مسئلہ میں پریشان تھے۔ ایک رات "مرحوم شیخ نصر اللہ خلخالی" نے مقدمات بنا کر بہت سی مثالیں دیں کہ بہت سے مریضوں سے ڈاکٹروں نے کہا ہے کہ نجف کی فضا اس زہر کی مانند ہے جس کا تریاق کوفہ کی آب و ہوا ہے اور وہ لوگ کوفہ جانے کے بعد مکمل طور پر صحیح ہو گئے تھے۔ اس طرح وہ کوشش کر رہے تھے کہ امام انہیں کوفہ میں ایک مکان کرایہ پر لینے کی اجازت دیدیں۔

جیسے ہی مرحوم شیخ نصر اللہ کی گفتگو ختم ہوئی سب لوگ سمجھ رہے تھے کہ اتنا مقدمہ بنانے کے بعد امام قانع ہو جائیں گے اس لئے سب آپ کے مثبت جواب کے منتظر تھے تبھی امام نے اپنا سر بلند کیا اور مرحوم خلخالی کو کچھ بولے بغیر ایک خوبصورت لیکن تلخ سے تبسم کے ساتھ دیکھا۔ مرحوم خلخالی کے شکریہ کا تبسم اور دنیا اور عیش و عشرت کے مظاہر سے کراہت کی خاطر تلخی۔ میں نے سنا کہ امام نے اس موضوع کے بارے میں کسی دوسرے مقام پر فرمایا تھا:

کیا میں کوفہ جا سکتا ہوں (اور اپنے آرام و آسائش کی فکر سکتا ہوں) جبکہ ایران میں بہت سے لوگ کالی کوٹھریوں میں زندگی گزار رہے ہیں۔

امام کے آس پاس سادگی

نجف میں مراجع کے لئے دفتر کے بجائے بیت کا لفظ استعمال ہوتا تھا۔ نجف میں بیت امام کا ایک حصہ استفتائات سے مخصوص تھا۔ آیات عظام راستی کاشانی، شیخ محمد حسن قدیری اصفہانی، سید عباس خاتم یزدی اور سید جعفر کریمی مختلف اوقات میں امام کے فتاوی کی روشنی میں استفتائات کے جواب لکھتے تھے۔ ان کے لیے ایک چھوٹا سا کمرہ مخصوص تھا۔ حجج الاسلام شیخ عباد العلی قرہی اور مرحوم شیخ محیی الدین فرقانی بیت امام میں باری باری حاضری کے علاوہ ہمیشہ امام کے ساتھ رہتے تھے جس میں حرم رفت و آمد کرنا، درس اور نماز ظہر کے لئے مسجد شیخ انصاری، نماز مغرب کے لئے مدرسہ آیت اللہ بروجردی جانا، سال میں کئی بار مخصوص دنوں میں کربلا کی زیارت پر جانا اور کبھی کبھی نجف میں ملاقات کے دوران

ساتھ میں رہنا شامل تھا۔ ایک خانساماں اور مرحوم مشہدی حسین یزدی ضروری اشیا خریدنے کے ذمہ دار کے طور پر خدمت انجام دے رہے تھے۔ استفتا کمیٹی کے علاوہ کہ جن پر ملازم کا لفظ صادق نہیں آتا ہے امام کے گھر میں چار پانچ لوگوں سے زیادہ ملازم نہیں تھے۔

جماران کا دفتر

شروع میں جماران میں امام کا دفتر چار چھوٹے کمروں پر مشتمل تھا جو حسینیہ سے بالاتر اور امام کے محل سکونت کے برابر میں تھا۔ ایک کمرہ ٹیلیفون کے لئے تھا جو مرحوم آقاے احمد کی جائے قیام بھی تھا۔ دوسرا کمرا جناب آقائے رسولی محلاتی، حقیر اور مرحوم شہید سلیمی کے قیام اور کام کرنے کی جگہ تھا، تیسرا کمرا جناب آقائے شیخ حسن صانعی اور آقائے محمد علی انصاری سے متعلق تھا اور اس کے بعد والا کمرے میں کچن تھا جس میں حاج عیسی، میریان اور بہاء الدینی تھے۔ آقائے دکتر عارفی کے لئے چھت پر ایک کمرا تھا اور بیسمنٹ کے زینے کے نیچے خبر رساں فیکس کے لئے ایک جگہ تھی۔

مختصر مدت کے لئے آقائے رسولی، شہید سلیمی اور میرا کمرا حسینیہ کے دروازے کے اوپر تھا اور ڈاکٹروں کو بھی دوسرے طبقہ کے کمرہ میں منتقل کر دیا گیا۔

کچھ دنوں کے بعد دفتر بیشتر مراجعین کی سہولت کی خاطر حسینیہ کے بعد شہید حسنی کیا والی گلی یعنی جماران کے اصلی راستہ میں منتقل کر دیا گیا۔ اس عمارت میں ایک کمرا آقائے صانعی اور انصاری کے اختیار میں تھا، ایک کمرا آقائے رسولی کے اختیار میں، ایک کمرا آقائے توسلی کے لئے اور تین کمرے میرے اور میرے ان ساتھیوں کے لئے تھا جن کے ذمہ شرعی رقوم، خطوط اور دوسرے مالی امور کا کام تھا۔ دوسرا کمرا ٹیلیفون کے لئے تھا جس میں مختلف افراد باری باری لوگوں کے سوالوں کے جواب دینے کے لئے بیٹھتے تھے۔

امام کے دفتر میں کاموں کی تقسیم کی صورتحال یہ تھی کہ مرحوم آقاے احمد امام کی ہمراہی، خدمت اور ان سے متعلق امور کی انجام دہی میں بنیادی کردار ادا کرتے تھے۔ اگرچہ ہم سب امام کے بعد سب سے زیادہ ان کے احترام کے قائل تھے اور مدیر دفتر کا عہدہ فقط انہیں کو زیب دیتا تھا لیکن انہوں نے کبھی اپنے لئے کوئی عنوان معین نہیں کیا۔

آقائے رسولی محلاتی اور آقائے صانعی جو امام کے قدیمی ترین ساتھیوں میں سے تھے اور میرا ہمیشہ امام کے ساتھ بلاواسطہ رابطہ رہتا تھا، ہم تینوں ہر روز صبح کے وقت ایک ساتھ امام کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ امام کے کام کی شروعات بھی یہیں سے ہوتی تھی۔ اس گروہ کا کام عام طور سے شرعی رقوم، ادا کی جانے والی رقوم، شرعی رقوم کی رسیدوں پر مہر

لگانے، اجازے، اجازے کی درخواست، استفتائات پر مہر لگانے اور بعض حکومتی اداروں سے متعلق رپورٹ پیش کرنا تھا۔

آقائے توسلی کے ذمہ عمومی ملاقات کا کام تھا جسے مرحوم احمد آقا کی ہم آہنگی سے طے کیا جاتا تھا۔ کچھ دیر وہ مسائل شرعی کے جواب بھی دیتے تھے۔ آقائے آشتیانی امام کے ذریعہ انجام پانے والے عقد نکاح کے پروگرام مرتب کرتے تھے اور آقائے انصاری حاج احمد آقا کی مدد سے ملاقات اور پروگرام معین کرنے کا کام کرتے تھے۔ دفتر کے اعضا اور ملازمین تقریبا بیس پچیس لوگ تھے۔

امام کی سواری

امام (رہ) نجف اشرف میں عام طور پر روزانہ کم سے کم چار بار، مسجد شیخ انصاری میں درس اور نماز ظہر، مدرسہ آیت اللہ بروجردی میں نماز مغرب اور رات میں حرم حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی زیارت کے لئے گھر سے باہر نکلتے تھے اور مجموعی طور پر گھر اور ان جگہوں کے درمیان آٹھ بار پیدل آمد و رفت کرتے رہتے تھے۔ ابتدائی برسوں میں کبھی کبھی کسی سے ملاقات کے لئے دور دراز علاقوں میں جانے کے لئے "یکہّ " سے چلتے تھے جو اس وقت نجف کی سب سے سستی سواری تھی۔

اس وقت نجف میں ٹیکسی رائج نہیں تھی لیکن کچھ گنتی کے "آٹو" موجود تھے جنہیں "ابوخمسہ " کہا جاتا تھا۔ یہ شہر کے اندر ایک سے پانچ مسافروں کا کرایہ چوتھائی دینار لیتے تھے جو یکہّ کے کرایہ سے زیادہ مہنگا تھا اسی وجہ سے امام ان گاڑیوں پر نہیں بیٹھتے تھے۔ یہاں تک کہ دوسروں کا اصرار بھی امام کی روش تبدیل نہیں کر سکا۔ لیکن جب یہ بات کہی گئی کہ سارے مراجع اپنی پرسنل گاڑی استعمال کرتے ہیں اس لئے یہ طریقہ ان پر طنز بن جائے گا تو امام نے اپنے ان استثنائی سفروں کے لئے گاڑی سے استفادہ شروع کر دیا لیکن روزانہ کی رفت و آمد ہمیشہ کی مانند آخر تک پیدل ہی کرتے رہے۔

خاص تاریخوں میں امام حسین علیہ السلام کی زیارت کے لئے جب آپ کربلا جاتے تھے تب "ابوخمسہ " سے استفادہ کرتے تھے جبکہ آپ کے بہت سے کویتی عقید تمندوں نے آپ کو گاڑی ہدیہ کرنے پر اصرار کیا لیکن آپ نے قبول نہیں کیا۔

امام کی کفایت شعاری

حضرت امام ہمیشہ اپنے شخصی معاملات میں بھی کفایت شعاری سے کام لیتے تھے۔ یہ آپ کی ایسی خصوصیت تھی جسے آپ سے تھوڑا بہت رابطہ رکھنے والا بھی بہت جلدی دریافت کرلیتا تھا۔ اس سلسلہ میں امام کی توجہ اور باریک بینی سننے اور یادرکھنے کے قابل ہے جس کے ایک نمونہ کی جانب ہم اشارہ کررہے ہیں:

امام کے پاس اپنے اس کمرے میں جو آپ کے رہنے کی اصلی جگہ تھی، روشنائی کے لئے تین وسائل تھے: ایک ٹیوب لائٹ، ایک ۱۰۰ واٹ کا بلب اور ایک نائٹ بلب جو چھوٹے ٹرانزسٹر کے ساتھ دیوار میں لٹکا ہوا تھا۔ جب آپ مطالعہ کرنا چاہتے تھے، یا قرآن اور دعا پڑھنا چاہتے تھے توڈاکٹر کی ہدایت کے مد نظر ٹیوب لائٹ اور بلب جلاتے تھے، جب ٹی وی دیکھتے تھے یا گفتگو کرتے تھے تو بلب بند کردیتے تھے اور ٹیوب لائٹ پر اکتفا کرتے تھے لیکن قابل توجہ بات یہ ہے کہ نماز، تعقیبات اور نوافل کے وقت فقط نائٹ بلب جلتا تھا۔ میں نے نماز مغرب وعشا یا اس کے بعد ہمیشہ اسی صورتحال کامشاہدہ کیاہے۔ دن کے وقت آپ جب بھی دیکھتے تھے کہ کوئی غیر ضروری بلب جل رہاہے اور وہ آپ کی دسترس میں ہوتا تھا توخود بند کردیتے تھے اور اگر ان کی دسترس میں نہیں ہوتا تھا تو اسے بند کرنے کے لئے متوجہ کردیتے تھے۔

امام کی یہ توجہ اور پابندی عام طور پر ایسی جگہوں پر تھی جن کا تعلق آپ کے شخصی معاملات سے تھا اور یہ کام اسراف سے بچنے کے لئے کرتے تھے۔ واضح سی بات ہے کہ اگر اسراف و تبذیر کا خرچ بیت المال اور عوامی خزانہ سے ہو تو اس میں زیادہ توجہ اور احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ اس کا گناہ دوگنا حساب کیاجائے گا۔ جو لوگ عوام اور بیت المال سے متعلق اداروں اور موٴسسات میں پانی، بجلی، ٹیلیفون، ہیٹر اور کولر یا اے سی سے لے کر وقت (جو دفتری اوقات میں بیت المال سے متعلق ہے) کے سلسلہ میں اسراف و تبذیر کرتے ہیں وہ خدا اور صاحبان حق کو کس طرح جواب دیں گے؟ کون سا عذاب ان کا منتظر ہو گا؟ خدا ہی جانتا ہے!

حساب وکتاب اور باریک بینی

امام کی دوسری خصوصیات کی مانند مالی امور میں ان کی کفایت شعاری، حساب وکتاب اور باریک بینی کو ہم سب کے لئے نمونہٴ عمل ہونا چاہئے۔ ان کی کفایت شعاری، قناعت، اسراف و تبذیر سے پرہیز میں عوام اور بیت المال اور عوامی خزانہ کی نگرانی میں ذمہ دار افراد کے لئے نمونہٴ عمل بننا چاہئے۔

"مشہدی حسین" وہ پرہیز گار ضعیف العمر شخصیت تھی جس سے امام بہت محبت کرتے تھے اور ان پر اعتماد بھی کرتے تھے۔ وہ امام کے گھریلو سامان کی خریداری کے ذمہ دار تھے۔ وہ نقل کرتے ہیں:

امام نے خریداری کے لئے مجھے چوتھائی دینار (اس وقت کے پچاس ریال) دیا۔ بازار "حویش" سے گھر آیا تو میں نے روٹی، پنیر، دہی اور سبزی وغیرہ خریدی تھی۔ یہ سارا سامان لے کر میں گھر میں گیا اور سامان رکھ کر واپس آگیا۔ ابھی دروازے تک نہیں پہنچا تھا کہ امام نے آواز دی: "مشہدی حسین!" میں پلٹا، آپ نے فرمایا: "سامان کتنے کا ہوا؟" میں نے حساب کیا تو ۲۳۵ فلس ہوئے تھے، یعنی چوتھائی دینار میں سے ۱۵ فلس باقی تھے۔

آپ نے فرمایا: "بقیہ مجھے دیدو!"

واضح سی بات ہے کہ ۱۵ فلس بہت معمولی رقم ہے لیکن اہم بات یہ ہے کہ ہر چیز وہ چاہے کتنی معمولی کیوں نہ ہو، حساب و کتاب کی بنیاد پر ہونا چاہئے اور اس طریقہ کی عادت ڈالنی چاہئے۔

میں یہ کام نہیں کر سکتا ہوں!

۱۹۸۵ کے موسم خزاں میں امام کی پنڈلی کی کھال میں خشکی اور خارش ہو گئی تھی۔ ڈاکٹر نجفیان نامی ایک اسکن ڈاکٹر گھر میں آیا۔ معاینہ کرنے اور نسخہ لکھنے کے بعد انہوں نے کہا: "آپ روزانہ ایک دوبار دودھ میں پیر رکھا کیجئے"

اگرچہ امام ڈاکٹروں سے بہت نرمی سے پیش آتے تھے اور ان کی تجویز پر عمل کرتے تھے لیکن جیسے ہی دودھ میں پیر رکھنے کی بات آئی، آپ نے فوراً سخت لہجہ میں تیزی سے کہا:

میں یہ کام نہیں کر سکتا ہوں!

انسان قدم بقدم طاغوتی ہو جاتا ہے!

جماران میں امام کے کمرے کے برابر میں "حاج احمد آقا" کا کمرا بنایا گیا تھا۔ اس کے دونوں طرف صحن سے ڈیڑھ میٹر کی اونچائی پر چھوٹی سی گیلری تھی جس کے کنارے ریلنگ لگادی گئی تھی۔ حاج احمد آقا نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دن امام اچانک اس طرف آئے اور آپ نے دیکھا کہ کمرا بننے کے بعد گیلری میں دوسرا کام شروع کر دیا گیا ہے تو آپ نے سختی کے ساتھ اس نئے خرچ پر اعتراض کیا۔ حاج احمد آقا نے کہا کہ میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ ابھی میں امام سے ایسی بات کہوں گا کہ امام قانع ہو جائیں گے۔ (حاج احمد آقا کے فرزند علی اس وقت دو تین سال کے تھے جن سے امام بہت

محبت کرتے تھے) میں نے امام کی خدمت میں عرض کیا کہ علی نے ابھی چلنا شروع کیا ہے اور وہ یہاں پر آتا رہتا ہے۔ اگر اس گیلری سے نیچے گر جائے گا تو اس کے سر میں چوٹ لگ جائے گی اسی وجہ سے ہم نے ریلنگ لگا دی ہے۔ امام نے تھوڑا رک کر فرمایا: انسان قدم بقدم طاغوتی ہو جاتا ہے! ہر قدم پر اپنے لئے دلیلیں ڈھونڈھ لیتا ہے!

حضرت امام نے اس کام سے اپنی ناراضگی ایک عمومی قاعدہ اور اہم سبق کے ذریعہ بیان کر دی۔ یہ صحیح ہے کہ انسان کے لئے جان کی حفاظت، کھانا پینا، مکان، لباس، گاڑی وغیرہ واجب ہے لیکن کس طرح؟ اور کس قیمت پر؟ اگر انسان مادی معاملات میں زیادتی کا راستہ اپنا لے تو وہ کس جگہ ٹھہرتا ہے؟ بالخصوص ذمہ دار افراد جن کی وسائل تک دسترس زیادہ ہے اور دوسری جانب معاشرے میں ان کی رفتار و کردار کا کئی گنا اثر ہوتا ہے۔

طاغوت پہلے دن سے طاغوت نہیں ہوتے ہیں۔ غفلت اور صحیح راستہ گم کر دینے کی وجہ سے وہ طاغوتی بننے والے راستہ پر چل پڑتے ہیں، آہستہ آہستہ بڑھتے جاتے ہیں، جس مقام تک بھی پہنچتے ہیں کبھی اپنے پیچھے ان لوگوں کو نہیں دیکھتے ہیں جن کا معیار زندگی ان سے پست ہے کہ انہیں اپنے طاغوتی ہونے کا احساس ہو جائے، بلکہ مادی معاملات میں خود سے بالاتر لوگوں کو دیکھ کر خود کو مستضعف اور سادہ سمجھتے ہیں۔ مختلف بہانوں کے ساتھ ضرورتوں کی تکمیل کے لئے آگے بڑھتے جاتے ہیں اور طاغوتی ہونے کی بالاتر منزلوں تک پہنچ جاتے ہیں۔

لیکن خدائی لوگ ہمیشہ فقرا کے ساتھ ہم نشینی اور معاشرت کرتے ہیں اور اپنی زندگی کا موازنہ اپنے سے کم پر زندگی بسر کرنے والے سے کرتے ہیں۔ اس طرح خود پسندی کی تنگ و تاریک دنیا سے نکل کر انسان دوستی کی فضا میں داخل ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگ فقرا کے سامنے اپنی ملکیت پر شرمسار ہوتے ہیں اور خدا کے حضور شاکر و صابر ہوتے ہیں۔ دوسری جانب معنوی معاملات میں اپنے سے بالاتر کی تلاش میں رہتے ہیں، اپنے سے بالاتر سے اپنا موازنہ کرتے ہیں اور عجب، خود پسندی اور جمود کا شکار نہیں ہوتے ہیں اور ہمیشہ بالاتر مراتب تک رسائی کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔

امام (رہ) ایسے ہی تھے اور انہوں نے اپنی اولاد اور سچے شاگردوں کی اسی طرح تربیت کی تھی۔ اسی وجہ سے مرحوم احمد آقا اپنے پورے وجود کے ساتھ امام اور انقلاب و نظام کی خدمت کے لئے حاضر رہے۔ اگرچہ انقلاب سے پہلے کا زمانہ ہو یا بعد کا، امام کے زیر سایہ اور نظام میں اپنی حیثیت کی وجہ سے ان کے پاس ہر طرح کے وسائل اور سہولیات تھیں لیکن انہوں نے دنیا اور اس کے مظاہر سے اپنا ہاتھ آلودہ نہیں کیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے امام کو ہدیہ و نذر کی صورت میں ملنے والے عظیم مال و دولت میں سے امام کی مانند اپنے لئے کچھ بچا کر نہیں رکھا۔ انہوں نے امام کی مانند کم سے کم وسائل سے فائدہ اٹھایا۔ کرایہ کے مکان میں زندگی گزاری اور اسی مکان میں اس دنیا سے چلے گئے۔ "رحمۃ اللہ علیہ و علی والدہ الکریم"

د:استحکام اور شجاعت

ابھی دیر نہیں ہوئی ہے

۱۹۶۳ کی نوروز میں امام صادق علیہ السلام کی شہادت کی مناسبت سے مدرسہ فیضیہ قم میں عظیم الشان پروگرام منعقد ہوا تھا۔ شاہ معدوم کے کمانڈوز نے طلاب اور عوام پر حملہ کیا اور وہ ظلم ڈھایا کہ جس نے روئے تاریخ سیاہ کر دیا۔ ان فوجیوں کا کمانڈر، ادارۂ ساواک کا نائب صدر "کرنل مولوی" تھا۔

اس سال عاشور تیرہ خرداد کے دن تھا۔ حضرت امام (رہ) نے مدرسۂ فیضیہ میں دسیوں ہزار افراد کی موجودگی میں تاریخی اور اہم تقریر کی۔ شاہ کو مخاطب کر کے کی گئی اس تقریر میں امام نے فیضیہ کے المناک واقعہ کا تذکرہ کیا۔ جب کرنل مولوی کا نام آیا تو آپ نے فرمایا:

”وہ پست انسان مدرسۂ فیضیہ میں آیا، میں ابھی اس کا نام نہیں لوں گا جب میں حکم دوں گا کہ اس کے کان کاٹ دیئے جائیں اس وقت اس کا نام لوں گا“

دو دن بعد یعنی ۱۵ خرداد کو امام کو گرفتار کر کے ایک کوٹھری میں قید کر دیا گیا۔ مرحوم حاج آقا مصطفیٰ (قدس سرہ) نے حضرت امام سے نقل کیا کہ گرفتار ہونے کے کچھ ہی دیر بعد کرنل مولوی داخل ہوا اور اس نے اُسی اکڑ اور تمسخر کے انداز میں کہا: "آغا آپ نے حال ہی میں کسی کے کان کاٹنے کا حکم تو نہیں دیا ہے؟" وہ اپنے اس زہریلے طعنے سے امام کی نفسیات کو کمزور کرنا چاہتا تھا لیکن امام نے کچھ لمحہ بعد سر اٹھایا اور انتہائی مضبوط اور شجاعانہ لہجے میں کہا:

ابھی دیر نہیں ہوئی ہے۔

اس وقت لوگوں کا اندازہ یہ تھا کہ یہ کرنل ساواک میں اپنی کارکردگی اور صلاحیتوں کی وجہ سے ترقی کر کے ساواک کا صدر بن جائے گا لیکن ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ سب کچھ برعکس ہو گیا۔ کرنل کو سرحدی پولیس کے شعبہ میں بھیج دیا گیا اور کچھ ہی دنوں بعد ہیلی کاپٹر گرنے سے اس کی ہلاکت ہو گئی۔ اس طرح ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ اس کے کان کاٹ لیے گئے۔

وحشی کتے کی فطرت

اصفہان کے چار مشہور واعظ عتبات عالیات کی زیارت کرنے گئے تھے۔ کربلا میں میری ان سے ملاقات ہوئی۔ ایران واپسی پر ساواک کے خوف سے وہ عام مجمع میں امام سے ملاقات نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے انہوں نے مجھ سے امام کے گھر میں ایک خصوصی ملاقات کا پروگرام طے کرنے کی درخواست کی۔ میں نے مرحوم شہید حاج مصطفیٰ کے ذریعہ ملاقات کا وقت لیا اور وقت معین پر حضرات کو ملاقات کے کمرے میں امام کے پاس لے گیا اور ان کا تعارف کروایا۔

حضرت امام نے ان سے یہ گفتگو فرمائی:

شاہ اور اس کے کارندوں کی فطرت وحشی کتے جیسی ہے۔ اگر آپ وحشی کتے کے سامنے کھڑے ہوئے جایئے اور اس پر ہاتھ اٹھالیجئے تو وہ اپنی جگہ رک جائے گا اور اگر اس پر حملہ کردیجئے تو وہ دم دبا کر بھاگ جائے گا۔ لیکن اگر آپ اس سے ڈر گئے، ادھر اُدھر ہونے لگے، پیچھے ہٹنے لگے تو وہ آپ پر حملہ کردے گا اور جب تک آپ کو کاٹ نہیں لے گا تب تک نہیں چھوڑے گا۔

یہ پہلے آپ سے مطالبہ کریں گے کہ آپ فلاں باتیں نہ کہئے۔ اگر آپ تسلیم ہوگئے تو چاہیں گے کہ فلاں مسئلہ کے بارے میں بھی کوئی گفتگو نہ کیجئے۔ اگر آپ نے عمل کیا تو کہیں گے کہ فلاں شخص کے لئے دعا کیجئے اور اس کے بعد آپ سے اپنے لایحہ عمل کی تائید کا تقاضا کریں گے۔ آخر میں آپ سے مطالبہ کریں گے کہ ساواک میں کام کیجئے اور ان کے لئے رپورٹنگ بھی کیجئے۔ آخرکار ہمیں کسی نہ کسی جگہ ان کی مخالفت کرنا ہی ہے تو بہتر ہے کہ پہلے ہی قدم میں یہ کام کریں۔ ایسی صورت میں وہ عقب نشینی کریں گے اور آپ یقیناً کامیاب ہوں گے۔

بم اور میزائل کی برسات کے دوران

مئی ۱۹۸۵ کے ابتدائی دن تھے اور رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ عراقی جہاز دن و رات، وقت بے وقت تہران میں بمباری کررہے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ ٹینکوں کی خوفناک اور دلخراش آواز۔ خاص طور سے شمالی تہران کے پہاڑی علاقہ میں۔ نے سب کی نیند اور آرام چھین لیا تھا۔ صبح ہوتی تھی تو سبھی لوگ رات نہ سونے کی وجہ سے تھکے تھکے سے لگتے تھے اور کاموں میں نظم و ضبط نہیں رہ گیا تھا۔ اگرچہ امام کے بنائے ہوئے منصوبے کے تحت اپنے امور کی تنظیم ہماری ذمہ داری تھی لیکن امام کے لئے کسی کی بات ماننا ضروری نہیں تھا اور انہیں اختیار تھا کہ وہ اپنی مرضی سے اپنے معاملات منظم کریں۔ سبھی لوگ رات کی بیداری کی وجہ سے چاہتے تھے کہ صبح کا وقت جو نسبتاً سکون کا وقت ہوتا تھا اس

میں کچھ دیر تک سوتے رہیں لیکن امام ہمیشہ کی مانند صبح ٹھیک آٹھ بجے اپنے کام اور ملاقات والے کمرے میں آجاتے تھے۔

ڈاکٹر عارفی ہمیشہ امام کی صحت و سلامتی کے نگراں تھے۔ ایک دن انہوں نے معاینہ کے بعد پوچھا: "ماہ رمضان میں ان دنوں آپ کے سونے اور آرام کی صورتحال میں کوئی فرق نہیں آیا ہے؟ اس میں کمی نہیں ہوئی؟"

فرمایا: "نہیں"

دوبارہ سوال کیا: "بالکل فرق نہیں پڑا؟"

آپ نے پھر تاکید کی: "نہیں"

جنگ کے آخری دنوں میں کچھ مدت کے لئے دشمن نے تہران پر میزائل برسانا شروع کر دیئے تھے۔ کبھی کبھی تہران میں دن بھر میں دس سے زیادہ میزائل گرتے تھے جن میں سے زیادہ جماران کے آس پاس ہو کر گزرتے تھے۔ تہران اور شمیران کے زیادہ تر ساکنوں نے پر امن شہروں میں پناہ لے لی تھی لیکن حضرت امام لوگوں کے شدید اصرار کے باوجود جابجا ہونا تو دور کی بات پناگاہ سے استفادہ کرنے پر بھی راضی نہیں ہوئے اور نہ ہی انہوں نے اپنے قیام اور کام کی جگہ میں کوئی معمولی تبدیلی کی۔ آپ کے گھر میں صرف اتنا کام ہوا کہ شیشوں پر ٹیپ چپکا دیا گیا۔ آپ کے گھر کے برابر میں کسی دوسری وجہ سے ایک پناگاہ بنائی گئی تھی جس کے بنانے کی امام نے مخالفت نہیں کی تھی لیکن آپ اس میں بھی نہیں گئے۔

مکرر ایسا ہوا کہ آپ سے ملاقات کے وقت ٹینک داغنے یا میزائل پھٹنے کی خوفناک آواز زمین کو ہلا دیتی تھی۔ ایک دن میں صبح آٹھ بجکر دس منٹ پر امام کے کمرے میں تھا۔ جماران سے انتہائی نزدیک ایک میزائل گرا جس نے پوری عمارت اس طرح ہلا دی کہ کمرے کا دروازہ تیزی سے کھلا اور چونکہ میں دروازے کے پیچھے ہی بیٹھا ہوا تھا، مجھ سے ٹکرا گیا۔

اس وقت میری ساری توجہ امام پر تھی۔ لیکن میں نے امام کے چہرے پر کوئی تبدیلی اور کوئی رد عمل نہیں دیکھا۔ وہیں چونکہ مشین کے ذریعہ ہر وقت امام کے دل کو کنٹرول کیا جاتا تھا اور ان کے دل میں ہونے والی ہلکی سی تبدیلی مانیٹر پر نظر آجاتی تھی اور محفوظ ہو جاتی تھی۔ میں نے امام کے ڈاکٹر سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ جس آواز نے لمحہ بھر کے لئے ہی سہی سب کے دلوں کو ہلا دیا تھا لیکن امام جو "کالجبل الراسخ لا تحرکہ العواصف" کا واضح مصداق تھے، کے سلسلہ میں ایسا نہیں تھا۔ نہ صرف یہ کہ ان کے چہرے اور ظاہر میں کوئی تبدیلی نہیں آئی بلکہ ان کے اعصاب، اور ایمان و توکل سے سرشار دل میں بھی کسی قسم کا لرزہ پیدا نہیں ہوا کیونکہ وہ واقعاً "لن یصیبنا الا ما کتب اللہ علینا" کی منزل تک پہنچ چکے تھے۔ ان کے پر سکون ضمیر اور مطمئن دل نے سفر آخرت کی تیاری کر لی تھی اور وہ اپنی موت کو حقیقی زندگی کا آغاز سمجھتے تھے۔

چونکہ وہ فقط "خدا" سے ڈرتے تھے اور ان کی نظر میں اس پوری کائنات پر صرف "اس" کا ارادہ حکمرانی کر رہا تھا اس لئے ان کے وجود میں اس کے علاوہ کسی کا خوف نہیں تھا۔

ھ: عفو و درگذشت

ذاتی دشمنی ہرگز نہیں!

حضرت امام نے اللہ کی عبادت و پرستش کے صراط مستقیم پر گامزن ہو کر اپنی ذات سے خدا تک پہنچنے کا سفر طے کیا تھا۔ انہوں نے نفس اور طبیعت کے تنگ و تاریک قید خانہ سے اپنے خدا اور رسول کی جانب ہجرت کی تھی۔ ان کے پاکیزہ دل میں خدا کے علاوہ کسی دوسری چیز کا وجود نہیں تھا۔ کہ "عارفوں کی خلوت میں نہ میں ہوتا ہے نہ ہم"۔ امام نے اپنے قلب و روح کو اپنی ذات سے پاک کر لیا تھا اور گھر کو گھر کے مالک کے حوالہ کر دیا تھا۔ اس منزل تک پہنچنے میں ان کی ہر حرکت و سکون، سخن و سکوت، خوشی اور غم، محبت اور نفرت یہاں تک ان کی زندگی اور موت خدا کے لئے اور خدا کی راہ میں تھی۔

اگرچہ دوسروں سے الفت و محبت ایسی جبلت ہے جو انسان کی ذات اور اس کے "خود" سے پیدا ہوتی ہے لیکن کمال کی منزلیں طے کرتے ہوئے انسان اپنی ذات اور "خود" کی جگہ "خدا" کے حوالہ کر دیتا ہے۔ ایسی صورت میں دوسروں سے محبت و الفت ایک عالی کسبی صفت کی شکل اختیار کر لیتی ہے، ایسی صفت جس کی بنیاد خدا ہوتا ہے اور اس کا رخ خدا کی جانب ہوتا ہے۔

سچی محبت یعنی کمال زیبائی کے سامنے دل کا جھک جانا، جب منبع زیبائی کے تعلق سے ہوتی ہے تو اپنی معراج کو پہنچ جاتی ہے " وَ الَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ "اور ایسی محبت کی تاثیر پوری کائنات کا احاطہ کر لیتی ہے۔

بہ جھان خرم از آنم کہ جھان از اوست
عاشقم بر ھمہ عالم کہ ھمہ عالم از اوست

حضرت امام اس نقطۂ نظر سے کائنات کی تمام مخلوقات بالخصوص انسان کو خدائے محبوب کی نشانی اور صنعت کے عنوان سے الفت و محبت اور رحمت و شفقت کی نظروں سے دیکھتے تھے۔ جبکہ مادہ پرست اور شیطانی نقطۂ نظر کی وجہ سے مغربی استکبار کی کوشش تھی کہ وہ امام کا ایسا چہرہ پیش کرے جو محبت و الفت سے عاری ہو! حضرت امام خدائی تربیت و بصیرت اور مذکورہ نظریہ کی وجہ سے "نصیری" "شاہ"، "صدام" اور "ریگن" جیسے بدترین انسانوں اور انتہائی سخت دشمنوں سے بھی محبت کرتے تھے! دشمن کے پروپیگنڈے کے برخلاف امام کی ان سے دشمنی ذاتی نہیں بلکہ خدا کے احکام سے سرپیچی اور بندگان خدا پر ظلم کیوجہ سے تھی۔

یقیناامام خدا سے ریگن اور صدام کی موت کی دعا کرتے تھے لیکن یہ درخواست ان کے حق میں بددعا کے بجائے دعائے خیر تھی۔ ان کے ظلم میں گرفتار بندگان خدا کے لئے خیر تھی اور ان کے لئے بھی اس لحاظ سے خیر تھی کہ اس طرح ان کا گناہ اور عذاب زیادہ نہ ہو۔ اگر وہ شاہ کے مقابلہ میں اٹھ کھڑے ہوئے تو اس کی وجہ کوئی ذاتی مقصد یا اس کو بحیثیت شخص ختم کرنا نہیں تھا کہ آپ اسے ہٹا کر خود حکومت کرنا چاہتے ہوں بلکہ اگر شاہ مظالم سے پہلے تبدیل ہو جاتا ہے اور معاشرہ میں احکام خدا کے قیام کی کوشش کرتا تو جیسا کہ امام نے قیام کے ابتدائی دنوں میں فرمایا تھا، آپ یقیناً اس کی حمایت اور مدد کرتے اور اسے مضبوط بنانے کے لئے ہر ممکن اقدام انجام دیتے۔

لہٰذا امام کے بغض و دشمنی کا معیار "خدا" تھا نہ کہ "خود"۔ امام نے کبھی کسی سے اپنی خاطر دشمنی نہیں کی اور اصولاً جہاں کہیں بھی ان کی ذات کا معاملہ درپیش ہوتا تھا وہ اس سے چشم پوشی کر لیتے تھے۔ آپ اپنے سلسلہ میں ظلم کرنے والوں کو نہ صرف معاف کر دیتے تھے بلکہ کسی نہ کسی طرف ان پر لطف و کرم بھی کرتے تھے اور ان کے لئے دعا کرتے تھے۔

کتنے ایسے مغرض، جاہل اور پست افراد تھے جنہوں نے قم یا نجف میں امام کو بدترین روحانی تکلیفیں دیں، ان پر تہمت اور ناروا الزامات لگائے اور ان کی توہین کی۔ جس کا ایک نمونہ آپ نے حوزہ اور روحانیت کے نام اپنے پیغام میں ذکر کیا ہے۔ آپ نے اس میں مدرسۂ فیضیہ میں اپنے فاضل فرزند مرحوم آیت اللہ شہید آقا مصطفی کا پانی کا کٹورا پاک کیے جانے کا واقعہ بیان کیا ہے۔ حضرت امام کو انقلاب سے پہلے قیادت و صدارت کی وجہ سے حوزہ پر مکمل اختیار حاصل تھا اور انقلاب کے بعد تو آپ عظمت و قدرت کی اوج پر تھے لیکن جیسے ان میں سے ایک بھی واقعہ کبھی امام کے ذہن میں نہیں آیا کہ وہ جس کی تلافی کی کوشش کرتے۔ امام کے عقید تمند افراد ان لوگوں کے سیاہ کارناموں اور امام کی نسبت ناروا اعمال کی وجہ سے انہیں زمین خدا پر زندہ بھی نہیں دیکھنا چاہتے تھے لیکن امام کبھی کبھی بغیر کسی بات کے ان کی احوال پرسی کرتے تھے، مدد کرتے تھے اور اگر مریض ہوتے تھے تو اپنی جانب سے کسی کو ان کی عیادت کے لئے بھیجتے تھے اور حتی الامکان ان کی ذاتی مشکلات دور کرتے تھے۔

اگر کسی دن قدرت میرے ہاتھ میں آجائے!

اس مسئلہ نے حقیر کو اس واقعہ کی یاد دلا دی جو انقلاب سے برسوں پہلے امام کے ساتھ پیش آیا تھا:
امام (رہ) ایران میں تحریک کی شروعات سے پہلے گرمی کے موسم میں حوزہ میں چھٹی ہونے کی وجہ سے "محلات" یا تجریش کے "امامزادہ قاسم گاؤں" میں رہتے تھے۔ ظاہراً حاج احمد آقا نے میرے لئے نقل کیا کہ ایک دن امام امامزادہ قاسم سے تجریش چوک میں واقع امامزادہ صالح کی زیارت کے لئے گئے تھے۔ وہاں سے امامزادہ قاسم کی طرف واپس آتے وقت کچھ آوارہ لڑکے ہنستے گاتے ہوئے امام کا مذاق اڑاتے ہیں اور امام بغیر کسی رد عمل کے ان کے پاس سے گزر جاتے ہیں۔ اس واقعہ کی وجہ سے امام کا میزبان امام سے بہت شرمندہ ہوتا ہے اور معذرت چاہتا ہے کہ اس کے محلہ میں امام کے ساتھ ایسا واقعہ پیش آیا۔ لیکن امام کے چہرے پر ناراضگی کے اثرات نہیں تھے بلکہ انہوں نے کہا (نقل مضمون): میں ان بچوں سے غصہ نہیں ہوا۔ ان کی کوئی غلطی نہیں ہے۔ اگر کسی دن قدرت میرے ہاتھ میں آجائے تو میں ان لوگوں کی خبر لوں گا جنہوں نے ان معصوم بچوں کی اس طرح تربیت کی ہے اور انہیں اس طرح گمراہ کیا ہے!

ان لوگوں کا بائیکاٹ نہیں کرنا چاہئے

ایک مشہور اور امام کے محبوب نمائندے نے امام کی خدمت میں پہنچنے کے بعد امام کے لئے ایک خط لکھا اور مجھے دیتے ہوئے کہا: "میں نے اس خط کے مضمون کا خلاصہ حضور کی خدمت میں بیان کر دیا ہے اور یہ طے ہوا ہے کہ اس کی تحریر آپ کے ذریعہ پیش کی جائے گی"۔
خط کا موضوع ایک اہل علم اور دیندار واعظ کے متعلق تھا جن سے شاہ معدوم کے لئے دوبار دعا کرانے کے جرم میں لباس روحانیت لے لیا گیا تھا۔ چونکہ وہ انقلاب و امام کے عقیدتمند اور مبلغ اسلام تھے اس لئے ان کے سلسلہ میں نظر ثانی کی درخواست کی گئی تھی۔
دوسرے دن امام کی خدمت میں خط کا مضمون پیش کیا گیا تو امام نے فرمایا:

آقائے اردبیلی سے کہہ دیجئے کہ اگر وہ واعظ شاہی حکومت کے تحت کام کرنے والے لوگوں میں سے نہیں تھے۔ بلکہ اس زمانہ میں موجود سختیوں کی وجہ سے بہک گئے تھے۔ اور نیک افراد میں سے ہیں۔ تو ان کے ساتھ اس طرح کا سلوک نہیں ہونا چاہئے اور اس غلطی کی وجہ سے جس سے وہ خود رنجیدہ خاطر ہیں ان کا بائیکاٹ نہیں کرنا چاہئے۔

میں نے بھی آیت اللہ موسوی اردبیلی کی خدمت میں یہ پیغام پہنچادیا اور آپ کے حکم کی تعمیل ہوگئی۔

میں نے معاف کردیا

ایسے بہت سے افراد تھے جنہوں نے امام کی توہین یا برائی کی تھی اور پھر اپنی غلطیوں پر نادم وشرمسار ہو کر خط کے ذریعہ امام سے معافی کی درخواست کرتے تھے۔ یہ تمام خطوط امام کی خدمت میں ارسال کئے جاتے تھے اور امام بغیر استثنا کے ان تمام مواقع پر فرماتے تھے:

میں نے ان کو معاف کردیا۔

اور کبھی کبھی ان کے لئے دعا بھی کرتے تھے۔ اگر خط پر پتہ لکھا ہوتا تھا تو دفتر کی جانب سے تحریری جواب بھی ارسال کیا جاتا تھا۔ منجملہ صوبۂ فارس کے کسی شہر سے ایک سیاسی قیدی کی اہلیہ نے امام کو خط لکھا:

"انسان سے غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں۔ میرے شوہر نے قائد محترم کی شان میں گستاخی کی ہے۔ میں کمال ندامت کے ساتھ نائب امام کی حضور میں معافی کی خواہشمند ہوں اور التماس کرتی ہوں کہ وہ اپنے کرم کی بنا پر انہیں معاف کردیں۔۔۔۔"

مذکورہ خط معمول کے مطابق امام کی خدمت میں پہنچادیا گیا اور آپ کا جواب دفتر کی جانب سے اس شہر کے معروف عالم دین کو بھیج دیا گیا۔

اس کا دوسرا نمونہ امریکا سے ایک عرب مسلمان کا خط ہے جس نے اپنی گذشتہ صورتحال کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا تھا:

"میں آپ کی توہین کرکے عظیم گناہ کا مرتکب ہوا ہوں اور یہ گناہ ایک خوفناک خواب کی مانند ہمیشہ مجھے تکلیف پہنچاتا ہے"۔

اس نے انتہائی التماس کے ساتھ معافی کی درخواست کی تھی جسے امام کی خدمت میں پہنچادیا گیا اور آپ نے الفت ومحبت سے بھرے ہوئے لہجے میں فرمایا:

میں نے ان کو معاف کر دیا۔
اسی طرح مسجد سلیمانی کے ایک طالب علم نے لکھا تھا:
"انقلاب اسلامی کے رہبر کبیر امام خمینی کی خدمت میں۔ میں آپ سے معافی کا خواستگار ہوں کیونکہ جس محفل میں آپ کی غیبت ہوتی تھی میں اس میں موجود تھا۔ اس لئے میری گزارش ہے کہ مجھے معاف کر دیجئے۔ اگر آپ نے معاف کر دیا ہے تو اپنی تحریر میں اسے میرے لئے بھیج دیجئے"۔
اس کے لئے جواب بھیج دیا گیا۔

خطبہ شقشقیہ کی یاد

حضرت امام کا معمول یہ تھا کہ وہ رمضان المبارک اور محرم الحرام کی تعطیلات سے پہلے درس کے آخری دن کو اخلاقی و عرفانی نصیحتوں کے لئے مخصوص کر دیتے تھے۔ ایک بار نجف اشرف میں آپ ماہ مبارک کی آمد سے پہلے مذکورہ موضوع پر گفتگو فرمارہے تھے۔ قم میں آپ کے متعدد درس اخلاق میں شرکت کرنے والے ایک فاضل کا کہنا تھا کہ یہ آپ کے بہترین اور جھنجھوڑ کر رکھ دینے والے دروس میں سے ایک تھا۔
اس دن امام کی گفتگو نے سب کو اس طرح منقلب کر دیا تھا کہ مسجد شیخ انصاری کی فضا میں صدائے گریہ گونج رہی تھی۔ طلاب آپ کی باتوں سے بہت متاثر تھے۔ آپ کے الفاظ دل سے نکل کر دل میں بیٹھ رہے تھے۔ آپ کی دلکش گفتگو نے سب کی روح کو تسخیر کر لیا تھا اور انہیں خاکی جسموں سے نکال کر عشق معبود کی منزل میں پہنچا دیا تھا۔ گفتگو اپنی اوج پر تھی اور یہ گفتگو ہو رہی تھی:
جب تک آپ جوان ہیں اپنی اصلاح کر لیجئے کہ ضعیفی میں۔۔۔۔
اچانک مسجد کے گوشہ سے ایک مکروہ آواز نے سب کی توجہ جذب کر لی۔ ایک ضعیف العمر شخص جس کے پاس تھوڑا بہت علم و فضل بھی تھا اور کردار کی پاکیزگی بھی لیکن بذلہ سنجی اور غیر سنجیدہ حرکتیں کرنے میں مشہور تھا، نے اپنے بغیر بالوں کے سر سے عمامہ ہٹا کر اپنے سر پر اتنی تیز ہاتھ مارا کہ پورے ہال میں آواز گونج گئی اور یہ جملہ کہا: "میں اپنے اس گنجے سر کی کس طرح اصلاح کروں؟"
یقیناً اس نے کسی غلط مقصد سے ایسا نہیں کیا تھا بلکہ اس کی شوخ طبعی اور موقع محل نہ پہچاننے کی عادت نے اسے اس کام پر ابھارا تھا لیکن بہر حال اس بے جا کام نے اپنا اثر دکھا دیا۔ امام نے اس کے مقابلہ میں کوئی رد عمل دکھائے بغیر اچانک اپنی گفتگو روکی، لہجہ تبدیل کیا اور دعا کے چند جملے کہہ کر درس ختم کر دیا۔ اس وقت بہت سے لوگوں کے ذہن میں خطبۂ

شقشقیہ اور عرب کی غیر سنجیدہ حرکت کا واقعہ آیا جو حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی گفتگو منقطع ہونے کا سبب بنا تھا۔ سب لوگ بہت متاثر تھے۔ اگر درس اخلاق کی وہ معنوی فضانہ ہوتی تو یقینا اس شیخ کی خیر نہیں تھی۔

انکساری و تواضع

سلام میں سبقت

امام کسی جگہ تشریف لاتے تھے تو ان سے پہلے سلام کرنا بہت مشکل ہو تا تھا۔ ایک دن ہم امام سے پہلے کمرے میں چلے گئے تھے۔ ہماری آنکھیں دروازے پر آپ کی آمد کی منتظر تھیں۔ یہاں تک کہ سلام کرنے کے لئے گلا بھی صاف کر لیا گیا تھا لیکن پھر بھی ہم لوگ پیچھے رہ گئے کیونکہ دروازہ کھلتے ہی ہم نے امام کے سلام کی آواز سنی۔ ہم لوگ یہ نہیں سمجھ سکے کہ پہلے آپ تشریف لائے ہیں اور پھر سلام کیا ہے یا پہلے سلام کیا ہے اس کے بعد کمرے میں داخل ہوئے ہیں۔

ایک دن میں نجف میں مسجد شیخ انصاری اور امام کے گھر کی درمیانی گلی سے سر جھکائے ہوئے گزر رہا تھا۔ تبھی مجھے لگا کہ کسی نے مجھے سلام کیا ہے۔ میں نے سر اٹھایا تو نگاہیں امام کے وجود مبارک پر پڑیں۔ ایک لمحہ کے لئے مجھے عجیب سے بوجھ کا احساس ہوا۔ جیسے میری زبان بند ہو گئی ہو۔ بہر حال وہ میرے رہبر، مرجع تقلید، محبوب تھے اور میں ایک سترہ سالہ حقیر طالب علم تھا لیکن دیر ہو چکی تھی اور میرے پاس جواب سلام کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔ کیونکہ جواب واجب تھا۔ یہ واقعہ "انک لعلی خلق عظیم" کے مخاطب پیغمبر اکرم (ص) کے اخلاق کی یاد دہانی کرا رہا تھا۔

حضرات معطل نہ ہوں!

امام عمر دراز افراد خاص کر علما اور ان میں بھی خاص کر جن لوگوں سے آپ کی علمی نشست و برخاست رہی تھی، ان کا خاص احترام کرتے تھے۔ اگرچہ ان میں سے بعض افراد کا سیاسی مسائل کی وجہ سے امام سے اچھا رابطہ نہیں تھا۔ امام عام طور پر دفتری امور کے اولویت کے قائل تھے اور دفتری کام ختم ہونے اور رسیدوں پر مہر لگنے کے بعد دوسرے لوگوں سے ملاقات کرتے تھے۔ ایک دن ہم آپ کی خدمت میں اپنے کام انجام دے رہے تھے کہ آپ نے فرمایا:

ذرا دیکھئے حضرات آ گئے ہیں یا نہیں؟

حضرات سے آپ کی مراد تہران کے چار قدیمی اور عمر دار زعلما تھے جنہیں آج ملاقات کے لئے آنا تھا۔ انہیں دفتر میں جانے سے پہلے ہی امام کے کمرے کی طرف بھیج دیا گیا۔ جب تک یہ بزرگ افراد دھیرے دھیرے چلتے ہوئے امام کے نزدیک آتے تب تک آپ نے اٹھ کر عبا، قبا اور عمامہ وغیرہ زیب تن کیا۔ آئینہ میں دیکھتے ہوئے ڈاڑھی میں کنگھی کی اور حضرات کی آمد کے لئے تیار ہو گئے۔ جبکہ سب کو معلوم تھا کہ امام آخر کے کچھ سالوں میں بہت سے ممالک کے سربراہوں اور داخلی و خارجی شخصیتوں سے ملاقات کے وقت عبا قبا اور ٹوپی نہیں پہنتے تھے اور اپنے پیروں پر کمبل ڈالے رہتے تھے۔

بہر حال حضرات داخل ہوئے۔ امام پورے قد سے کھڑے ہوئے۔ ہر ایک سے گلے ملے۔ میں نے پہلی بار دیکھا کہ آپ اپنے مخصوص دیوان پر بیٹھنے کے بجائے حاضرین کے ساتھ زمین پر بیٹھے اور ان کے ساتھ گفتگو میں مشغول ہو گئے۔ البتہ چونکہ ہم کمرے سے باہر نکل آئے تھے اس لے ان کے درمیان ہونے والی گفتگو سے باخبر نہیں ہوئے لیکن اس خوبصورت فضا اور خوشحال چہروں سے قربت اور باہمی احترام مکمل طور پر نظر آرہا تھا۔ در حقیقت سیاسی و اجتماعی قدرت کے ہوتے امام کا یہی کریمانہ اخلاق، محبت آمیز رویہ اور تواضع تھا جس نے تمام عمر دراز علماء یہاں تک کہ انتہائی قدامت پرست افراد کو آپ کی عظمت کے سامنے تسلیم ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ جبکہ ان کے درمیان کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے امام کی جلاوطنی اور ان کے خدائی راستہ کی سختیوں کے دور میں اپنی زہریلی زبان، تہمتوں اور سازشوں کے ذریعہ امام کے دل کو خون کر دیا تھا۔ لیکن امام نے کریمانہ تغافل اور چشم پوشی کے ذریعہ ان کو اسلام ناب محمدی کی جانب لانے کی کوشش کی۔ انہیں کم از کم یہ امید تھی کہ ایسے انقلاب ان لوگوں کے شر سے محفوظ رہے گا۔

امام قدامت پرستی اور قدامت پرستوں کے طرز فکر کو مختلف مناسبتوں پر مختلف طرح سے منطق و استدلال کے ذریعہ رد کرتے تھے لیکن جب تک وہ اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت کے خلاف فساد نہیں برپا کرتے تھے تب تک بھی اس طرح کے افراد کی شخصیت اور علمی حیثیت کا احترام کرتے تھے۔ کبھی بغیر کسی تذکرے کے اچانک ان کی احوال پرسی کرتے تھے اور ان کی امداد کرنے کا حکم دیتے تھے۔ کبھی کبھی جب کسی کی بیماری کی اطلاع ملتی تھی تو اپنی جانب سے کسی کو عیادت کی خاطر بھیجنے کے علاوہ اس کی ضروریات پوری کرنے کا حکم دیتے تھے۔ اس کے علاج کا خرچ دیتے تھے اور اگر کبھی ضرورت ہوتی تھی تو انہیں بیرون ملک بھیجنے کا حکم بھی دیتے تھے۔

امام کو آیت اللہ گلپایگانی کا ٹلیگراف

"آقائے شریعتمداری" کی وفات اور بغیر کسی پروگرام کے تدفین کے بعد "آیت اللہ گلپائگانی" نے امام کو ٹیلیگراف کیا جس میں آیت کریمہ "و نزعنا ما فی صدورهم من غلّ---" (حجر ۴۷) ذکر ہوئی تھی۔ ٹیلیگراف کے مضمون اور اس آیت سے امام پر تنقید کا پہلو نکل رہا تھا۔ جب کہ امام قلبی بیماری کی وجہ سے ہسپتال میں تھے۔ ڈاکٹروں کی شدید ہدایت تھی کہ انہیں مکمل طور پر آرام دیا جائے اس وجہ سے انہیں آقائے شریعتمداری کے انتقال کی کوئی اطلاع نہیں تھی چہ جائیکہ ان کی تدفین کی صورتحال کا علم ہو۔ اسی طرح آقائے گلپائگانی کے ٹیلیگراف کی بھی انہیں کوئی خبر نہیں ہوئی۔ لیکن کچھ دنوں بعد کسی بلیٹن میں آقائے گلپائگانی کے ٹیلیگراف کے جواب میں "جناب آقائے زیارتی" (سید حمید روحانی) کا شائع شدہ خط امام تک پہنچ گیا۔ اس طرح امام کو سارا ماجرا معلوم ہو گیا۔ ہمیں آیت اللہ گلپائگانی کے ٹیلیگراف کی اطلاع ہو گئی تھی اور ہم ان کے فیصلہ سے بہت ناراض تھے۔ ان کے متعلق ہمارا نظریہ بالکل منفی ہو گیا تھا جس کی مثال آقائے سید حمید روحانی کا خط تھا۔

لیکن امام کا رویہ

حضرت امام اس دوران عید فطر کے چاند کا اعلان کرنے کے لئے حکم دیتے تھے کہ پہلے آقائے گلپائگانی سے دریافت کیا جائے اور جب ان کے نزدیک رؤیت ہلال ثابت ہو جاتی تھی تب ان کی بنیاد پر عید فطر کا اعلان ہوتا تھا۔ اس بار امام آقائے گلپائگانی کے ٹیلیگراف سے ماہ رمضان کے دوران باخبر ہوئے تھے۔ ہم نے اپنی ذہنیت کے اعتبار سے آقائے گلپائگانی کے گرد سرخ لکیر کھینچ دی تھی اور ہمارا گمان تھا کہ امام اس سال دوسری طرح عمل کریں گے۔ لیکن کمال تعجب کے ساتھ ہم نے دیکھا کہ امام نے ہماری امید کے برخلاف گذشتہ برسوں کی مانند حکم دیا کہ چاند کے سلسلہ میں پہلے آقائے گلپائگانی سے دریافت کیا جائے۔ اور سال گذشتہ کی مانند عید کا اعلان ہوا۔ اس طرح مکارم اخلاق کے پربت کی اوٹ سے اس خورشید روح خدا کے نئے پرتو نے ضوفشانی کی اور انہوں نے خدائی سیرت کے ذریعہ اپنی حیات آفریں کتاب زندگی میں ایک اور نورانی ورق کا اضافہ کیا۔ ایک بار پھر ہمیں احساس ہو گیا کہ ہم کہاں اور امام کہاں؟ ہماری معمولی سی روح کہاں اور روح خدا کی آسمانی وملکوتی روح کہاں؟ ایک چھوٹے سے پتھر سے ٹکرا کر پیچ وخم کا شکار ہونے والی معمولی چیونٹی کہاں اور آسمان کی بلندیوں میں پرواز کرنے والا پرندہ کہاں؟ جس کے منزل مقصود تک سفر پرواز پر گہری کھائیاں، بلند ترین چوٹیاں، صحرا، جنگل، دریا اور سمندروں کا ذرہ برابر اثر نہیں ہوتا ہے۔

دوستوں کے ساتھ نشست وبرخاست

دوستوں کے ساتھ نشست وبرخاست کرتے وقت امام کے چہرے پر محبت ونزاکت کی لہریں محسوس کی جاسکتی تھیں۔ وہ چہرہ جو انسان کو اپنے اندر محو کرلیتا تھا۔ وہ خورشید جو منجمد سمندر کو پانی کر دیتا تھا۔ وہ سمندر جو دلوں کو اپنی معنویت کی لہروں میں غرق کر دیتا تھا۔ لیکن فرائض کی ادائیگی اور کام کے وقت وہ مستحکم پہاڑ تھے، جس کی بنیاد مضبوط اور نہ ہلنے والی تھی۔ طوفان مشکلات کی آندھیاں جس کی عظمت واستحکام سے ٹکرا کر نسیم سحر میں تبدیل ہوجاتی تھیں اور جس کی معنویت کا کوہ بلند فقط ذات خدا کے سامنے سر تسلیم خم کرتا تھا۔ ایسے وقت میں وہ خدا کے سامنے ہر طرح کے تعلقات سے الگ ہوجاتے تھے اور خدا اور اس کی رضایت کے علاوہ کسی چیز اور کسی شخص کو نہیں پہچانتے تھے۔

مجموعی اعتبار سے امام افراد سے ملتے وقت ان کی حیثیت وشخصیت کا مکمل لحاظ کرتے تھے اور فرائض کی انجام دہی میں انتہائی سنجیدہ تھے۔ دوستوں کی صحبت میں مزاح، بذلہ سنجی اور ادبی ظرافتوں سے بھی پرہیز نہیں کرتے تھے اور گھر کے اندر افراد خانوادہ کے ساتھ بہترین شوہر، محبوب باپ اور جد کا کردار ادا کرتے تھے۔

ہم نے بارہا امام کی جانب سے "آیت اللہ پسندیدہ" کے غیر معمولی احترام کا مشاہدہ کیا تھا۔ امام آقائے پسندیدہ کا احترام بڑے بھائی اور نوجوانی اور جوانی میں اپنے استاد کی حیثیت سے کرتے تھے۔ یہ احترام بالکل ایک بیٹے کا اپنے والد کے احترام جیسا تھا۔ امام کی اپنی بڑے بھائی سے خصوصی ملاقات کے دوران سیاسی مسائل اور عالم اسلام کی قیادت سے دور رہ کر فقط احوال پرسی ہوتی تھی اور بھائی کی ممکنہ مشکلات کے متعلق سوالات۔ اس دوران زندگی کے معمولی مسائل، پانی کی ٹنکی کا چوک ہوجانا، گھر کے بیت الخلا کا خراب اور اس جیسی دوسری باتیں امام کے لئے قابل برداشت تھیں۔

اپنے خادمین کی نسبت امام کی وفاداری اور محبت اتنی زیادہ تھی کہ جیسے ہی آپ کو ان کی مشکلات کا علم ہوتا تھا بلافاصلہ سوال کرتے تھے اور مہربانی فرماتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ جب بھی ہم میں سے کوئی بیمار ہوتا تھا امام اسے نہ دیکھ کر فوراً سوال کرتے تھے اور احوال پرسی اور عیادت کے لئے کسی کو اس کے پاس بھیجتے تھے۔

ہم سے ناراض کیوں ہیں؟

ایک دن ایک صاحب راستہ میں کسی نووارد کے غلط رویہ سے ناراض ہو کر واپس چلے گئے۔ جیسے ہی ہم امام کے پاس پہنچے آپ نے ان کے بارے میں پوچھا تو آپ کو ماجرا بتادیا گیا۔ آپ نے فوراً محبت آمیز تبسم کے ساتھ فرمایا:

اگر اس اجنبی نے انہیں رنجیدہ خاطر کر دیا ہے تو وہ ہم سے کیوں ناراض ہوگئے ہیں؟

وہ مذکورہ بات اور امام کے اظہار محبت کی اطلاع پاکر بہت متاثر ہوئے حسب سابق اپنا کام کرنے لگے۔
اس سلسلہ میں امام کے گھر والوں کے علاوہ دفتر کے مسئولین اور خادمین کے پاس بھی امام کی بے تکلفی، گرمجوشی، محبت اور لطف و کرم کی بہت سی داستانیں ہیں۔

ز: استقامت

ثابت قدم اور ناقبل تغییر

۱۹۶۴ میں امام کو ترکی جلاوطنی کرنے کے کچھ مہینوں کے بعد مرحوم حاج آقا مصطفی کو بھی گرفتار کرکے امام کے پاس بھیج دیا گیا۔ گیارہ مہینہ بعد ۱۹۶۵ میں انہیں عراق منتقل کر دیا گیا۔ ان دنوں کے بارے میں مرحوم حاج آقا مصطفی (قدس سرہ) نقل کرتے تھے: "جب ہم امام کے ساتھ بغداد ائیرپورٹ پر ہوائی جہاز سے اترے تو ہم کو کوئی نہیں پہچانتا تھا۔ ہمارے پاس سٹی بس یا ٹیکسی کا بھی کرایہ نہیں تھا کہ ہم کاظمین چلے جاتے"۔
واقعاً امام کی زندگی کے فراز و نشیب تعجب خیز اور سبق آموز ہیں! لاکھوں شیعوں کے مرجع تقلید اور کروڑوں مسلمانوں کی امید، اس طرح غریب الوطن اور خالی ہاتھ حیران و پریشان ہے کہ ائیرپورٹ سے کس طرح بغداد اور کاظمین جائیں! کسی اجنبی سے قرض مانگیں؟ یا کسی ٹیکسی پر بیٹھ جائیں اور اس سے کہیں کہ ہمارے پاس پیسہ نہیں ہے؟
کچھ دیر تک باہر چہل قدمی کرتے ہیں کہ اچانک حالات منقلب ہو جاتے ہیں۔ امام کا ایک عقید تمند جس نے کئی سال پہلے امام کی زیارت کی تھی، وہاں سے گزر رہا تھا کہ اس کی نگاہ دو عمامہ والے سیدوں پر پڑتی ہے۔ وہ اپنی گاڑی کی اسپیڈ کم کرتا ہے تاکہ انہیں دیکھ سکے۔ چہرے کچھ جانے پہچانے معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے پاس میں رک جاتا ہے اور خیرہ ہو کر دیکھنے لگتا ہے کہ کیا واقعاً اس کی آنکھیں اسے دھوکہ نہیں دے رہی ہیں؟ وہ اپنے دماغ پر زور ڈالتا ہے: قم! تہران! پندرہ خرداد، جلاوطنی، ترکی۔ لیکن یہاں تو بغداد ہے! ائیرپورٹ ہے! حقیقت ہے خواب نہیں ہے۔ وہ امام کو حاج آقا مصطفی کے ساتھ اپنے پاس دیکھتا ہے۔ تیزی سے گاڑی سے اترتا ہے:
سلام علیکم آقا، آپ ہیں؟ کب یہاں تشریف لائے؟ یہاں کیوں کھڑے ہیں؟ کیا کسی کے منتظر ہیں؟ لطف کیجئے اور گاڑی میں سوار ہو جایئے۔

وہ لوگ سوار ہو کر کاظمین جاتے ہیں اور سب سے پہلے امام موسی بن جعفر اور امام محمد تقی علیہما السلام کے حرم میں زیارت کے لئے جاتے ہیں۔ اس کے بعد عوام اور علما کو خبر ملتی ہے اور۔[1]

اس واقعہ کو تیرہ سال گزر جاتے ہیں اور ایک بار پھر وہی غریب الوطنی۔ ۱۹۷۸ میں عراق سے ہجرت کے وقت کویت کے بارڈر پر۔ لیکن ابھی کچھ مہینے نہیں گزرتے ہیں کہ ۲ فروری ۱۹۷۹ کو مہر آباد ائیر پورٹ سے بہشت زہرا تک تاریخ کا سب سے بڑا استقبال رونما ہوتا ہے۔ یہ ہے خدا کا راستہ طے کرنا اور اس کی جانب ہجرت کرنے کا نتیجہ۔

ہم سب نے ٹی وی میں دیکھا ہے اور ہمیں معلوم ہے کہ جب امام ہوائی جہاز سے ایران کی طرف آرہے تھے تو نامہ نگار نے آپ سے پوچھا: اس وقت آپ کے احساسات کیا ہیں؟

اور امام نے جواب دیا:

کچھ نہیں!

مغربی اور صہیونی تنگ ذہن تجزیہ کاروں نے اس واقعہ میں تحریف کرکے اور اس سے غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے کہنا شروع کر دیا کہ: "امام اور ان کے ہدف کی خاطر اتنی قربانیاں دینے والوں کے لئے امام کے دل میں کوئی احساسات نہیں ہیں!"

لیکن عوام ان کی تمام مفاد پرستانہ اور احمقانہ تفسیروں کی مانند اس بات پر بھی خوب ہنسی۔ کیونکہ خدا سے بے خبر دشمن کے برخلاف امت مسلمہ معنویت کے دریچہ سے اپنی قیادت میں ایمان کی معراج کا مشاہدہ کر رہی تھی اور اسے معلوم تھا کہ امام کی قید و بند، جلاوطنی، غریب الوطنی اور تمام زحمتیں اور مشقتیں اسلام کی خاطر تھیں اور اسلام بھی لوگوں کی نجات کی خاطر ہے۔ امام کی محبوبیت اور عوام کی اتنی قربانیوں کا راز بھی اسی نکتہ میں پوشیدہ ہے۔

مسئلہ صرف دوطرفہ محبت کا نہیں تھا بلکہ دوطرفہ ایثار و قربانی کا تھا۔

چون فشاندی جان برای خلقها

خلقها باشد برایت جانفشان

---

[1] گاڑی کا ڈرائیور بغداد کا ایک تاجر تھا۔ وہ راستہ میں بیان کرتا ہے کہ وہ کئی سال پہلے مرحوم آقائے شیخ نصر اللہ خلخالی کے ساتھ ایران گیا تھا۔ وہ لوگ مشہد کے بعد قم آئے اور امام سے ملاقات کی۔ وہ کہتا ہے کہ اس ملاقات میں امام کا اتنا عقیدتمند ہو گیا تھا کہ ہمیشہ ان کی یاد اور دوبارہ زیارت کی آرزو کرتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ دن آجاتا ہے اور بغیر کسی کام کے ائیر پورٹ آتا ہے جیسے اس کا اپنا ارادہ نہ ہو اور کوئی اسے بلا رہا ہو اور غیر متوقع طور پر وہاں امام کو دیکھتا ہے۔

اگر امام نے وہاں جواب دیا کہ کچھ نہیں!" کچھ نہیں" ان تصورات کے لئے تھا جو نامہ نگار کے ذہن میں تھے، وہ مادیت پرست ذہن جو امام کو بھی اپنی اور اپنے بے ایمان سربراہوں کی مانند تصور کر رہا تھا، اس کا تصور یہ تھا کہ امام معنویت سے عاری ہو کر صرف یہ سوچ رہے ہوں گے کہ اس وقت کروڑوں لوگ ان کے حامی اور استقبال کرنے والے ہیں، اب طاقت ان کے ہاتھ میں آگئی ہے اور مسند قدرت ان سے صرف چند قدم دور ہے۔ اس کا تصور یہ تھا کہ اس کے ساتھ امام کو یہ خوف بھی ہو گا کہ وہ اس وقت ایک بڑے ممکنہ خطرے کی طرف قدم بڑھ رہے ہیں (اسی احتمال کی وجہ سے ہوائی جہاز کے تمام سواروں پر خوف طاری تھا) کہ شائد ان کے ہوائی جہاز کو ایئر پورٹ پر اترنے نہ دیا جائے یا اسے ہوا میں ہی مار گرایا جائے یا پھر۔۔۔

اگر اس وقت ہوائی جہاز کے ہر سوار سے سوال ہوتا اور وہ صادقانہ طور پر جواب دیتا تو وہ خوفناک موت کے ممکنہ خطرے سے اپنا ڈر نہیں چھپا سکتا تھا۔ ایسے حالات میں اور ایسے نامہ نگار کے جواب میں امام فرماتے ہیں:" کچھ نہیں!" نہ موت کے خوف کا احساس کیونکہ ان کی نظروں میں موت نئی زندگی کا آغاز ہے، نہ قدرت وطاقت ملنے پر خوشی کا احساس اور نہ دنیا کی توجہ جذب کرنے پر احساس غرور۔

کچھ نہیں، ہر اس چیز کے جواب میں جس کی انکی نظروں میں کوئی اہمیت ہے جبکہ امام کے لئے فقط فریضہ کی ادائیگی اہم ہے۔ بغداد ائیر پورٹ پر بے کسی کا عالم اور ٹیکسی کا کرایہ بھی پاس میں نہ ہونا تو دوسری طرف پوری دنیا میں شہرت اور کروڑوں استقبال کرنے والے ان کے وجود میں کوئی تبدیلی نہیں لاتے ہیں۔ ان کے وجود میں خدا کے لئے جینے اور اس کی رضا کی راہ میں قدم بڑھانے کے علاوہ کوئی دوسرا احساس نہیں ہے۔

من از درمان و درد و وصل و ہجران

پسندم آنچہ را جانان پسندد

سب سے چھوٹی انگلی سے سب سے بڑا جواب!

ایک انقلاب مخالف فرد نے امریکا میں ایک ضخیم کتاب تحریر کی جس میں مرحوم آقائے پسندیدہ کے حوالہ سے امام (رہ) کی بہت توہین کی تھیں۔ سراسر جھوٹ پر مشتمل یہ کتاب امریکا میں خوبصورت طباعت اور بہترین کاغذ کے ساتھ وسیع تعداد میں مکرر چھپی اور ایرانیوں اور فارسی داں افراد کے درمیان تقسیم کی گئی۔ اس کا ایک نسخہ بذریعۂ ڈاک امام کے لئے بھی بھیجا گیا تھا۔ چونکہ ہم کو کتاب کے خراب مضمون کا علم تھا اس لئے ہم نے اسے دستاویزات کی فائل میں رکھ دیا۔ کچھ مہینوں کے بعد امام نے اسی کتاب کا ایک دوسرا نسخہ ہمیں دے کر فرمایا:" فلاں شخص اسے میرے پاس لایا تھا اسے واپس

کر دیجئے"۔ اس طرح ہمیں معلوم ہوا کہ مذکورہ شخص کے ذریعہ یہ کتاب امام تک پہنچ گئی ہے اور آپ نے اسے ملاحظہ فرمایاہے۔ آقائے رسولی نے امام (رہ) سے کہا: یہ کتاب شروع سے آخر تک آپ کی نسبت تہمت و جھوٹ سے بھری ہوئی ہے۔ اگر اس کو تردید نہ کی جائے تو ممکن ہے کہ آیندہ شکوک پیدا کرے اس لئے مناسب ہے کہ آقائے پسندیدہ ان مضامین کے جھوٹ ہونے کا اعلان کر دیں"۔ امام نے تجویز کی طرف کوئی توجہ دیئے بغیر نفی کے طور پر اپنی انگشت شہادت اوپر اٹھا کر ہلکے سے ہلا دی اور اپنے کام میں مشغول ہو گئے۔

امام کے استحکام اور اس موضوع کی طرف سے آپ کی بے توجہی سے میرے سامنے حدیث میں پیش کئے گئے اس مومن کا مصداق سامنے آ گیا جس میں مومن کو مستحکم پہاڑ سے تشبیہ دی گئی ہے جسے سخت طوفان کسی بھی قیمت پر ہلا نہیں سکتے ہیں۔ میں نے امام کی معنوی عظمت کے سامنے تعجب کرنے کے ساتھ خود کو بہت حقیر محسوس کیا اور آپ کی آسمانی ذات سے میرے عشق و عقیدت میں اضافہ ہو گیا۔ اسکے باجود میں نے سوچا کہ ہمیں اپنی ذمہ داری ادا کرنا چاہئے لہذا ہم نے حاج احمد آقا سے اس سلسلہ میں گفتگو کی۔ میں نے تجویز رکھی کہ رسالہ "پاسدار اسلام" میں جہاں مختلف افراد کی یادداشتیں شائع ہوتی ہیں اس دفعہ آقائے پسندیدہ کا انٹرویو شائع کیا جائے۔ میں نے احمد آقا سے درخواست کی کہ آقائے پسندیدہ کو انٹریو کے لئے آمادہ کرنے میں مدد کریں۔ حاج احمد آقا نے قبول کر لیا اور پہلے انٹرویو کے لئے ہم ان کے ساتھ آقائے پسندیدہ کے گھر گئے۔ انٹریو ہو گیا۔ تقریباً دس نشستوں میں آپ کی گفتگو اور یادداشت محفوظ کی گئی۔ آڈیو رکارڈنگ کے علاوہ ویڈیو رکارڈنگ بھی گئی۔ کیسٹ سے اتارا گیا متن تقریبا پانچ سو صفحہ پر مشتمل تھا جس کا خلاصہ کرنے کے بعد میں نے دوبارہ اسے آقائے پسندیدہ کی خدمت میں بھیجا تا کہ آڈیو اور ویڈیو کے علاوہ کتاب پر ان کی دستخط سے کتاب مزید معتبر ہو جائے۔ آقائے پسندیدہ نے دستخط کے ساتھ مذکورہ متن کے علاوہ اپنی جانب سے بھی کچھ صفحات کا اضافہ کیا۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ ہم رسالہ پاسدار اسلام کو ہمیشہ تہران پہنچنے کے پہلے ہی دن امام کی خدمت میں لے جاتے تھے۔ وہ واحد موقع جب ہمیں رسالہ پہنچانے میں تاخیر ہو گئی اور امام نے ہم نے سوال کیا، آقائے پسندیدہ کی قسط وار گفتگو پر مشتمل ایک شمارہ تھا۔ اس کے علاوہ حاج احمد آقا نے مجھ سے بتایا کہ امام کو نوے سال کی عمر میں آقائے پسندیدہ کے حافظہ کی مضبوطی اور فراوان نام، تاریخ اور واقعات ذکر کرنے پر بہت تعجب تھا۔ اس طرح ہمیں یہ معلوم ہو گیا کہ امام نے بھی ان یادداشتوں کو پڑھا تھا اور واقعات پر کوئی تبصرہ نہ کر کے ان پر مہر تصدیق ثبت کر دی تھی۔

کئی سال بعد میں نے ان یادداشتوں کا مجموعہ "حوزہ ھنری سازمان تبلیغات اسلامی" کو دے دیا اور "انتشارات سورہ" نے اسے ایک جلد میں "خاطرات آیت اللہ پسندیدہ" کے نام سے شائع کر دیا۔ اس کی ویڈیو کیسٹ بھی قومی نشریات کے حوالہ کر دی تا کہ وہ امام سے متعلق پروگرام بنانے میں ان سے استفادہ کریں۔

آقائے پسندیدہ کی گفتگو میں قابل توجہ بات یہ تھی کہ جس پر امام نے بھی اظہار تعجب کیا تھا کہ آپ نے ہر نشست میں بغیر کچھ لکھے ہوئے امام کے بچپن اور نوجوانی کے زمانے سے متعلق دسیوں نام اور تاریخیں بیان کی تھیں جن میں سے اکثر نام قدیمی طرز کے تھے اور سابقہ ولاحقہ القاب، عہدوں اور رشتہ کے ساتھ بیان کئے گئے تھے۔

آقائے پسندیدہ کی گفتگو کی آڈیو ویڈیو ریکارڈنگ اور تحریری صورت میں اس کی اشاعت سے ایک تاریخی کام انجام پا گیا جو بلاواسطہ آقائے پسندیدہ کی نسبت سے پیش کی جانے والی تہمتوں اور افترا پردازیوں کا جواب تھا، لیکن ان افواہوں کے مرکز امریکا میں اس کی نشر واشاعت ہماری قدرت سے باہر تھی۔ خدا نے یہ مسئلہ بھی دشمن کے ذریعہ حل کر دیا اور ایک بار پھر ہم نے آیت قرآن "ان اللہ یدافع عن الذین آمنوا" (حج ۳۸) کی تفسیر یعنی خدا کا مومنین سے دفاع کرنا اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ یوں ہوا کہ جب رسالۂ پاسدار اسلام کے ایک شمارے میں آقائے پسندیدہ کی جانب سے یہ بات پیش کی گئی کہ امام کے جد اعلی کشمیر میں ساکن سادات میں سے تھے، تو دشمن کو محسوس ہوا کہ اس کو امام کے بھائی کی زبانی ایک کمزور پہلو مل گیا ہے۔ اسے نشر کرنے کے لئے پاسدار اسلام کے حوالہ سے وہ انٹرویو اور آقائے پسندیدہ کی گفتگو امریکا میں لاکھوں کی تعداد میں شائع ہونے والے ایک اخبار میں شائع ہوئی۔ جس کے نتیجہ میں آقائے پسندیدہ کے بیان کئے ہوئے اصلی واقعات اجمالی طور پر پوری دنیا میں نشر ہو گئے۔ "پاسدار اسلام" کا وہ شمارہ مکرر شائع ہونے کے باوجود نایاب ہو گیا۔

مکر خدا مکر دشمن پر غالب آ گیا۔ دشمن یہ کہنا چاہتا تھا کہ اگر کبھی شاہی حکومت کے اخبار میں امام کے ہندوستانی ہونے کی خبر شائع ہونے سے لوگ شاہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تھے تو آج خود امام (رہ) کے بھائی نے اس بات کا اعتراف کیا ہے۔ جبکہ ذرا سا غور کرنے پر معاملہ سب کے لئے واضح تھا کہ وہاں پر توہین کا لہجہ اور مقصد عوام کے قیام کا سبب بنا تھا۔ تمام سادات ہندوستانی، ایرانی، لبنانی اور عراقی ہونے سے پہلے بنیادی طور پر مکی و مدنی ہیں۔ یہ ایران کے افتخارات میں سے ہے کہ زیادہ تر فرزندان رسول خدا (ص) نے ایران ہجرت کی ہے اور مشرق میں اسلام بھی ایران کے راستے اور ان علاقوں میں ایرانیوں اور سادات کی ہجرت سے پھیلا ہے۔ منجملہ امام کے اجداد بھی خراسان میں رہتے تھے اور وہاں سے شیعیت کی تبلیغ کے لئے کشمیر چلے گئے تھے۔

عراق کی بعثی حکومت کے سلسلہ میں امام کارویہ

عراق کی جانب ہجرت کرنے والے حامیان امام اور عراق یا دوسرے مغربی ممالک میں سیاسی پناہ لینے والوں کے درمیان بنیادی فرق تھا۔ وہ اغیار اور شاہ جیسی یا اس سے بد تر حکومتوں کے زیر سایہ رہ کر پرامن زندگی اور بہت سے مادی وسائل تک رسائی حاصل کر لیتے تھے اور کبھی کبھی اگر ان کے پاس کچھ سرمایہ ہوتا بھی تھا تو وہ بھی ختم ہو جاتا تھا لیکن عراق میں امام کے حامی ایران کی مانند مختلف طرح سے عراقی حکومت کی سختیوں اور دباؤ کا شکار تھے۔

عراق میں پناہ لینے والے "سید موسی موسوی اصفہانی" (آیت اللہ سید ابوالحسن اصفہانی کا پوتا) "تیمور بختیار" اور "جنرل پناھیان" جیسے افراد اور کمیونسٹ اور بائیں بازو کی پارٹیاں بعثیوں کی فراہم کی ہوئی سہولیات سے مستفید ہو رہے تھے۔ البتہ اس کے مقابلہ میں انہیں بھی عراقی حکومت کے اہداف و مقاصد کے تحت کام کرنا پڑتا تھالہذا ہر چیز طے شدہ معاملہ کے مطابق تھی۔

عراق کی بعثی حکومت بالخصوص "اروند جھیل" معاملہ کی وجہ سے ظاہری طور پر شاہ کی حکومت کی مخالف تھی اس لئے وہ شاہ کی مخالفت کو بنیاد بنا کر سمجھ رہی تھی کہ شخصیت امام کے سمندر کو سیاسی معاملات کے حقیر کوزہ میں سمیٹا جا سکتا ہے جس میں دوسرے افراد تلچھٹ کی مانند پڑے رہتے تھے۔ اسی غلط اور حقیر زاویۂ نگاہ کی وجہ سے بالخصوص ابتدائی برسوں میں ایجابی اور منفی دونوں طریقہ سے امام کو ان معاملات میں کھینچنے کی کوششیں ہوئیں لیکن کوئی بھی نتیجہ نہیں ملا!

ایجابی اقدامات میں حکومت کی جانب سے بہت سی شخصیتیں مکرر امام سے ملاقات کے لئے آتی تھیں اور مختلف لب ولہجہ میں امام کی بعثی حکومت کے ساتھ تعاون وہمکاری کی کوشش کرتی تھیں۔ "حسن علی" انقلاب کمیٹی کا عضو، "حداد" کربلا کا میئر (اس وقت نجف صوبہ کربلا کا حصہ تھا) نجف کا گورنر اور حفاظتی اہلکار امام کی خدمت میں مکرر پہنچنے والے افراد میں سے تھے۔ امام نے کبھی ان کی خصوصی ملاقات کی درخواست قبول نہیں کی اور امام تمام ملاقاتیں امام کے گھر کے باہری کمرہ میں غروب کے بعد ہونے والی تین گھنٹہ کی عمومی ملاقات کے دوران ہی ہوتی تھیں۔ ان نشستوں میں کسی کے لئے کوئی پابندی نہیں تھی اور ہر شب دسیوں طلاب اور غیر طلاب اس وقت امام کی ملاقات کے لئے آتے تھے اور امام غروب کے ٹھیک تین گھنٹہ بعد جلسہ سے نکل کر حرم مطہر امیر المومنین (ع) میں شرفیاب ہوتے تھے۔

یہ حکومتی عہدیدار افراد فصیح زبان میں گفتگو کرتے تھے۔ اگرچہ امام کافی حد تک ان کا لب ولہجہ سمجھ لیتے تھے لیکن مترجم ان کی گفتگو کا ترجمہ کرتا تھا۔ عام طور پر مترجم "شیخ علی نامی پاکستانی" شخص تھا جو بعثی حکومت کے عہدیداروں سے بھی تعلقات رکھتا تھا اور بیت امام سے بھی رابطہ رکھنے کی کوشش کرتا تھا۔

ان کی گفتگو کے دوران امام خاموش رہتے تھے اور جیسے ہی ۳ گھنٹہ گزرتے تھے امام کھڑے ہو جاتے تھے اور باہر نکل جاتے تھے۔ اس طرح ہر بار وہ خالی ہاتھ اور غصہ اور حقارت کی کیفیت میں امام کے گھر سے واپس جاتے تھے! البتہ اس نکتہ کی جانب متوجہ رہنا چاہئے کہ اس وقت خاص طور پر عراق میں حکومتی اہلکاروں کا بہت رعب و دبدبہ تھا اور بہت سے افراد یہاں تک کہ علما ان کے سامنے اپنا آپا کھو بیٹھتے تھے اور ان کے ارد گرد رہنے والے افراد بھی عہدیداروں کی آمد و رفت کے دوران چاپلوسی کے لئے ان کا غیر معمولی احترام کرتے تھے جبکہ بیت امام میں آپ کی پیروی میں کوئی بھی ان کو اہمیت نہیں دیتا تھا! بعثیوں کو غصہ دلانے والی ان ملاقاتوں کی کچھ مثالیں اس وقت سامنے آئیں جب "اروند جھیل" کے سلسلہ میں ایران و عراق کے درمیان حالات بہت کشیدہ تھے۔
بعثی اس طریقہ کار کے ساتھ ساتھ اور خاص طور پر اس روش سے مایوس ہونے کے بعد امام کو تسلیم کرنے یا کم از کم ان میں لچک پیدا کرنے کے لئے منفی طریقہ استعمال کرنے لگے مثلا مضحکہ خیز بہانے بنا کر امام کے نزدیکی افراد اور دوستوں کو گرفتار کرنا! البتہ اس معاملہ میں کمیونسٹوں اور ساواک کے گماشتوں کا اہم کردار ہوتا تھا۔ یہ دونوں یا تو مخفی طور پر ایک تھے یا امام سے دشمنی کی صورت میں انہیں ایک مشترکہ معاملہ مل گیا تھا۔ ان کے ساتھ میں لباس روحانیت میں موجود بعض افراد بھی فتنہ برپا کرنے اور بعثیوں کو راستہ دکھانے میں فعال کردار ادا کر رہے تھے۔

شناختی کارڈ کی عمر اور حقیقی عمر

ہم نے امام کی قناعت اور کفایت شعاری کے سلسلہ میں بہت کچھ سنا ہے اور امام کے ساتھ مختصر نشست و برخاست کرنے والا فرد بھی پہلے ہی مرحلہ میں اس نکتہ کی جانب متوجہ ہو جاتا تھا۔ نہ صرف یہ کہ امام کی زندگی میں اسراف و تبذیر کی کوئی جگہ نہیں تھی بلکہ امام "المومن قلیل المؤنۃ کثیرالمعونۃ" کے مصداق تھے۔ آپ دنیاوی لذتوں سے بہت کم استفادہ کرتے تھے لیکن دوسروں کو فائدہ پہنچانے اور معنوی مدارج طے کرنے میں سب سے بالاتر تھے۔
پانی، بجلی اور دوسرے سامان زندگی کے سلسلہ میں امام کی کفایت شعاری کے بارے میں بہت سی باتیں کہی گئی ہیں۔ یہاں پر ہم وقت کے سلسلہ میں ان کی کفایت شعاری کا تذکرہ کریں گے۔ ایک خدائی حکیم کی نظر میں انسان کی عمر اور وقت جتنا قیمتی سرمایہ ہو گا وہ اسی لحاظ سے اس کے سلسلہ میں زیادہ سے زیادہ کفایت شعاری سے کام لے گا۔ درحقیقت ہر انسان کی حقیقی عمر اور حیات کو زندگی سے اس کے استفادہ اور مقصد خلقت کی راہ میں قدم بڑھانے کے لحاظ سے دیکھنا چاہئے۔ اس پیمانہ کے مطابق ممکن ہے کہ ایک فرد کی عمر شناختی کارڈ کے اعتبار سے سو سال ہو لیکن اس کی مفید عمر صفر ہو

یا صفر سے بھی کم ہو اور اس نے اپنی پوری ایک متحرک مادہ کی صورت میں گزار دی ہو۔ کبھی ممکن ہے کہ ایک سو سال کے انسان کی حقیقی عمر پانچ سال، دس سال یا بیس سال ہو۔ بہر حال شناختی کارڈ کے سن و سال اس وقت حقیقی عمر کے عین مطابق ہوتے ہیں جب انسان نے اپنی عمر کا ایک بھی لمحہ بیکار نہ گزارا ہو۔

حضرت امام کی زندگی کیفیت اور مضمون کے لحاظ سے "ان صلواتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العالمین" (انعام ۱۶۲) کا مصداق ہونے کے علاوہ ان کا سونا، جاگنا، آرام کرنا، ورزش کرنا اور کھانا، پہننا سب کچھ خدا کی جانب سفر کا ایک حصہ اور ان کے معنوی سفر کمال میں معاون تھا۔ ظاہری اعتبار سے بھی ہمیں کوئی ایسا آدمی نہیں ملا جس نے انہیں بیکار دیکھا ہو بلکہ جرأت کے ساتھ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ عمر کے آخری برسوں میں روزانہ بڑھتی ہوئی ضعیفی اور کمزوری کے باوجود ہم نے آپ سے زیادہ کسی کو کام کرتے نہیں دیکھا۔

امام سب سے زیادہ فعال

یہ مسلّم ہے کہ انسان کو خط یا دوسری کوئی چیز تحریر کرنے کے لئے اندرونی سکون اور جسمانی سلامتی کی ضرورت ہوتی ہے۔ جسمانی کمزوری اور بیماری یا ذہنی پریشانی اچھی طرح سوچنے سمجھنے اور لکھنے میں رکاوٹ بن جاتی ہے۔ لیکن ہم سب نے مشاہدہ کیا ہے کہ امام نے صلح کی قرارداد قبول کرنے بلکہ زہر کا پیالہ پینے اور دوسرے بہت سے ایسے آلام و مشکلات برداشت کرنے کے بعد کہ جنہوں نے امام کا دل خون کر دیا تھا، مختلف موضوعات پر دسیوں پیغامات تحریر فرمائے، جن باتوں کو اب تک نہیں کہا تھا انہیں کہا، اہم معاملات پر مزید تاکید کی اور غیر واضح اور ناشناختہ مسائل سے پردہ اٹھایا۔ اس طرح آپ نے سب پر حجت تمام کر دی اور اپنے چراغ ہدایت کی نعمت مکمل کر دی۔ گویا وہ خود کو اختتام سفر سے نزدیک محسوس کر رہے تھے اور اپنی یہ ذمہ داری سمجھ رہے تھے کہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوئی بھی نکتہ نہ چھوڑیں۔ اس طرح پیغامات کے تعجب خیز مضامین کے علاوہ آپ نے عمر کے آخری سال میں تعداد کے لحاظ سے بھی غیر معمولی خطوط تحریر کئے۔ یہ آپ کے سیکڑوں قیمتی کاموں میں سے ایک تھا۔

ایک وقت میں پانچ کام

امام بہت سے موقعوں پر ایک وقت میں کئی کام انجام دیتے تھے۔ اس سلسلہ میں اپنے کچھ مشاہدات نقل کر رہا ہوں:

۸۹ کے ابتدائی دنوں میں شام سات بجے امام نے حقیر کو کسی کام سے بلایا۔ جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو نماز مغرب کو ایک گھنٹہ گزر چکا تھا۔ امام مغرب وعشا کی تعقیبات پڑھتے ہوئے یہ کام انجام دے رہے تھے: ۱۔ اپنے ہاتھ میں تسبیح لئے ہوئے ذکر پڑھ رہے تھے۔ ۲۔ پیٹھ کے بل لیٹے ہوئے تھے اور ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق اپنے پیر ہلکے ہلکے اوپر نیچے کر کے ہلکی پھلکی ورزش کر رہے تھے۔ ۳۔ ٹی وی بغیر آواز کے چل رہا تھا اور آپ اسے بھی دیکھ رہے تھے۔ ۴۔ ریڈیو چل رہا تھا۔ آپ کی توجہ اس طرف بھی تھی۔ ۵۔ ان سب کے علاوہ آپ کا پوتا علی جو آپ کی حرکات و سکنات کی نقل اتارنے کی کوشش کر رہا تھا آپ کے بغل میں لیٹا ہوا تھا۔ ذکر پڑھنا، خبریں سننا، ٹی وی دیکھنا اور معمولی ورزش کرنا اپنے چھوٹے پوتے سے محبت کرنے میں رکاوٹ نہیں تھا اور آپ اسے بھی اپنے ہاتھوں سے سہلاتے اور پیار کر رہے تھے۔
اس طرح میں نے امام کو ایک وقت میں پانچ کاموں میں مشغول پایا۔
"قو علی خدمتک جوارحی" کے مطابق دین خدا کی خدمت کے عنوان سے امام کی صحت و سلامتی کے لئے ورزش ضروری تھی۔ ہم نے بارہا دیکھا کہ امام شام کے وقت چہل قدمی کرتے ہوئے ہاتھ میں تسبیح لے کر ذکر الٰہی کرتے تھے اور ساتھ ہی دوسرے ہاتھ میں چھوٹا ریڈیو لے کر داخلی وخارجی مسائل سے آگہی حاصل کرتے تھے۔
اس طرح یہ کہا جاسکتا ہے کہ امام کی حقیقی عمر ۸۷ سال نہیں تھی بلکہ کام اور استفادہ کے اعتبار سے اس مدت کے کئی برابر تھی۔ نیز کیفیت اور مضمون کے لحاظ سے اور ذات لازوال سے رابطہ کی وجہ سے یہ عمر لامتناہی اور جاودانی ہوگئی ہے۔

امام، جامع اضداد

امام متضاد صفات کے مالک تھے۔ امام کی وجودی ظرفیت اتنی وسیع تھی کہ اس میں بیک وقت محبت و نفرت، دوستی و دشمنی، جاذبہ و دافعہ اور لچک اور استحکام جیسی متضاد صفات نمایاں تھیں۔ البتہ ان سب کی اپنی خاص جگہ تھی جو قرآنی معیاروں اور خدائی شخصیتوں کے مطابق تھی۔ جی ہاں! امام کی ملکوتی روح نہ فقط جسم پر حاکم تھی بلکہ آپ کے تمام جذبات واحساسات پر مسلط تھی۔ آپ کے تمام رجحانات اور اعمال مرضی خدا اور اسلامی احکام و تعلیمات کے سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے۔
امام کی شخصیت اور زندگی میں اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کی ضرورت ہے۔ یہاں پر ہم اس کا فقط ایک نمونہ بیان کر رہے ہیں:

امام بحیثیت باپ انسانی احساسات اور مہر و محبت کا مظہر تھے۔ بالخصوص حاج آقائے مصطفی کے تعلق سے جو امام کے پہلے فرزند اور علمی و اخلاقی فضائل کے اعتبار سے نمایاں کردار کے مالک تھے۔ یقیناً امام ان سے بہت محبت کرتے تھے۔ اس تعلق کا مظہر وہ جملے ہیں جنہیں آپ نے حاج آقائے مصطفی کی وفات کے موقع پر کسی کتاب کی پشت پر تحریر فرمایا تھا۔
مرحوم حاج احمد آقا نے خط نسخ میں امام کے لکھے ہوئے مذکورہ جملوں کو حاج
آقائے مصطفی کے بارے میں "سید محمد علی" کی رباعی کے ساتھ مجھے عنایت کیا جس کی میں نے تصویر لی۔
اتنے عظیم الشان بیٹے سے اتنی محبت کے باوجود جہاں تک ہمیں اطلاع ہے امام نے ان کی وفات پر گریہ نہیں کیا اور اسے اللہ کا مخفی لطف و کرم قرار دیا۔ لیکن بہت سے شہدا کی شہادت پر گریہ کناں ہوئے اور اہل بیت علیہم السلام کے مصائب سنتے ہی آپ شدید گریہ کرتے تھے۔ ان دونوں موقعوں کے سلسلہ میں بعض اطباء کا کہنا تھا کہ حاج آقائے مصطفی کے غم میں گریہ نہ کرنا اور مصائب اہل بیت علیہم السلام کے وقت یہ شدید گریہ امام کے دل کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔

پانچواں باب

اصولوں اور اقدار کی پابندی

قرآن اور عزاداری امام حسین علیہ السلام کا احترام

امام کو خدا پر ایمان اور اس کی یاد کے زیر اثر اتنا قلبی سکون و اطمینان میسر تھا کہ مختلف اور متضاد حالات جیسے بڑی مصیبتیں اور مشکلات یا خوشیاں اور کامیابیاں ہرگز آپ کو غیر معمولی جذباتی نہیں کرتی تھیں۔ یہاں تک کہ آپ کے روزمرہ پروگرام پر بھی کوئی اثر نہیں پڑتا تھا۔ اسی وجہ سے امام خودداری کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے تھے اور آپ کے کاموں میں موجود نظم وضبط ختم نہیں ہوتا تھا۔ امام نہ صرف یہ کہ کلی اور بنیادی معاملات میں سنجیدہ اور باریک بین تھے بلکہ انتہائی معمولی آداب و اصول کے سلسلہ میں بھی اسی باریک بینی اور کوشش کا مظاہرہ کرتے تھے۔ اور وہ بہت سے آداب و اصول جن سے اکثر مومنین غافل ہو جاتے ہیں، آپ ان کی بھی رعایت کرتے تھے۔

ایک بار ایک شخص کچھ سوروں پر مشتمل چھوٹے قرآن لایا تاکہ امام کی دستخط کرا کر انہیں سرحد کے مجاہدین کے لئے بطور تحفہ لے جائے۔

چونکہ تعداد زیادہ تھی اس لئے ہم نے کہا کہ اس میں امام کا کافی وقت صرف ہو گا اور آپ کو زحمت ہو گی۔ اس نے کہا صرف اتنا ہی کافی ہے کہ قرآن امام کے ہاتھوں تک پہنچ جائے اور امام کے ہاتھوں سے متبرک ہو جائے! اس کا کہنا تھا کہ اگر یہ قرآن امام کے ہاتھوں سے مس ہو جائے تو مجاہدین سرحد کی خوشی کے لئے بہت ہے۔ ہم نے قبول کر لیا اور سارے قرآن ایک بڑے تھیلے میں ڈال امام کے پاس لے گئے۔

کام کے اختتام پر جب ہم واپس لوٹنے لگے تو ہم میں سے ایک فرد نے وہ تھیلا اٹھا کر امام کے ہاتھوں کے پاس کر دیا۔

آپ نے یہ سوچ کر کہ ہمیشہ کی مانند مٹھائی وغیرہ تبرک کے لئے لائی گئی ہے، اپنا ہاتھ بڑھا دیا لیکن جب آپ نے تھیلے کے اندر دیکھا تو پوچھا:

یہ کیا ہے؟

آپ کو بتایا گیا کہ یہ چھوٹے سائز کے قرآن ہیں جن میں کچھ سورے ہیں۔ انہیں سرحد کے لئے تبرک کی خاطر لایا گیا!

امام کے سارے کام سکون و اطمینان کے ساتھ ہوتے تھے لیکن یہ بات سنتے ہی آپ نے بہت تیزی اور اضطراب کے ساتھ اپنا کھینچ لیا اور سخت لہجہ میں سرزنش کرتے ہوئے کہا:

میں قرآن کو چھو کر بابرکت بناؤں؟! آپ لوگ یہ سب کیا کرتے ہیں؟!

****

قرآن کے سلسلہ میں ایک اور دلچسپ نکتہ ہے جسے ہم نے بارہاامام کی زندگی میں دیکھا ہے۔ کبھی ہم کسی وجہ سے ہینڈ بیگ میں قرآن لے کر امام کے پاس جاتے تھے۔ ایک بار ہم نے قرآن کو بھی دوسری چیزوں کے ساتھ میں بیگ سے نکال کر زمین پر رکھ دیا۔ امام یہ دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے فوراً فرمایا:

قرآن زمین پر نہ رکھئے۔

یہ کہتے ہوئے انھوں نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور قرآن اٹھا کر میز پر رکھ دیا۔ بعد میں ہم متوجہ ہوئے کہ چونکہ امام دیوان پر بیٹھے ہوئے ہیں اس لئے وہ نہیں چاہتے ہیں کہ قرآن زمین پر رکھا جائے اس لیے کہ امام کی جگہ سے نیچے ہو جائے گا۔

ایک بار سب نے دیکھا کہ حسینیہ جماران میں ملاقات کے لئے ہمیشہ کی مانند آپ کی کرسی رکھی ہوئی تھی لیکن آپ اس پر بیٹھنے کے بجائے زمین پر بیٹھے۔ واقعہ یہ تھا کہ اس دن قرائت قرآن کے مقابلہ میں کامیاب قارئین آنے والے تھے اور پروگرام میں تلاوت قرآن ہونا تھی۔

البتہ کچھ دوسرے مواقع پر بھی امام کرسی کے بجائے زمین پر بیٹھتے تھے جیسے عاشور کے دن جب آپ عزاداری امام حسین علیہ السلام کے احترام میں زمین پر بیٹھتے تھے۔

*****

امام ہر سال رمضان المبارک سے چند دن پہلے حکم دیتے تھے کہ آپ کے مد نظر بعض افراد کے لئے پورے قرآن کی تلاوت کی جائے۔ جب آپ نے اپنی زندگی کے آخری رمضان سے پہلے یہ بات کہی تو میرے اور میرے گھر والوں کے حصہ میں دو قرآن آئے۔ یہاں پر ایک خاص نکتہ خودستائی کے لئے نہیں بلکہ امام کی معنویت و خلوص بیان کرنے کی خاطر بیان کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ مجھے محسوس ہوا کہ ہمارے گھر میں وہ ماہ رمضان معنویت اور کیفیت عبادت کے لحاظ سے بے نظیر یا کم نظیر تھا۔ مجھے یقین تھا کہ خدا نے اس تلاوت قرآن کی خاطر ہم پر یہ فضل و کرم کیا ہے۔

قمہ لگانا

امام سے عزاداری امام حسین علیہ السلام کے عنوان سے قمہ لگانے کے سلسلہ میں سوال ہوا تو آپ نے فرمایا:

آپ خدا کے لیے کام انجام دینا چاہتے ہیں۔ جب کوئی کام اسلام کے لئے نقصان دہ ہو وہ کام انجام نہیں دینا چاہئے۔ مثلاً قمہ لگانا اسلام کی کمزوری کا سبب ہے۔ آپ انجمنوں اور ماتم کو جتنے بہتر انداز میں انجام دینا چاہتے ہیں انجام دیں۔

حضرت امام نے مختلف استفتائات کے جواب میں یہی مضمون تحریر کیا ہے۔ مثلاً

بسمہ تعالی

موجودہ حالات میں قمہ نہ لگائیں۔ شبیہ خوانی (مصائب ڈرامہ کی صورت میں پیش کرنا) اگر حرام چیزوں پر مشتمل نہ ہو اور مذہب کی کمزوری کا سبب نہ ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اگرچہ زبانی طور پر مصائب بیان کرنا بہتر ہے اور سید مظلومین کے لئے عزاداری کرنا بہترین عبادات میں سے ہے۔

اس سوال کے جواب میں کہ:

بلیڈ، زنجیر یا دو پھل والے چاقو جس سے بدن زخمی ہو جاتا ہے اور خون نکلتا ہے لیکن ان سے ظاہراً جان کو خطرہ نہیں ہوتا ہے، کے ذریعہ ماتم کرنے کا حکم ہے؟

آپ نے جواب میں فرمایا:

سید مظلومین کے لئے عزداری اور ماتم بہترین اعمال میں سے ہے۔ کوشش کیجئے کہ (ماتم) بدن کے زخمی ہونے اور خون نکلنے کا سبب نہ بنے۔ اور اگر یہ اعمال مذہب کی کمزوری کا باعث ہوں تو جائز نہیں ہیں اور کسی بھی صورت میں ان اعمال سے پرہیز کیجئے۔

روح اللہ الموسوی الخمینی

قابل توجہ بات یہ ہے کہ دوسری سطر کے آخر تک استفتاء کمیٹی نے لکھا ہے لیکن تیسری سطر کا اضافہ مہر لگنے سے پہلے خود امام نے کیا ہے جس میں آپ نے یہ عمومی حکم کہ مذہب کی کمزوری کا سبب بننے والا کوئی بھی کام جائز نہیں ہے، بیان کرنے کے ساتھ واضح طور پر مذکورہ حکم کے مصداق کے طور پر اس طرح کے کاموں سے پرہیز کرنے کا حکم دیا ہے۔

اسی طرح ایک دوسرے جواب میں آپ نے آخر کی دو سطریں خود سے بڑھائی ہیں کہ: امام حسین علیہ السلام کی عزاداری اگر احکام اور وعظ و نصیحت کے ہمراہ ہو تو تعلیم و تربیت کا بہترین ذریعہ ہے۔

باریک بینی

ایک بار امام حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے حرم مطہر میں زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔ عام طور پر آپ ادھر ادھر نہیں دیکھتے تھے اور خاص طور پر حرم مطہر میں ظاہری امور پر توجہ نہیں دیتے تھے۔ اس دن دراز ے سے داخل ہوتے وقت آپ نے دیکھا کہ ایک شخص لیٹ کر حرم کی چوکھٹ چوم رہا ہے۔ آپ نے اس منظر کے متعلق بہت جلدی رد عمل دکھایا اور اپنے ہمراہ ایک فرد سے فرمایا:

ان سے کہئے کہ کھڑے ہو جائیں اور یہ کام نہ کریں۔

تمام واقعات کی بہ نسبت اس واقعہ کے سلسلہ میں امام کا فوری رد عمل شائد ایک استثنائی کام تھا۔ اس کی دلیل جہاں تک ہماری سمجھ میں آسکتی تھی دو اہم نکات پر مشتمل تھی: ایک یہ کہ یہ کام ظاہری طور پر سجدہ کی شکل وصورت اختیار کرلیتا ہے اور بارگاہ خدا کے علاوہ کسی اور کے سامنے سجدہ جائز نہیں ہے۔ دوسرا یہ کہ دشمنوں نے اس طرح کے کاموں سے غلط فائدہ اٹھا کر شیعوں پر شرک اور بے دینی کا الزام لگایا ہے۔ اگرچہ یہ اعمال انجام دینے والوں کی نیت دوسری ہوتی ہے اور ان کی نیت سجدہ کرنے کی نہیں ہوتی بلکہ وہ غیر خدا کے سجدہ کو صحیح نہیں سمجھتے ہیں، لیکن مفاد پرست اور موقع پرست دشمنوں نے ہمیشہ اس طرح کے اعمال کو شیعوں پر تہمت لگانے، مذہب شیعہ کو بدنام کرنے اور برادران اہل سنت کو شیعوں کی نسبت بدگمان کرنے کا ذریعہ بنایا ہے۔ اسی وجہ سے امام نے فوراً اس کام سے منع کیا کیونکہ آپ اتحاد بین المسلمین کے شدید حامی اور خیالی اور غلط بہانے اور دستاویز ختم کرنے کے سلسلہ میں کافی حساس تھے۔

حدود کی پاسداری

نجف اشرف میں امام (رہ) عام طور پر ائمہ علیہم السلام کی شہادت کے دنوں میں گھر پر مجلس عزا منعقد کرتے تھے جسے زیادہ تر "آقائے کشمیری" خطاب کرتے تھے۔ لیکن حضرت زہرا (س) کی شہادت کی مناسبت سے تین دن مجلسیں ہوتی تھیں اور وہ بھی فاطمیۂ اول اور فاطمیۂ دوم میں۔ ولادت معصومین علیہم السلام کے موقع پر محفل ہوتی تھی اور کبھی کبھی شعر اقصائد بھی پڑھتے تھے۔ ظاہراً ۱۳۸۸ کی ۲۰ جمادی الثانیہ کو ولادت حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی مناسبت سے آپ نے گھر میں محفل منعقد کی تھی۔ معمول کے مطابق آپ صحن میں تھے جہاں کافی مجمع بھی ہوتا تھا۔ اس دن ایک ایرانی شاعر (جس کی آواز بہت اچھی تھی اور وہ ایران سے انہی دنوں عراق آیا ہوا تھا)، نے اجازت لے کر حضرت زہرا (س) کی شان میں قصیدہ پڑھنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ وہ اس بیت تک پہنچا جس میں حضرت زہرا (س) کی فضیلت بیان کرنے کے لئے بعض انبیا کی توہین کا پہلو نکل رہا تھا۔ سارا مجمع ہمہ تن گوش تھا کہ تبھی اس کا جملہ ختم ہونے سے پہلے امام کی آواز گونجی۔ آپ نے تیز لہجہ میں کہا: (نقل بہ مضمون) آپ یہ سب کیا پڑھ رہے ہیں۔ یہ باتیں نہ پڑھیے"۔ اگرچہ آپ کو حضرت زہرا (س) سے بہت عقیدت تھی اور آپ ان کے مصائب کے وقت ایک لمحہ کے لئے بھی گریہ وبکا نہیں روک سکتے تھے لیکن حضرت زہرا کی خاطر آپ نے خدائی حدود کی پامالی اور انبیا کی توہین برداشت نہیں کی اور میزبان محفل ہونے اور شاعر کے مہمان ہونے کے باوجود آپ نے فوراً سب کے سامنے بیچ کلام میں اس کام سے منع کر دیا!

غیر مسلمین کی تائید نہ ہو

حضرت امام مسلمانوں کے افکار و خیالات پر مادی اور پست تہذیبوں کی غلط تاثیر کے سلسلہ میں بہت حساس تھے۔ آپ اسی حساسیت کی وجہ سے اغیار کے علوم و فنون سے استفادہ کو بھی خاص شرائط کا پابند بتاتے تھے۔ مثلا "بچوں اور نوجوانوں کی فکری تربیت کے مرکز" کی جانب سے مجھ سے رابطہ کیا گیا کہ بچوں اور نوجوانوں کے لئے غیر مسلمان مصنفین یا مترجمین کی مفید اور صحت مند کتب خریدنے کے سلسلہ میں حکم دریافت کیا جائے۔ سوال سننے کے بعد امام نے فرمایا:

حتی الامکان مسلمانوں کی تحریر کی ہوئی کتابوں سے استفادہ کیا جائے۔ اور اگر ضروری ہو اور کتاب بھی بہت اچھی ہو تو اس شرط کے ساتھ (اس کی خریداری میں) کہ غیر مسلمانوں کی تائید نہ ہو کوئی حرج نہیں ہے۔

سوویت حکومت کے وزیر خارجہ سے ملاقات

جس دن سوویت حکومت کے وزیر خارجہ "اڈوارڈ شواردنادزہ" کو "گورباچوف" کا جواب پیش کرنے کے لئے امام کی خدمت میں آنا تھا، اس کی صبح معمول کے مطابق ٹھیک آٹھ بجے میں مہمان خانہ میں گیا لیکن خلاف معمول امام ابھی کمرے میں نہیں آئے تھے۔

سوویت حکومت کے وزیر خارجہ، اسلامی جمہوریہ کی وزارت خارجہ کے عہدیداروں کے ساتھ کمرے میں کھڑے امام کا انتظار کر رہے تھے۔ ان کی مہمان نوازی کے لئے دو نئے کام انجام دیئے گئے تھے: ایک مذکورہ افراد کے بیٹھنے کے لئے کرسیاں لگائی گئی تھیں البتہ جنہیں کسی دوسری جگہ سے عاریۃً لیا گیا تھا اور دوسرے یہ کہ "حاج عیسی" ایک سینی میں چائے لائے اور حاضرین نے کھڑے کھڑے چائے پی۔ روسی مترجم کے علاوہ سوویت یونین کا نمائندہ بھی کمرے میں تھا لیکن شوردنازدہ کے بقیہ ساتھی باہر صحن میں تھے۔

کمرے کی فضا انتظار سے بوجھل ہو رہی تھی۔ آخر کار امام تقریباً ساڑھے آٹھ بجے اس انجمن کے ہمراہ جس کا ٹی وی میں مشاہدہ کیا گیا ہے، داخل ہوئے۔ کسی تامل اور کسی کے چہرے پر نظر کئے بغیر آپ افراد کے درمیان سے گزرتے ہوئے اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھ گئے۔ اس وقت سوویت حکومت کا وزیر خارجہ بھی کرسی پر بیٹھ گیا۔

عام طور پر سرکاری اجلاس اور نشستوں میں افراد ابتدائی طور پر غیر متوازن طریقہ سے بیٹھتے ہیں اور کچھ دیر بعد نفسیاتی سکون و اطمینان حاصل ہونے کے بعد دھیرے دھیرے ان کی ظاہری شکل و صورت بھی متوازن ہو جاتی ہے اور وہ آرام سے بیٹھ جاتے ہیں۔ شوارد نادزہ ڈپلومیسی کا صدر اور مشرقی بلاک کا نمائندہ تھا۔ بین الاقوامی نشستوں اور مغربی حکمرانوں کے عظیم الشان محلوں میں جس کے ہیبتناک چہرہ اور مطمئن انداز کو بارہا خبروں میں دیکھا گیا ہے۔ وہ اس معمولی اور سادہ گھر میں کہ جہاں شاید پہلی بار کسی سرکاری نشست میں پرانے فرش پر پابرہنہ بیٹھا تھا، وہ عجیب کیفیت سے دوچار تھا۔ پہلی بار خود کو اس عظیم الشان خدائی رہبر کے انتہائی معمولی اور چمک دمک سے عاری گھر میں دیکھ رہا تھا جس کی معنوی شخصیت نے استکباری محلوں میں زلزلہ برپا کر دیا تھا۔

مجھے نہیں معلوم گورباچوف کا جواب پڑھتے وقت اس کے ہاتھ میں ہونے والی ہلکی سی کپکپی کی وجہ ضعیفی تھی یا کچھ اور! وہ کرسی پر غیر متوازن طریقہ سے بیٹھا ہوا تھا جو اس کے پیروں کے غیر متوازن ہونے سے بخوبی ظاہر تھا۔

اس طولانی پیغام کی قرائت اور امام کے جواب کے اختتام تک اس کی یہی کیفیت رہی۔ اس کے لرزتے ہوئے ہاتھ اور سر کے علاوہ پورا جسم کسی مجسمہ کی مانند خشک ہو چکا تھا۔

اسی طرح ہم سب نے دیکھا کہ جو آشنا افراد کے بقول ہر جگہ مکمل تسلط کے ساتھ روسی زبان میں ترجمہ کرتا تھا یہاں پر کوئی بھی جملہ بغیر لکنت کے ادا نہیں کر سکا البتہ وہ اسے مصنوعی کھنکھار اور سینہ صاف کر کے چھپانا چاہ رہا تھا۔

بہر حال گورباچوف کا پیغام اور ترجمہ ختم ہو گیا۔ اس وقت سب لوگ امام کے جواب اور رد عمل کے منتظر تھے۔ لیکن امام کس طرح جواب دیں گے یہ کسی کے خواب و خیال میں بھی نہیں تھا۔ حاضرین کا پورا وجود سمٹ کر ان کی آنکھوں اور کانوں میں آگیا تھا اور ان کی نگاہیں امام پر تھیں۔ مشرقی سپر پاور کے نمائندے نے ایک بار پھر خود کو ناقابل تصور رویہ کے سامنے پایا۔ حضرت امام نے ایک منٹ کے اندر بغیر تکلف کے صراحتاً تین جملے کہے منجملہ آقائے گورباچوف کے اپنے خط کا بنیادی پیغام نہ سمجھ پانے پر اظہار افسوس کیا۔ مترجم نے جیسے ہی تیسرے حصہ کا ترجمہ شروع کیا، امام اٹھے اور اندرونی کمرے میں چلے گئے۔ ہمیشہ امام کی آمد کے وقت آپ کے عقید تمند آپ کی جانب کھنچے چلے جاتے تھے اور ان کا ہاتھ چومتے تھے لیکن اس دفعہ امام کی آمد و رفت اتنی ہیبت اور سرعت کے ساتھ تھی کہ کوئی اپنا جگہ سے ہل بھی نہیں پایا

اور ظاہر ہے کوئی مصافحہ کے لئے بھی ہاتھ نہیں بڑھا پایا دست بوسی تو دور کی بات ہے۔ البتہ خاک نشیں مومنین جیسے شہداء کی ماؤں کے سامنے اسی امام کے تواضع اور انکساری کو آپ ان کی زندگی کے دوسرے باب میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

اسلامی اتحاد کی اہمیت

شیعہ اور اہل سنت کی مشترکہ آبادی والے ایک شہر کے ممتاز عالم دین نے امام (رہ) کو خط لکھا جس میں انہوں نے اس شہر میں مدرسہ بنانے کے سلسلہ میں مدد کی درخواست کرتے ہوئے خاص طور پر یہ نکتہ تحریر کیا تھا اس شہر میں اہل سنت کا مدرسہ ہے۔ اس نکتہ کا تذکرہ یہ ظاہر کررہا تھا کہ اس متوسط شہر میں درحقیقت دینی مدرسہ کی ضرورت نہیں ہے بلکہ مدرسہ بنانے کی وجہ یہ تھی کہ اس شہر میں اہل سنت کا مدرسہ موجود ہے۔ ان کا خیال تھا کہ اس نکتہ کی جانب توجہ دلانے سے یقیناً امام کی موافقت حاصل ہو جائے گی لیکن جب امام کی خدمت میں خط پہنچا تو آپ نے مضبوط لہجہ میں فرمایا:
ان سے مقابلہ کی صورتحال نہیں پیدا ہونی چاہئے! یہ دلیل کافی نہیں ہے کہ چونکہ ان کا ہے تو ہمارا بھی ہونا چاہئے!
حضرت امام (رہ) نے اس جواب سے دو پیغام دیئے: ایک یہ کہ چھوٹے شہروں میں مدرسہ کی تعمیر کے لئے لازمی سہولیات وضروریات ہونا چاہئے اور دوسرے یہ کہ اگر وہاں پر دوسرے اسلامی فرقوں کے افراد ہیں تو ان سے مقابلہ کی صورتحال پیدا نہیں ہونی چاہئے۔

خاموش جواب!

امام سے عرض کیا گیا کہ فلاں صاحب (امام سے متعلق ایک مشہور شخصیت) نے فون کیا ہے کہ آپ تک یہ بات پہنچا دی جائے کہ آج کویت وسعودی عرب کے خلاف ہونے والے مظاہروں کا انجام دیا جانا مناسب نہیں ہے۔ حضرت امام خاموش رہے، گویا کہ انہوں نے بالکل سنا ہی سنا نہ ہو۔

تحصیل علم کس لئے؟

ایک دن ایک امام جمعہ جنہیں امام پہچانتے تھے اور وہ امام کے شاگرد بھی تھے، نے اس مضمون کا خط امام کے پاس بھیجا :"میں سات سال سے امام جمعہ ہوں اور روزانہ چودہ گھنٹہ کام میں مشغول رہتا ہوں۔ علمی کاموں سے دور ہو گیا ہوں اور جو کچھ پڑھا تھا بھول چکا ہوں۔ آپ اجازت دے دیجئے کہ استعفادے کر دوبارہ حوزہ میں آجاؤں"۔

امام تک خط پہنچایا گیا تو آپ نے فرمایا:

تحصیل علم کا مقصد اسلام و مسلمین کی خدمت ہے اور آپ اس وقت یہ خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اگر آپ کی مشکل یہ ہے کہ آپ درس پڑھنا چاہتے ہیں تو اپنے کام میں مشغول رہیے البتہ ساتھ میں مطالعہ کرنے کی بھی کوشش کیجئے"۔

حضرات طالب علم بنیں

کسی صوبہ کے امام جمعہ نے لکھا کہ ائمہ جمعہ کو دیا جانے والا مختصر شہریہ کفایت نہیں کرتا ہے اور اس کے ذریعہ صرف دفتر کا کرایہ یا ان کے دفتر کے خادم کی تنخواہ ادا کی جاسکتی ہے۔ اس لئے مزید شہریہ کی درخواست ہے۔ حضرت امام نے فرمایا: حضرات طالب علم بنیں۔

سکوت!

ایک عالم دین نے خط کے ذریعہ اجازت مانگی کہ ان کو ملنے والی رقوم شرعی میں سے ستر ہزار تومان لینے کی اجازت دی جائے جس سے وہ کار خرید سکیں۔ امام نے سکوت اختیار کر لیا اور کچھ بھی نہیں کہا جس کا مطلب یہ تھا کہ اجازت نہیں ہے۔

کیاہو گیاہے؟

ایک مشہور شخصیت کے مالک مدرسہ علمیہ کی تعمیر کر رہے تھے۔ انہوں نے خط لکھ کر درخواست کی کہ حضرت امام انہیں رقوم شرعی لینے اور اس کے ذریعہ مدرسہ کی تعمیر مکمل کرنے کی اجازت دے دیں یا اس سلسلہ میں خود مالی تعاون کریں۔ امام نے درخواست کے متعلق کچھ کہے بغیر فرمایا:

"مجھے نہیں معلوم کہ کیاہو گیاہے۔ سبھی لوگ اپنے لئے مدرسہ بناناچاہتے ہیں!!"

گاڑی کی سہولت پر تعجب

امام کے قدیمی شاگردوں میں سے ایک محترم عالم دین نے خط لکھا کہ علما سے مربوط فلاں ادارہ نے ان کے لئے گاڑی منظور کی ہے لیکن میرے پاس پیسہ نہیں ہے۔ عالیجناب!

امام نے تعجب اور ناراضگی کا اظہار کیا کہ علما سے متعلق فلاں ادارہ گاڑی بھی منظور کرتا ہے! اور مذکورہ درخواست کے سلسلہ میں فرمایا:

کیاضروری ہے کہ سب کے پاس گاڑی ہو؟!

کوئی حرج نہیں ہے

۱۹۸۶/۲/۲۵ کو سارے کام انجام دینے کے بعد آپ سے عرض کیا گیا کہ کیا جنگ کے بجٹ سے ان کمانڈروں کے گھر والوں کی مدد کی جاسکتی ہے جو سرحد پر ہیں، کئی مہینہ سے گھر نہیں آئے ہیں اور ان کے گھر والوں کو ضرورت ہے؟

آپ نے فرمایا:

کوئی حرج نہیں ہے۔ اگر وہ سرحد پر نہیں جائیں گے تو جنگ کیسے ہو گی۔

یہ کام کس نے کیا ہے؟

"البیعۃ الواجبۃ علی المسلمین" نامی کتاب کے مصنف نے امام کے پاس یہ کتاب بھیجی۔ مصنف، عرب، ناشناختہ، اہل حجاز اور ظاہراًاہل سنت تھا جس نے اپنے خیال کے مطابق کوشش کی تھی کہ اپنی کتابوں کی روایتوں سے ثابت کرے کہ امام خمینی مہدی موعود ہیں!

مضمون کی مختصر وضاحت کے ساتھ کتاب امام کی خدمت میں پہنچائی گئی۔ امام اتنا غصہ ہوئے جتنا پہلے کبھی نہیں ہوئے تھے اور تیز آواز اور سخت لہجہ میں کہا:

یہ سب کس نے کیا ہے؟!

شرعی ذمہ داری

ایک عالم دین جنہیں امام کی جانب سے رقوم شرعی لینے کی اجازت تھی، کے سلسلہ میں امام تک یہ رپورٹ پہنچی کہ وہ شرعی رقوم کا غلط استعمال کر رہے ہیں۔ امام نے ان کے ذریعہ دی جانے والی ساری رقم کا مجھ سے حساب مانگا۔ میں نے سارا حساب آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

کچھ دنوں کے بعد امام نے سخت لہجہ میں فرمایا: اس سے کہہ دیجئے کہ دس دن کے اندر اپنی پوری زندگی کا حساب پیش کریں۔ انہوں نے کہاں سے خریدی ہے؟

اس کے بعد اسی سخت لہجہ میں مزید فرمایا:

میری شرعی ذمہ داری ہے۔ وہ دس دنوں کے اندر اپنی پوری زندگی کا حساب پیش کریں ورنہ مجھے رد عمل دکھانے پر مجبور ہونا پڑے گا اور پھر ان کی شخصیت اور زندگی ختم ہو جائے گی۔

مجھے نہیں معلوم کہ کس طرح۔۔۔

امام کی جانب سے رقوم شرعی لینے کے سلسلہ میں امام کی ایک جانی پہچانی شخصیت نے کچھ خاص چیزوں کی درخواست کی لیکن امام نے "مجھے نہیں معلوم کہ وہ کس طرح۔۔۔۔۔" کہہ کر انہیں منفی جواب دے دیا۔ جبکہ امام کو ان سے دیرینہ لگاؤ تھا۔ اپنے انقلابی ماضی کی وجہ سے وہ امام کے محبوب تھے اور انہوں نے جس چیز کی درخواست کی تھی وہ جائز

تھی لیکن چونکہ امام کو پہلے سے معلوم ہو چکا تھا کہ وہ شرعی رقوم خرچ کرنے میں محتاط نہیں ہیں اس لئے امام نے مذکورہ جملہ کے ساتھ سختی سے ان کی بات رد کر دی۔

واجب نہیں ہے!

امام کی بیٹی "ڈاکٹر زہرا مصطفوی" سے گھر میں محرم و نامحرم کی رعایت کے سلسلہ میں امام کے طرز عمل کی گفتگو ہو رہی تھی۔ انہوں نے نقل کیا کہ میں تقریباً ۱۳ سال کی تھی اور ہماری بہن کی "آقائے اشراقی" کے ساتھ جلدی ہی شادی ہوئی تھی۔ آقائے اشراقی نے ایک چھٹی کے دن ہم لوگوں کی اپنے باغ میں دعوت کی۔ جب ہم باغ میں داخل ہوئے تو آقائے اشراقی ہمارے استقبال کے لئے آرہے تھے۔ میں نے امام سے پوچھا کہ کیا میں آقائے اشراقی کو سلام کروں؟ امام نے فرمایا: "واجب نہیں ہے!" میں نے کہا: "مجھے سلام نہ کرکے شرمندگی ہوگی"۔ امام نے درختوں کی طرف اشارہ کیا کہ ان کے درمیان چل کر میں اپنے بہنوئی سے روبرو ہونے سے محفوظ ہو جاؤں۔ اس طرح سلام نہ کرنے کا مسئلہ ہی سامنے نہیں آئے گا۔ میں نے ایسا ہی کیا۔

محترمہ مصطفوی نے امام کے اس طریقہ کار پر بھی تاکید کی کہ امام کا اصول یہ تھا کہ گھر میں محرم اور نامحرم یکجا نہ ہوں۔ جب گھر میں نامحرم عورت مرد جیسے داماد اور پوتے نواسے ہوتے تھے تو مردوں اور عورتوں کا دستر خوان الگ الگ بچھتا تھا۔

لڑکی بہت اچھی ہے!

۱۹۸۴ کے موسم سرما میں خدا نے مجھے ایک بیٹی عنایت فرمائی۔ ولادت کے کچھ دنوں بعد اس کی والدہ اسے امام کے گھر لائیں۔ روزمرہ کے امور انجام دینے کے بعد میں امام کے پاس سے باہر آگیا اور بچی کو لے کر دوبارہ ان کی خدمت میں گیا۔ صحن کے زینہ سے اوپر چڑھ رہا تھا کہ امام کی نظر حقیر پر پڑی۔ کم نظیر تبسم اور خوشی کے ساتھ مجھے اذن دخول دیا۔ میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی فرمایا:

تمارا بچہ ہے؟

میں نے کہا، جی! آپ نے اپنے دونوں ہاتھ بڑھاتے ہوئے پوچھا:

بیٹی ہے یا بیٹا؟

میں نے کہا: بیٹی ہے۔

آپ نے اسے آغوش میں لیا، اپنا چہرہ اس کے چہرہ پر رکھ دیا اور اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا: لڑکی بہت اچھی ہے۔ لڑکی بہت اچھی ہے۔ لڑکی بہت اچھی ہے!

اس کے کان میں دعا پڑھی۔ اس کے بعد اس کا نام پوچھا۔ میں نے کہا: "حضور ہم نے ابھی اس کا نام نہیں رکھا ہے تاکہ آپ نام انتخاب فرمائیں"۔

حضرت امام نے بلا فاصلہ فرمایا:

فاطمہ بہت اچھا ہے۔ فاطمہ بہت اچھا ہے۔ فاطمہ بہت اچھا ہے۔

اس نکتہ کی جانب متوجہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ امام کی ایک خاص صفت جو ان کی حکمت اور پرہیز گاری کا مظہر تھی، خاموشی اور ضرورت کے مطابق گفتگو تھی۔ اسی وجہ سے اکثر دیکھنے میں آتا تھا کہ مثلاً حضرت امام نجف میں آدھا گھنٹہ عمومی ملاقات کے لئے بیرونی کمرہ میں تشریف لاتے تھے اور سوائے "سلام علیکم" اور "مساکم اللہ بالخیر" کے پورا جلسہ خاموشی کے ساتھ گزر جاتا تھا۔

جماران میں جتنے برس آپ کی خدمت میں جاتا رہا اور بیس منٹ سے لے کر پچاس منٹ تک آپ کے پاس ٹھہرتا تھا لیکن مجھے یاد نہیں ہے کہ میں نے اس دوران کبھی آپ سے حتی کوئی غیر ضروری لفظ بھی سنا ہو۔ آپ سے بہت سوچ سمجھ کر سوال پوچھے جاتے تھے، جن افراد کی آپ سے نشست و برخاست ہوتی تھی یا جن کو آپ سے کام رہتا تھا وہ بہت جلدی سمجھ جاتے تھے کہ آپ کے سامنے غیر ضروری چیزوں کو پیش نہیں کرنا چاہئے۔ جبکہ بہت سے سوالوں کے جواب میں آپ خاموش رہتے تھے یا ایک نگاہ، اشارہ، ایک لفظ اور کبھی ایک جملہ سے جواب دیتے تھے۔ کبھی ان میں سے دو تین روشیں ملا کر اور تبسم یا اظہار ناراضگی کے ساتھ جواب دیتے تھے۔ خدائی علم و حکمت سے سرشار اس الٰہی شخصیت کی زبان سے نکلنے والے یہ سارے جواب اپنا مخصوص پیغام رکھتے تھے۔ "یوتی الحکمۃ من یشاء و من یوتی الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا" (بقرہ۲٦۹)

اس سب کے علاوہ امام کے لب و لہجہ اور الفاظ پر تاکید اور ان کے اتار چڑھاؤ سے بھی امام کے جواب، ان کی توجہ یا بے توجہی کو محسوس کیا جاسکتا تھا۔ بہر حال آپ کی سیرت کم سے کم الفاظ پر اکتفا کرنا اور گفتگو میں کفایت شعاری سے کام لینا تھی۔ جملہ "لڑکی بہت اچھی ہے" اور "فاطمہ بہت اچھا نام ہے" وہ بطور عمومی کہ گویا خطاب "مطلق" ہے اور مخاطب

تمام افراد ہیں، اور ان جملوں کو تین بار تکرار یقینا ایک سوچا سمجھا عمل تھا جس کا سرچشمہ مستحکم عقائد اور ثقافت تھی اور مقصد اسلامی معاشرہ میں اس عقیدہ اور ثقافت کی ترویج۔ بیٹی پر تاکید، زمانۂ جاہلیت اور ماڈرن زندگی کے افکار سے مقابلہ کرنے لئے اور "فاطمہ "نام پر تاکید مسلمان عورت کے بہترین آئیڈ ئیل کو از سر نو زندہ کرنے کے لئے۔

علی سے بہتر کیا ہو سکتا ہے؟

گذشتہ واقعہ کے سلسلہ میں امام کے حکیمانہ رویہ کو مزید واضح کرنے کے لئے اپنے دوسرے فرزند کا تذکرہ کرنا مناسب ہے۔

۱۹۸۶/ ۲/ ۶ جمعرات کے دن یعنی تقریبا ایک سال بعد میں اسے امام کی خدمت میں لے گیا۔ اس دفعہ آپ نے گذشتہ رویہ نہیں اپنایا جبکہ میں دوزانو ہو کر بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے بیٹا آپ کے ہاتھوں میں دیا اور امام نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ میں نے عرض کیا: "یہ ہماری چوتھی اولاد ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ حضور اس کا نام انتخاب فرمائیں۔ ویسے ہمارے گھر میں علی نام کا کوئی نہیں ہے"

امام نے مسکراتے ہوئے فرمایا:

علی سے بہتر کیا ہو سکتا ہے ؟اس کا نام علی ہے۔

اس کے بعد اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ اس طرح آپ کا رویہ گذشتہ رویہ سے بالکل مختلف تھا۔

مجھے بہت اچھا نہیں لگتا ہے!

ایک انتہائی محترم شخص جو دفتر امام (رہ) کے اصلی ذمہ داروں میں سے تھے۔ انہوں نے کافی پہلے سے نوروز کی تعطیلات میں بیرون ملک سفر کی تیاریاں کرلی تھیں۔ اپنا اور اپنے اہل وعیال کا ویزا اور ٹکٹ لینے کے بعد وہ سال کے پہلے دن امام کے پاس آئے اور عرض کیا: میں آپ کی اجازت سے کل صبح عمرہ کے لئے جارہا ہوں۔

حضرت امام نے مختصر وقفہ اور تامل کے بعد خاص لہجہ میں فرمایا:

التماس دعا

جیسے آپ کے چہرہ اور لہجہ سے ناخشنودی محسوس ہو رہی تھی۔ اس لئے انہوں نے عرض کیا: اگر آپ اجازت نہیں دیں گے تو نہیں جاؤں گا۔

حضرت امام نے تھوڑا ٹھہر کر انتہائی محبت آمیز لہجہ میں فرمایا:

مجھے بہت اچھا نہیں لگتا ہے کہ آپ زیادہ سفر پر جائیں۔ لیکن بہر حال! التماس دعا!

ہم امام کے پاس سے واپس آگئے۔ مذکورہ شخص گھنٹوں کشمکش میں رہنے کے بعد شام کے وقت سفر منسوخ کر کے اگلی صبح دفتر آگئے۔ میرا خیال تھا کہ امام نے سفر سے منع نہیں کیا تھا اور صرف یہ جملہ کہہ کر اپنی ناخشنودی ظاہر کی تھی کہ "مجھے اچھا نہیں لگتا ہے" مزید یہ کہ ان کے اہل و عیال بھی سفر کی تیاری کر چکے تھے اور بچوں کو سفر کی تیار کے بعد سفر پر نہ لے جانا بہت مشکل کام ہے، اس لئے میں سوچ رہا تھا کہ جب کل صبح وہ آیں گے تو جیسے ہی ان پر امام کی نظر پڑے گی وہ ان کے فیصلہ سے ناراض ہوں گے اور بہر حال حالات کے پیش نظر اس سفر کو مستثنیٰ سمجھیں گے۔ لیکن جب صبح ہم امام کی خدمت میں پہنچے تو گویا جیسے کل ہمارے درمیان کوئی گفتگو ہوئی ہی نہیں اور امام نے ان کے سفر منسوخ کرنے کے سلسلہ میں کوئی رد عمل نہیں دکھایا! اب ہمیں سوچنا چاہئے کہ جن جگہوں پر امام واضح اور مکرر طور پر کسی کام سے منع کرتے تھے اور اس کے باوجود وہ کام انجام پاجاتا ہوگا تو امام کے پاکیزہ قلب کو کتنی تکلیف ہوتی ہوگی اور آپ کتنا رنجیدہ خاطر ہوتے ہوں گے۔

"بفرمائید" کی جگہ "بسم اللہ"

حضرت امام انتہائی معمولی اور باریک جگہوں پر بھی نہ صرف یہ کہ واجبات و محرمات کے پابند تھے بلکہ مستحب آداب و سنن کے سلسلہ میں بھی آپ کا یہی رویہ تھا۔ بلکہ اس سے بالاتر یہ کہ آپ مباحات اور مستحبات کے درمیان بہتر کا انتخاب کرتے تھے اور مستحبات پر عمل کرتے تھے۔ مجموعی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ ان کی زندگی مکمل طور پر اسلامی تہذیب کا مجسم نمونہ تھی۔ مثلاً سیکڑوں بار ایسا ہوا کہ آپ کے کمرے میں جانے کے لئے دق الباب کرنا پڑا۔ ایسے موقع پر تشریف لائیے کی جگہ "بسم اللہ" کہتے تھے۔ جبکہ "تشریف لائیے" رائج لفظ ہے۔ لیکن آپ اس کی جگہ بسم اللہ کہتے تھے جس سے ذکر خدا کے ساتھ اذن ورود اور آغاز ملاقات کو نام خدا کے ہمراہ کر دیتے تھے۔

امام کی یہی خدائی راہ وروش تھی جو معاشرے کو اسلامی شعائر و اقدار کی جانب لے گئی اور معمولی جگہوں پر بھی اسلامی تہذیب نظر آنے لگی۔ ان کے پیروکاروں اور عقیدتمندوں نے تعریف و تائید کے موقعوں پر تالی بجانے کے بجائے

تکبیر اور صلوات کو اختیار کیا اور شکریہ کے لے غیر زبان کے لفظ "مرسی" کی جگہ "الحمدللہ" کہنے کے پابند ہو گئے وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح ذکر خدا، حمد خدا اور صلوات بر محمد و آل محمد علیھم السلام نے مباح کاموں اور اغیار کی تہذیب سے ماخوذ الفاظ کی جگہ لے لی۔

چھٹا باب

دوطرفہ عشق و محبت

مثنوی عشاق

انسانوں کے ساتھ محبت ولگاؤ کے تئیں امام خمینی کا معیار چونکہ خدا کے ساتھ عشق و محبت تھا اس لئے طبیعی طور پر ان کی محبت وارادت تمام افراد کے ساتھ یکساں نہیں تھی۔ بات جب خدا کے نیک، مومن اور محبوب بندوں کی ہوتی تھی تو ان کے ساتھ آپ کی محبت ان کے ایمان اور خلوص کے مقابلہ میں دوسروں سے زیادہ ہوتی تھی۔ اس لحاظ سے اگر امام خمینی اور ان کی امت کے درمیان دوطرفہ عشق کی بات کی جائے تو اس کی داستان اتنی مفصل ہے کہ ہزاروں اوراق بھی اسے اپنے دامن میں نہیں سمیٹ سکتے کیونکہ یہ دونوں (امام وامت) خدا کے عشق میں غرق تھے

اسلامی انقلاب کے دس سال بعد تک امام خمینی کے دفتر میں ان کی عاشق امت کی طرف سے لاکھوں خطوط ارسال ہوئے جن میں سے ہر ایک "عشق کی ایک غزل" "محبت کا قصیدہ" اور "معرفت کا ایک دیوان" تھا اور امام خمینی نے ہر خاص و عام کے نامہ عشق کا جواب دے کر اسے "امام و امت" کے درمیان وجود میں آنے والی ایک "مثنوی وحدت" میں تبدیل کر دیا۔

ان پاکیزہ نفس عاشقوں کی مثنوی جسے نہ ستر من کاغذ اپنے دامن میں سمیٹ سکتے ہیں اور نہ مجھ جیسے ستر ہزار افراد اس کے ادراک وبیان کی سکت رکھتے ہیں لیکن

آب دریاراا گر نتوان کشید
ھم بقدر تشنگی باید چشید

سمندر کے پانی کو اگر سمیٹنا ناممکن ہے تو اتنا ضرور حاصل کیا جا سکتا ہے کہ جس سے پیاس بجھ جائے۔

یہاں نمونہ کے طور اس دریائے بیکراں کے چند قطروں اور امام امت کے درمیان ردو بدل ہونے والے چند خطوط کو آپ کے سامنے پیش کیا جارہا ہے:

ایک شہید کی ماں کا خط

حضرت امام خمینی کی خدمت میں

سلام علیکم

اسلامی جمہوریہ ایران کے رہبر کبیر اور شہدائے انقلاب کی خدمت میں درود و سلام کے ساتھ۔

میں گلابی پور حسین؛شہید کی ماں اور ایک دیہاتی عورت ہوں مدت سے آرزو تھی کہ قریب سے اپنے عظیم الشان امام کی زیارت کروں لیکن میری یہ آرزو پوری نہ ہو سکی بہر حال آپ کی زیارت کی امیدوار ہوں۔ اپنے ہاتھوں سے بنایا ہوا ایک تحفہ (رومال) آپ کی خدمت میں ارسال کر رہی ہوں اسے استعمال کیجئے گا۔

اے امام عزیز آپ کی زیارت سے تو مشرف نہ ہو سکی اس لئے گزارش ہے کہ اپنے ہاتھ سے چند کلمات لکھ کر ارسال فرمائیں تا کہ آپ کے دستخط کو دیکھ کر ہی اپنی آرزو پوری کرلوں۔ امید کرتی ہوں کہ خداوند منان آپ کا سایہ ہم پر اور پوری دنیا پر دراز فرمائے۔ مجاہدین اسلام کی جلد از جلد کامیابی اور صدام وصدامیوں کی نابودی کی امید کے ساتھ۔

گلابی پور حسین 9 ستمبر 1984

امام کا جواب

باسمہ تعالیٰ

معزز خاتون آپ کا خط اور تحفہ دونوں موصول ہوئے امید کرتا ہوں کہ خدا آپ کے شہید کو جو کہ اسلام کے لئے ہدیہ تھا شہدائے کربلا کے ساتھ محشور فرمائے اور آپ کو اور تمام پسماندگان کو صبر اور اجر عنایت فرمائے۔

روح اللہ الموسوی الخمینی

17 ذی الحجہ 1404ھ

ایک شہید کے اہل خانہ کا خط

باسمہ تعالیٰ

اسلامی انقلاب کے عظیم قائد آیۃ اللہ العظمیٰ امام خمینی کی خدمت اقدس میں

سلام علیکم

ایک شہید کے غم میں داغدار گھرانے کی طرف سے مہربان اور بیدار امام کی خدمت میں سلام عرض ہے۔ اے شہدا کے افراد خانہ کے عزیز۔ اے وہ کہ جس کا نام سوختہ دل ماؤں اور سوگ میں بیٹھے والے والدین کے لئے تسلی بخش ہے؛ جان لیں کہ ہم نہ صرف ناخوش نہیں بلکہ ہماری زندگی کے بہترین لمحات وہ تھے جب ہم نے اپنے عزیز کی شہادت

کی خبر سنی اور شہدا کی افراد خانہ کی فہرست میں شامل ہو گئے۔ آپ سے گزارش ہے اپنے ہاتھ کی تحریر اور دستخط یاد گار اور تبرک کے طور اس گھرانے کے لئے ارسال کیجئے آپ کے جواب کے منتظر۔

امام کا جواب

باسمہ تعالیٰ

میں آپ جیسے شجاع اور ذمہ دار شہید پرور افراد پر فخر کرتا ہوں۔ خداوند عالم آپ کے عزیز و شہید پر رحمت نازل فرمائے، آپ کو اور دیگر پسماندگان کو صبر و سعادت عطا فرمائے۔

روح اللہ الموسوی الخمینی

عراق میں قیدی ایک جوان کی ماں کا خط

باسمہ تعالیٰ

امام خمینی کے دفتر کے سربراہ کی خدمت میں

سلام علیکم

آپ کی خدمت میں سلام اور کامیابی کی آرزو کے ساتھ۔ میرا بیٹا آٹھ ماہ سے کافر صدامیوں کی قید میں ہے۔ حال ہی میں اس نے ایک خط میں لکھا ہے کہ میرا دل اپنے دادا آقا موسوی کے لئے کافی اداس ہے۔ ہمارے لئے یہاں سے امام کی تصویر یا پوسٹر وغیرہ بھیجنا مشکل ہے اس لئے آپ سے گزارش ہے کہ اگر ممکن ہو سکے تو یہ خط امام کی خدمت میں ارسال کیجئے تاکہ وہ ہمارے اس عزیز کی تسلی اور تبرک کے لئے جو عراق کے تاریک اور نمناک قید خانہ میں بند ہے اپنے ہاتھ سے چند سطریں رقم فرمائیں۔ آخر میں معذرت کے ساتھ گزارش ہے کہ خط کا اختتام دادا آقا موسوی کے دستخط کے ساتھ ہو۔ خدایا! انقلاب امام مہدی تک امام خمینی کو زندہ و سلامت رکھ ہماری عمریں گھٹا کر ان کی عمر دراز فرما۔ آمین یا رب العالمین

ایک اسیر کی ماں

اسیر بیٹے کے خط کا ایک اقتباس

...... میرا دل آپ سب کے لئے اداس ہے لیکن کسی کے لئے میرا دل بہت زیادہ اداس ہے نہیں معلوم کیوں؟ جس کے لئے میرا دل کتنا اداس ہے وہ ہیں میرے دادا آقا موسوی.....

امام کا جواب

باسمہ تعالیٰ

میرے عزیز بیٹے! آپ کا خط موصول ہوا۔ امید کرتا ہوں آپ بہت جلد رہائی پائیں گے ہم آپ کے لئے کافی فکر مند ہیں لیکن خدا بڑا ہے انشاء اللہ سرافراز رہیں۔ صبر کیجئے کیونکہ خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

والسلام

آپ کا دادا

عراق سے ایک دوسرے اسیر کا خط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللھمّ ایاک نعبد وایاک نستعین

اے عزیز جان سلام! یہ خط میں دادا جان کے لئے لکھ رہا ہوں۔ اے میرے عزیز میرے ہادی، میرے علم و دانش کے سبب، میرے خدا کی روح کے حامل

سلام علیکم

اگرچہ آپ کی معرفت مشکل ہے لیکن یہ چند سطریں آپ کے قلب مبارک کی خدمت میں۔ میں نے کئی چیزوں سے آپ کے بارے میں پوچھا۔ پہاڑ سے پوچھا تو بولا: مجھ سے زیادہ مستحکم ہیں؛ دریا سے پوچھا تو بولا: مجھ سے زیادہ جوشیلے ؛سورج سے پوچھا تو گویا ہوا: مجھ سے زیادہ روشنی بخش۔ کبھی تواضع و انکساری کے ساتھ اپنا سر تیرے دامن میں رکھا تو تو نے اپنے ان بیٹوں سے کہا: اگر ہم کسی لائق ہوں تو میں تمہارے دست و بازو کو بوسہ دوں گا۔ جانتے ہیں اس طرح شاعرانہ گفتگو کیوں کر رہا ہوں۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ پروانے شمع کے گرد کس طرح چکر لگاتے ہیں کیونکہ اسے صرف وصال نور کی تمنا ہوتی ہے۔ اس وقت میرا حال بھی کچھ ایسا ہی ہے میرا دل ایک ایسی مسکراہٹ کی یاد سے معمور ہے جس

سے بہت دور ہوں لیکن مجھے صاف نظر آتا ہے کہ اگر آپ کے آقا و مولا چاہیں تو شاید بہت جلد ہی آپ کے حسن کا دیدار کریں اور اگر یہ دیدار و وصال حاصل نہ ہو سکا تو حوض کوثر پر آپ کی ماں کے حضور میں ملاقات ہو گی۔ انشاءاللہ

خداحافظ۔ التماس دعا (ہمیں معاف فرمایئے گا)

13 ستمبر 1987

امام کا جواب

باسمہ تعالیٰ

میرے بیٹے! آپ کا خط موصول ہوا جس سے آپ کی خیریت و سلامتی کا پتہ چلا ایک طرف سے خوشی ہوئی اور دوسری طرف سے غم و اندوہ۔ عزیز! ہم بخیر و سلامت ہیں اور آپ کے لئے نیز اسارت میں موجود آپ کے تمام دوستوں کے لئے دعا کرتے ہیں۔ فکر مند نہ ہوں خدا کے دوستوں کے لئے اس طرح کی مشکلات ہمیشہ رہی ہیں اور یہ خدا کی بارگاہ میں بلند درجہ ہے اور اس کی رحمت کا باعث ہے امید کرتا ہوں کہ بہت جلد صحیح و سالم وطن واپسی ہو گی اپنے دوستوں کو میرا سلام کہئیے گا خدا آپ لوگوں کو صبر و اجر عنایت فرمائے۔

عبداللہ

ایک شہید کے بیٹے کا خط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہمارے عزیز اور نیک نام قائد و رہبر

سلام علیکم

امید ہے کہ آپ انشاء اللہ بخیر ہوں گے کیونکہ اگر بخیر ہوں گے تو یہ ہمارے لئے خوشی کا باعث ہو گا۔ دو سال سے شہید فاونڈیشن کی جانب سے شہدا اور اسیروں کے بچوں کے لئے ملکی سطح پر پکنک کا انتظام کیا جاتا ہے ہر بار ہمیں آپ کی زیارت کا اشتیاق ہوتا ہے لیکن ہمارا یہ شوق پورا نہیں ہو سکا ہے اس سال بھی ہمیں پکنک پر لے جایا جا رہا ہے آپ ہمارے مہربان روحانی باپ ہیں اس لئے آپ سے تقاضا کرتے ہیں کہ ہمارے لئے کوئی پیغام بھیجئے اور کچھ نصیحت کیجئے کہ ہمیں اپنے شہید والد کے بعد کیا کرنا چاہئے اور معاشرے کی کس طرح خدمت کرنا چاہئے۔

خدا آپ کا محافظ ہے امید ہے کہ ایک دن انشاء اللہ آپ کی زیارت کا شوق بھی پورا ہو گا۔

خدایا خدایا تا انقلاب مہدی زندہ رہے خمینی

ایک شہید کا بیٹا۔ جس کی یہ آرزو پکنک میں شریک تمام افراد کی طرف سے ہے۔

امام کا جواب

باسمہ تعالیٰ

میرے عزیز بیٹے!

آپ کا عشق و محبت سے لبریز خط جو آپ نے اپنی اور دیگر شہداء، اسرا اور مفقود الجسد افراد کے بچوں کی جانب سے لکھا ہے موصول ہوا جسے پڑھ کر دل مسرور ہوا۔ امید کرتا ہوں کہ آپ بچے جو کہ خدا اور اسلام کی راہ میں فداکاری کرنے والے افراد کی اولاد ہیں اپنے بزرگوں کی طرح خود کو اسلام عزیز اور وطن عزیز کے دفاع کے لئے آمادہ کریں اور علم و ادب کے حصول نیز انسانی کمالات اور اسلامی اخلاق سے مزین ہو کر اسلام اور ملک کے نیک بچے بنیں۔

آپ کے سر سے اگرچہ باپ کا سایہ اٹھ چکا ہے لیکن جان لیں کہ آپ پیغمبر اعظم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی اولاد ہیں۔ انشاء اللہ خدا کی راہ میں کامیاب و کامران رہیں۔ اپنے رشتہ داروں بطور خاص اپنی غمزدہ ماؤں کے ساتھ نیک برتاؤ کیجئے خداوند منان سے آپ کی سلامتی، شہدا کے لئے رحمت اور اسرا و مفقودین کے لئے سلامتی و رہائی کا طالب ہوں۔

والسلام علیکم

شوال 1405ھ

روح اللہ الموسوی الخمینی

ایک جنگی مجروح کا خط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محرومین عالم کی کشتی کے ناخدا، انقلاب اسلامی کے رہبر کبیر حضرت امام خمینی مد ظلہ العالی کی خدمت اقدس میں!

حقیر سعید پور سراج ابن کاظم شہر شوستر کا رہنے والا ہوں اور جنابعالی سے ایک مسئلہ دریافت کرنا چاہتا ہوں امید ہے کہ جواب مرحمت فرمائیں گے اور اس بات کے لئے معذرت خواہ ہوں کہ آپ کا قیمتی وقت لے رہا ہوں۔

امام عزیز! میں 19 سال کا ہوں اور ایک مذہبی گھرانے میں رہتا ہوں۔ آغاز جنگ سے کئی بار حق کے محاذ پر شرکت کر چکا ہوں آخری بار جب آپریشن والفجر میں شرکت کی تو میری بائیں ٹانگ گھٹنے سے کٹ کر الگ ہو گئی لیکن محاذ کا عشق مجھے آرام سے بیٹھنے نہیں دیتا۔ کچھ عرصہ قبل کافی تگ دو کے بعد مجھے دعا وغیرہ پڑھنے کے لئے محاذ پر جانے کی اجازت ملی وہاں میں نے کافی کوشش کی اور بھائیوں سے التماس کی کہ مجھے صف اول میں شرکت کی اجازت دیں لیکن اجازت نہ مل سکی۔ آپ چونکہ سپریم کمانڈر ہیں اس لئے آپ سے مسئلہ دریافت کرنا مناسب سمجھا کہ ایسے میں، میں کیا کروں میری بے چینی اس وقت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب میں دیکھتا ہوں ہر دن میرا کوئی نہ کوئی ساتھی میری نگاہوں کے سامنے شہید ہو رہا ہے ہر دن میں اپنے ساتھیوں کو کھو رہا ہوں اور اس بات سے ڈرتا ہوں کہ مجھے شہر میں یا بستر پر موت نہ آجائے شہادت کا عاشق ہوں اور چاہتا ہوں کہ اپنے دوستوں کے ساتھ اس قافلہ عشق و شہادت میں شریک ہو جاؤں۔ امید کرتا ہوں میرے لئے جو بہتر ہو گا وہی جواب مرحمت فرمائیں گے۔

نیز اگر صف اول میں لڑنے جاوں اور مجھ سے کچھ بن پائے تو کیا میں اس میں شریک ہو سکتا ہوں اور اگر شرکت کرنے کے بعد مارا جاؤں تو کیا میں شہید کہلاؤں گا؟ ایک گزارش یہ بھی ہے کہ جواب اپنے دست مبارک سے بطور خلاصہ تحریر فرمائیں اور اس خط میں ہمیں نصیحت بھی ضرور فرمائیں۔

ایک ایسا عاشق جو اس وقت تک آپ کو نہیں بھولے گا جب تک اس کی رگوں میں خون ہے اور جس کا دل ہمیشہ آپ کے لئے ڈھڑکتا ہے۔

سعید پور سراج

امام کا جواب

باسمہ تعالیٰ

عزیز بیٹے! خداوند منان سے میری دعا ہے کہ آپ کو شہدائے اسلام کے ساتھ محشور فرمائے۔ آپ نے اسلام کی راہ میں جان اور سلامتی کی بازی لگائی ہے اس لئے آپ کا شمار بھی شہدا میں ہے۔ آپ نے اسلام کے تئیں اپنے حق کی ادائگی کر دی ہے محاذ پر نہ جاسکنے کے لئے بھی غمگین نہ ہوں۔ انشاء اللہ خداوند متعال آپ کی حفاظت فرمائے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

شوال 1405ھ

روح اللہ الموسوی الخمینی

فاطمیہ مڈل اسکول کی پانچویں جماعت کی طالبات کا خط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہمارے عزیز اور عظیم امام، خمینی روح اللہ کی خدمت میں سلام۔

پیارے امام ہم فاطمیہ مڈل اسکول میں پانچویں جماعت کی طالبات ہیں۔ہماری دینیات کی کتاب میں امام محمد تقی علیہ السلام کا ایک خط ہے جس میں آپ نے سیستان میں اپنے گورنر کو نصیحت فرمائی ہے اس لئے ہم نے بھی سوچا کہ آپ کو خط لکھ کر نصیحت کی جائے لیکن اے ہمارے امام ہم آپ کو نصیحت نہیں کرسکتے کیونکہ آپ بہت عظیم ہیں اور تمام گناہوں سے منزہ ہیں۔آپ وہ بت شکن ہیں جن کی چالیس سال سے نماز شب قضا نہیں ہوئی ہے اے وہ عظیم انسان جس نے ہمیں برائیوں، فساد اور بے ایمانیوں کے دلدل سے نکالا ہم محرم وصفر کے ان ایام میں عزادار ہیں اس لئے زیادہ نہیں ہنستے اور سینہ زنی ونوحہ خوانی کرتے ہیں کیونکہ اس بارے میں آپ نے ہمیں تلقین فرمائی ہے۔

اے امام عزیز! کتنا اچھا ہوتا اگر ہم قریب سے آپ کی زیارت کرسکتے لیکن پھر بھی خدا کے شکر گزار ہیں کہ اس نے ہمیں اس لائق بنایا کہ آپ کو خط لکھ سکیں۔

اے ہماری جان سے زیادہ عزیز خمینی! آپ ہم سب بچوں کے باپ ہیں۔اے ہمارے روحانی باپ ہم آپ کو زمین پر بکھرے ہوئے ریت کے ذرات، سمندروں میں موجود پانی کے قطرات، آسمان میں حرکت کرتے ہوئے بادلوں جتنا چاہتے ہیں۔لیکن کاش! ہمارے اسکول کے ذمہ دار افراد آپ کے ساتھ ہماری ملاقات کا بھی بندوبست کرتے۔اے وہ کہ جس کی تعریف صرف خدا کرسکتا ہے ہمیں پوری امید ہے کہ پوری عمر میں ایک بار ہی سہی آپ کی زیارت ضرور کریں گے۔

اے ہمارے عزیز امام!

اس بات پر ناراض نہ ہوئیے گا کہ ہم نے آپ کی تعریف کی ہے قسم خدا کی قلم آپ کی توصیف میں خود رواں دواں ہے اور اسے روکنا بھی مشکل ہے۔اے امام! ہم بچپن سے ہی نماز پڑھتے ہیں، سر پر مقنعہ اوڑھتے ہیں، ظالم امریکہ اور کثیف سوویت یونین کے ساتھ مقابلہ کے لئے ہم سے جہاں تک ہوسکتا ہے اپنی کاپی کا ورق تک نہیں پھارتے۔

اے امام! اگرچہ دل نہیں چاہتا کہ یہ خط یہیں پر ختم ہو لیکن اپنی آخری بات لکھنا چاہتے ہیں کہ آپ اس قلم کی مانند ہیں جس کی ہمیشہ یہی کوشش رہی ہے کہ صفحہ دل پر خدا کا نام لکھے

اے امام عزیز! ہم بچے دل کی گہرائیوں کے ساتھ آپ سے تین چیزیں کہنا چاہتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ ہم میں وہ لیاقت ہوگی کہ ہمیں وہ چیزیں مل سکیں۔

اے ہمارے روحانی باپ! اے پیر جماران، اے روح خدا، سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ آپ اپنے ہاتھ سے خط کا جواب تحریر فرمائیں اور اس میں ہمیں اور ہمارے اساتذہ کو نصیحت فرمائیں۔

دوسرے یہ کہ ہمیں اپنی ایک تصویر بھیجئے جس پر آپ کی دستخط بھی ہو۔

اور آخر میں یہ کہ اے امام! ہم سب آپ کی زندگی کے ایک ایک لمحے پر فدا ہو جائیں ۔اے ہمارے عزیز رہبر ہم مسلمان جس کی قدر و قیمت نہیں جانتے۔

اے خمینی عزیز! ہم پر اشتیاق آنکھوں کے ساتھ آپ کے جواب کے منتظر ہیں۔

اور اے پست صفت صدام! اے بے حیا ریگن جان لو کہ خون تلوار پر فتح یاب ہو گا اور یہ ہمارے امام روح اللہ کا فرمان ہے۔

اے خدا، اے پروردگار امام زمانہ کے قیام تک امام خمینی کو زندہ و سلامت رکھ ہماری عمریں کم کر کے ہمارے امام کی عمر میں اضافہ فرما، منافقین کو صفحہ ہستی سے نابود فرما۔ ستارے ڈوب چکے ہیں اب سورج کو باقی رکھ۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امام کا جواب

میرے پیارے بچو! میں نے آپ کا محبت سے لبریز خط پڑھا، کاش آپ بچے مجھے نصیحت کرتے کیونکہ مجھے اس کی ضرورت ہے، امید کرتا ہوں کہ پوری لگن اور جذبہ کے ساتھ پڑھائی کریں اور ہر حال میں انسان ساز اسلامی احکام پر عمل کریں ،اچھا اخلاق اپنائیں اور اپنے والدین کی خدمت اور اطاعت کو غنیمت سمجھیں۔ اپنے ساتذہ کا بہت زیادہ احترام کریں، کوشش کریں اسلام، اسلامی جمہوریہ اور اپنے ملک کے لئے فائدہ مند ثابت ہوں۔

آپ بچوں کے لے جو کہ میری آنکھوں کا نور ہیں، بلندی، سلامتی، سعادت اور علم و عمل میں ترقی کا طلبگار ہوں۔ سلام ہو آپ سب پر

29صفر1403ھ

روح اللہ الموسوی الخمینی

ایک بچی کا خط

باسمہ تعالیٰ

رہبر کبیر انقلاب آیۃ اللہ العظمیٰ امام خمینی کی خدمت میں

سلام علیکم

اگر چہ میرا قلم آپ جیسے فرزند رسول (ص) کے لئے خط لکھنے سے قاصر ہے لیکن معذرت خواہ ہوں کہ اس کے باوجود میں نے آپ کو خط لکھنے کی جرائت کی ہے۔

امام عزیز! یہ ناچیز تحفہ آپ کی خدمت میں ارسال کر رہی ہوں امید ہے قبول فرمائیں گے۔ خداوند متعال انشاء اللہ امام زمانہ (عج) کے ظہور تک آپ کی عمر دراز فرمائے۔ امید کرتی ہوں کہ اس دنیا میں ہمیں اپنی شفاعت سے محروم نہیں فرمائیں گے۔ اے امام عزیز! میرے خط کا جواب اپنے ہاتھوں سے تحریر فرمایئے گا تاکہ میں مطمئن ہو جاؤں کہ یہ ناچیز تحفہ آپ تک پہونچ گیاہے۔

اس سے زیادہ آپ کا قیمتی وقت نہیں لوں گی۔ ایک گزارش ہے کہ دعا کیجئے خدا مجھے اور سب کو دین اسلام کی خدمت کی توفیق عنایت فرمائے۔

والسلام۔ التماس دعا

آپ کی بیٹی، عاملی

امام کا جواب

باسمہ تعالیٰ

میری بیٹی!

آپ کا تحفہ موصول ہوا جس کے لئے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں انشاء اللہ کامیاب و کامران و سعادتمند ہوں۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

روح اللہ الموسوی الخمینی

ایک بارہ سالہ طالب علم کا خط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سلام علیکم

اے عزیز امام! اے عظیم قائد! امید کرتا ہوں کہ آپ بخیر و عافیت ہوں گے انشاء اللہ ہمیشہ سلامت رہیں۔ میں بارہ سالہ مجتبیٰ سلمان خاکسار دزفول کا رہنے والا ہوں۔ مدت سے آرزو تھی کہ آپ کی خدمت میں حاضری دوں اور قریب سے آپ کی زیارت کروں اور اس کے ذریعہ اعتماد نفس حاصل کروں لیکن بد قسمتی سے اب تک آپ کے جمال مبارک کی زیارت نہیں کر سکا ہوں۔ امید کرتا ہوں کہ خط کا جواب آپ اپنے ہاتھ سے تحریر فرمائیں گے تا کہ آپ کے دستخط اور تحریر کی زیارت کا افتخار حاصل کر سکوں۔ آپ سے دعا کا طالب ہوں۔

خدا حافظ

امام کا جواب

باسمہ تعالیٰ

انشاء اللہ کامیاب و کامران رہیں خداوند عالم آپ کو اپنی برکتوں سے نوازے۔

روح اللہ الموسوی الخمینی

ایک خاتون خانہ کا خط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رہبر کبیر انقلاب اور نائب امام زمانہ کی خدمت میں سلام۔

امید کرتی ہوں میلوں دور سے میرا پر جوش اور ناچیز سلام قبول فرمائیں گے عشق و محبت سے لبریز سلام۔ وہ سلام جو میرے دل کی گہرائیوں سے نکل کر آپ کی خدمت میں پہونچا ہے، وہ سلام جو اتنے سارے نشیب و فرازاور سرنگوں سے ہوتا ہوا اپنے ساتھ کئی یادیں لئے ہوئے اور انہیں آپ کے سامنے بیان کر رہا ہے، وہ سلام جو ہماری طرف آپ کے لئے کئی باتوں اور داستانوں کا حامل ہے۔

امید ہے کہ آپ انشاء اللہ بخیر ہوں گے دعا ہے کہ خداوند متعال کی پناہ میں پوری سلامتی کے ساتھ زندگی بسر کریں اور امام زمانہ کی بارگاہ میں خوش و خرم رہیں۔
اے عزیز امام! ہم دل و جان سے آپ کو چاہتے ہیں اور قریب سے آپ کی زیارت کرنا چاہتے ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ کی طرف سے کوئی چیز یادگار کے طور پر ہمارے پاس رہے اس لئے گزارش کرتی ہوں کہ خط کا جواب اپنے دست مبارک سے تحریر فرمایئے گا آپ کی سلامتی کے علاوہ اور کچھ نہیں مانگتی۔
خدایا انقلاب امام زمانہ (عج) تک خمینی عزیز کی حفاظت فرما۔
ہماری عمریں گھٹا کر ان کی عمر میں اضافہ فرما۔

اسلام کی کامیابی کی امید کے ساتھ
زہرا جعفری

امام کا جواب

باسمہ تعالیٰ
میری بہن! آپ کا عشق و محبت سے لبریز خط اور تحفہ دونوں موصول ہوئے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ خداوند متعال آپ کو اور آپ کے بچوں کو سلامتی، عافیت اور دین و دنیا اور آخرت کی سعادت عطا فرمائے ۔ آپ نے جو تحفہ بھیجا ہے میں نے اسے بخوشی قبول کر لیا ہے لیکن چاہتا ہوں اسے آپ استعمال کریں لہذا اسے آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
روح اللہ الموسوی الخمینی

آپ کے دست و بازو کو بوسہ دیتا ہوں!

دسمبر 1986 مندرجہ ذیل تصویر ایک بسیجی جوان میرے پاس لایا اور بولا: ”ہم یہ تصویر کاپی کرا کے محاذ پر بھیجنا چاہتے ہیں مہربانی کر کے یہ تصویر امام کے پاس لے جایئے اور ہماری طرف سے ان سے گزارش کیجئے کہ مجاہدین اسلام کے لئے اس پر کچھ تحریر فرمائیں۔“

میں نے اس سے کہا: ان کا معمول یہ ہے کہ وہ دستخط کے علاوہ کچھ نہیں لکھتے لیکن جب میں نے امام کی خدمت میں پہنچ کر ماجرہ بیان کیا تو امام نے فوراً قلم اٹھایا اور مندرجہ ذیل عبارت اس طرح لکھی جس طرح اس تصویر میں آیا ہے:

باسمہ تعالیٰ

خداوند متعال سے مجاہدین اسلام کی حتمی کامیابی کے لئے دعا گو ہوں۔ میرے عزیزو! جدوجہد جاری رکھئے خداوند متعال آپ کے ساتھ ہے۔ میں آپ سب کے ہاتھوں اور بازؤوں کو بوسہ دیتا ہوں۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

روح اللہ الموسوی الخمینی

عشق کی ایک اور داستان

امام وامت کے درمیان دوطرفہ عشق و محبت، ان کے جذبات، ان کی امنگوں اور اس سرچشمے سے پھوٹنے والا ادب ایک ایسی ناگفتہ داستان ہے جو کسی کتاب میں نہیں سمٹ سکتی۔ یہ لاکھوں فصلوں اور ابواب پر مشتمل ایک ایسی داستان ہے جس کی ہر فصل حیات ابدی کی ایک بہار ہے اور جس کا ہر باب جنت بے کراں کی طرف جاتا ہے۔

اس سرچشمہ جاری کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ ایران کے ایک خطہ میں سیلاب آتا ہے اور امام عزیز پوری قوم سے ان کی مدد کے لئے کہتے ہیں تو محاذ حق پر مشغول جنگ وجہاد کے عاشق بسیجی بھی اپنے امام کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے وہ مختصر سا اندوختہ بھی اپنے سیلاب زدہ ہم وطن بھائیوں کے لئے راہ خدا میں دیدیتے ہیں جو انہوں نے اپنے ضروری خرچ کے لئے رکھا تھا۔

کتنی حسن وزیبائی ہے ان کے اس عمل میں جو جان بکف اپنے گھربار اور اہل وعیال سے دور عشق وایمان کی سرحدوں کا دفاع کررہے ہیں اور خود انکے پاس جو مختصر سامان زندگی ہے اسے بھی اپنے معشوق کی راہ میں اور ضرورتمند و آسیب دیدہ انسانوں کے لئے نثار کردیتے ہیں۔

کتنا عجیب ہے کہ ایک طرف اپنی جان داؤں پر لگا کر ملک کی حفاظت وسلامتی میں مشغول ہیں اور دوسری طرف طبیعی حادثات کا شکار ہونے والے بندگان خدا کے لئے بھی فکرمند ہیں۔ یہاں ان کا وہ خط پیش خدمت ہے جسے انہوں نے بینک کی رسید کے ساتھ امام خمینی کے دفتر کو ارسال کیا ہے۔

بسم رب الشھداء والصدیقین

دفتر حضرت امام خمینی روحی لہ الفداء

حضرت حق کے شکر کے ساتھ ہم عشق وخون وایثار کی وادی میں اس کے نام کے ساتھ ثابت قدم، اس کی توفیقات کے امیدوار اور اس کی عطا کردہ نعمتوں پر سجدہ ریز اور اس کے شکر گزار ہیں۔

حضرت بقیۃ اللہ الاعظم، مہدی فاطمہ (عج) کی نصرت وحمایت کے ساتھ ان کی خدمت میں عرض ادب کرتے ہوئے ان کی عنایت کے لئے امیدوار، ان کی قیادت پر قائم، ان کی نظر عنایت پر نگاہیں جمائے، حضرت حق کی مہربانیوں سے لو لگائے، پیر جماران، روح خدا، مائدہ آسمانی، عارفان شب اور عاشقان جہاد کے مرشد، اس صدی میں انسانیت کے مظہر کامل کی دعاؤں کے ساتھ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں جبین نیاز رکھے نصف شب کے آنسوؤں کے ساتھ غسل شہادت کئے ہوئے اس کے حکم سے قیام کے ساتھ آخری انقلاب کے لئے، سپاہ مہدی کا پرتو لئے، سپاہ حضرت محمد کے ثبات قدم کے ساتھ، عالمی استکبار وسامراج کے خلاف پورے غیض وغضب کے ساتھ، آفتاب عالم تاب سے زیادہ بلند اور روشن افکار کے ساتھ، کربلا وقدس جیسے آپریشنز کی فتح کی آرزو لئے، وحدت واللہ اکبر کی تکبیر بلند کرتے ہوئے اس بات پر آمادہ ہیں کہ تمام فرعونیوں کا قلع قمع کریں، تمام ملحدین کے خرمن حیات میں آگ لگائیں اور ظلم وستم کے تمام ایوانوں کو وہیں دفن کردیں کیونکہ اب وقت آچکا ہے بس ہم چشم انتظار لگائے بیٹھے ہیں کہ کب ہمارے امام خمینی کبیر کی طرف سے حکم صادر ہو۔

ابھی اس دیار خون میں ہم نے امام خمینی کا پیغام عشق سنا، اسے دل میں بسایا اور کربلا کی زیارت کے شوق میں انتظار کی گھڑیاں گزارتے ہوئے آنکھوں سے جو آنسو نکلے ہیں ان سے اس پیغام کو تر کیا اور اپنے جیب خرچ سے زیارت کربلا کے لئے جو تھوڑا بہت ہم نے بچا رکھا تھا اسے اس راہ خیر میں ہدیہ کیا کیونکہ ہم میں ناداروں کے نالے اور قہر طبیعت کے مارے لوگوں کی آہ وفغاں سننے کی تاب نہیں ہے۔

ہمارے لئے جنگ وانقلاب میں شہید ہونے والے جوانوں کے آنسو ہی کافی ہیں جنہوں نے ہمارے کاندھوں پر ایک بہت سنگین ذمہ داری ڈال دی ہے، ہمارے لئے ان گناہوں کا بوجھ بھی زیادہ ہے جن کے ہم مرتکب ہوئے ہیں اور ان سب کے لئے خدائے غفور ورحیم کی بارگاہ میں طلب مغفرت کرتے ہیں۔ ہم نے جو کچھ جمع کیا ہے یہ ناچیز ہی سہی مگر اپنے بھائیوں کی خدمت میں پیش کرتے ہیں اور تمام دردمند اور احساس ہمدردی رکھنے والے انسانوں سے گزارش کرتے ہیں کہ امام خمینی کے پیغام پر لبیک کہتے ہوئے اپنے برادران دینی وہم وطنوں کی بھرپور حمایت کریں۔

صوبہ سمنان کی بریگیڈ حضرت قائم (عج) کی بٹالین حضرت رسول اللہ ﷺ۔

حضرت حق سے امام عزیز خمینی کبیر کی سلامتی وطول عمر کی دعا کے ساتھ نیز مجاہدین اسلام کی عالمی کفر پر کامیابی، مجروحین و معذورین کی جلد از جلد شفایابی، اسرا کی آزادی کی امید کے ساتھ اور کربلائے معلیٰ کی زیارت کی توفیق کی امید کے ساتھ۔

26دسمبر1986

شہید کے بیٹے کی عزت افزائی

امام خمینی بین الاقوامی سامراج اور ظالمین کے لئے جتنا زیادہ سخت اور ان کے دشمن ہیں مومنین اور مستضعفین عالم کے لئے ان کے دل میں اتنی ہی زیادہ محبت اور نرمی ہے۔ اس سختی اور نرمی کو آپ ایک دوسرے کے مقابل قرار دے سکتے ہیں اور ان کی زندگی میں آپ کو یہ دونوں چیزیں بالکل متوازن نظر آئیں گی۔ ایک دن اٹلی کی ایک خاتون نے امام خمینی کو ایک خط لکھا جس میں اس نے امام اور ان کے مشن کے ساتھ اپنی ارادت اور اظہار کا لگاؤ ظاہر کیا تھا اور خط کے ساتھ ایک قیمتی ہار بھی بھیجا اور ساتھ میں یہ بھی لکھا تھا یہ ہار میری ازدواجی زندگی کے آغاز کی یادگار ہے اس لئے اس کے ساتھ ایک خاص لگاؤ رکھتی ہوں چونکہ آپ کے ساتھ اور آپ کے مشن کے ساتھ زیادہ لگاؤ رکھتی ہوں اس لئے اسے آپ کی خدمت میں ارسال کر رہی ہوں۔

ایک مدت تک اسے ہم نے امام کی خدمت میں نہیں بھیجا کیونکہ ہمیں معلوم نہیں تھا کہ امام اسے قبول فرمائیں گے یا نہیں بہرحال کچھ دن مزید انتظار کے بعد ہم نے خط کا ترجمہ اور ہار امام کی خدمت میں پیش کیا امام نے وہ خط اور ہار لیکر بغل والی میز پر رکھ دیا دو تین دن کے بعد ایک تین سالہ بچی کو لایا گیا جس کا باپ جنگ میں لاپتہ ہو گیا تھا جب امام کو اس بچی کے بارے میں بتایا گیا تو آپ نے فرمایا: اسے اندر لے آؤ آپ نے اسے اپنے زانو پر بٹھایا اور اپنے رخسار اس کے رخسار پر رکھے اور شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگے اتنی شفقت ہم نے امام کے اپنے بچوں کے بارے میں بھی نہیں دیکھی تھی۔

اس کے بعد اس بچی کے ساتھ بالکل ہلکی آواز میں باتیں کرنے لگے اتنی آہستہ کہ ہم تقریباً ڈیڑھ میٹر کے فاصلہ پر ہونے کے باوجود کچھ سمجھ نہیں پائے۔ یہ بچی جو اب تک افسردہ تھی امام کی باتیں سن کر ہنسنے لگی اور ہم نے محسوس کیا کہ بچے کو ہنستا اور مسکراتا دیکھ کر امام کے چہرے پر بھی نشاط وخوشی کے آثار نمایاں ہوئے۔ پھر امام نے وہ ہار جو اٹلی کی خاتون نے بھیجا تھا اپنے دست مبارک سے اس بچی کی گردن میں ڈال دیا۔ تھوڑی دیر میں بچی امام کے پاس سے رخصت ہو گئی جبکہ وہ ساری دنیا کی خوشیاں اپنے ساتھ سمیٹ کر لے جا رہی تھی۔

بہت متاثر ہوئے

عراق کی طرف سے مسجد سلیمان پر راکٹ مارے گئے تھے اس لئے ایک شخص اس کا جائزہ لینے وہاں گیا واپسی میں جب اس نے امام کے ساتھ ملاقات کی تو وہاں کے امام جمعہ کی زبانی نقل کیا کہ مسجد پر راکٹ کے حملے کی وجہ سے بہت سے لوگ شہید اور زخمی ہوئے۔ کئی گھنٹے گزرنے کے بعد ابھی ہم ملبہ ہٹانے، شہداء کے جنازوں کو نکالنے اور زخمیوں کو فوری طور پر منتقل کرنے میں مصروف تھے کہ اچانک ملبے کے نیچے سے ایک کمسن بچہ باہر نکالا۔ جب اس خاک آلود اور زخمی بچے نے آنکھیں کھولیں اور وہاں پر اکٹھا لوگوں کی بھیڑ دیکھی تو زور سے چلایا: ''جنگ جنگ تا پیروزی'' خدا خدایا تا انقلاب مہدی خمینی رانگھدار۔ (یعنی کامیابی کے حصول تک جنگ جاری رہے گی۔ خدایا! خدایا! زندہ رہے خمینی)

امام خمینی اس شخص کی طرف دیکھتے ہوئے غور سے اس کی باتیں سن رہے تھے لیکن جب انہوں نے کمسن بچے کا واقعہ سنا ان کے چہرے پر غم واندوہ اور غصہ کے تاثرات ظاہر ہوئے جسے وہ اپنے وسیع سینے میں چھپانے کے باوجود ظاہر کر گئے۔ گویا اس بچے کے واقعہ سے امام اتنا زیادہ متاثر ہوئے تھے اور ان کے اندر ایک مکمل طوفان اٹھ گیا تھا جس کے آثار ان کے چہرے اور آنکھوں میں نمودار ہو گئے تھے ان کی آنکھیں بھر آئیں اور سر جھکا کر پلکیں بند کر لیں۔

مجاہدین کے لئے دعا

16 جنوری 1984ء کو سر پر باندھنے والی بہت سی پٹیاں لائی گئیں جن پر ''اللہ اکبر'' ''عاشقان کربلا'' ''راہیان قدس'' وغیرہ لکھا ہوا تھا۔ یہ محاذ پر سرگرم مجاہدوں کے لئے لائی گئی تھیں تاکہ امام خمینی کے دست مبارک سے متبرک ہو کر وہاں بھیجی جائیں اور مجاہدین انہیں سروں پر باندھیں۔ میں انہیں امام کے پاس لے گیا اور ان سے اپنے دست مبارک سے متبرک کرنے کی درخواست کی امام نے تھیلے میں ہاتھ ڈالا اور دعا پڑھنے لگے جب میں کمرے سے باہر نکلا امام دعا میں مشغول تھے۔

محبت دنیا کے تمام انسانوں کے لئے

دنیا کے تمام ستمدیدہ اور آزاد ضمیر انسانوں یہاں تک کہ غیر مسلمانوں کی دنیوی آلودگیوں سے پاک فطرت کے لئے امام خمینی کی انسان دوستی، حریت، پاکیزگی اور معنوی کشش کافی دلچسپ اور جاذب تھی یہاں تک کہ اس کشش کی شعائیں نسل پرستی کی بنیاد پر امریکہ اور افریقہ کی جیلوں میں بے گناہ قیدیوں کے اندر بھی نظر آتی تھیں جس کے اعترافات

امریکہ کے بعض مشہور اخبارات اور رسائل کی رپورٹوں میں شائع ہوئے ہیں جن کی ایک مثال امریکی جیل کا ایک سیاہ فام قیدی ہے جس نے اپنے سل (کوٹھری) کی دیوار پر امام خمینی کا فوٹو لگار کھا تھا۔

اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد پوری دنیا سے غیر مسلمانوں بطور خاص سیاہ فام، سرخ فام اور ستمدیدہ اقوام کی طرف سے امام کے دفتر کو ہزاروں خطوط موصول ہوئے جن میں سے ہر ایک میں امام خمینی کے ساتھ عشق و محبت اور قلبی لگاؤ کا اظہار کیا گیا تھا اور بہت ساروں نے امام خمینی کی کتابیں، ان کی سوانح عمری، اسلامی کتابیں اور قرآن وغیرہ کا مطالبہ کیا تھا ۔بعض ایسے بھی تھے جو امام کی تصویر، تحریر، دستخط، پند و نصیحت، لباس کا ٹکڑا اور امام کے دوسرے سامان زندگی کے خواہاں تھے۔ امام بھی ان کے ساتھ اپنی محبت و عنایت کا اظہار فرماتے اور بعض کا جواب خود تحریر فرماتے تھے ان کی یہ تلقین تھی کہ جتنے بھی خط موصول ہوں دفتر، وزارت خارجہ ، وزارت برائے ثقافتی امور کی طرف سے مناسب جواب دیا جائے اور اس کے ساتھ مترجم قرآن مجید اور وہ کتابیں جن کا تقاضہ کیا گیا ہو ارسال کی جائیں۔ یہاں صرف نمونے کے طور پر ان خطوط کا ذکر کیا جا رہا ہے جن کا جواب خود امام خمینی نے مرحمت فرمایا ہے

امریکہ کے "اسپرنگ ڈیل" اسکول کے طلبہ کا خط

پہلا خط امریکی ریاستہائے متحدہ کے صوبہ ارکانزاس کے ایک اسکول "اسپرنگ ڈیل" کے طلبہ کی طرف سے تھا جس کے ساتھ امام کے لئے ایک جوڑا موزہ بھی بھیجا گیا تھا اور جواب میں انہوں نے تقاضا کیا تھا کہ امام ان کے لئے اپنے پرانے موزوں کا کوئی جوڑا یا کوئی بھی کپڑا جو پرانا ہوچکا ہو اور امام استعمال نہ کرتے ہوں ارسال فرمائیں۔

مذکورہ خط کا ترجمہ اور موزے امام کی خدمت میں پیش کئے گئے ۔ امام نے جواب میں اپنا کوئی بھی لباس یا اس طرح کی کوئی اور چیز بھیجنے کے بجائے حکم دیا کہ بچوں اور نوجوانوں کی فکری تربیت کے لئے کام کرنے والے ایک ادارے کی طرف سے بچوں اور نوجوانوں کے لئے پیغمبر اسلام ﷺ کے اقوال پر مشتمل کتاب ترجمہ کرکے اس خط کے ساتھ بھیجی جائے جس کا مضمون مندرجہ ذیل ہے ۔

امام کا جواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امریکہ کے صوبہ ارکانزاس کے اسکول "اسپرنگ ڈیل" کے عزیز بچو! آپ کا محبت سے لبریز خط اور تحفہ موصول ہوا جانتا ہوں کہ سیاہ فام اور سرخ فام قوم سخت دباؤ اور مشکلات کا شکار ہے۔ درحقیقت جو چیز انسانوں کو ایک دوسرے سے ممتاز بناتی ہے وہ تقوا، نیک اخلاق اور اچھے اعمال ہیں۔خدا سے دعا گو ہوں کہ آپ بچوں کو کامیاب و کامران فرمائے اور سیدھے راستے کی ہدایت فرمائے۔

پیغمبر اسلام ﷺ کے فرمودات پر مشتمل ایک چھوٹی سی کتاب جو ایرانی بچوں کو تحفہ میں دی جاتی ہے آپ کے لئے ارسال کررہا ہوں اور آپ سب کے لئے دعا کرتا ہوں۔ امید کرتا ہوں کہ انسانی اقدار کی بالادستی میں خدا آپ کو کامیاب فرمائے۔

ایک جرمن لڑکی کی درخواست

دوسری مثال جرمن کی ایک لڑکی کی ہے جس نے امام خمینی کے نام خط میں امام کے دستخط اور آٹو گراف کا تقاضا کیا تھا اور یہ گزارش کی تھی کہ جو کارڈ اس نے خط کے ساتھ بھیجا ہے کہ امام اس پر چند نصیحت آموز جملے تحریر فرمائیں۔

امام خمینی نے خط کے جواب میں اس کے لئے مندرجہ ذیل جملے تحریر فرمائے:

باسمہ تعالیٰ

کوشش کریں معاشرے کے لئے ایک مفید انسان بنیں۔ کوشش کریں کہ شیطانی طاقتیں آپ پر اثر انداز نہ ہوں۔ ایک ذمہ دار انسان بننے کی کوشش کریں۔ انشاء اللہ سلامت رہیں۔

روح اللہ الموسوی الخمینی

دوستان را از کجا کنی محروم
تو کہ با دشمنان نظر داری

جو بھی امام سے کوئی تقاضا یا درخواست کرتا اگر وہ عقل و شرع کے لحاظ سے صحیح ہوتا اور امام کے امکان میں ہوتا تھا کسی کی درخواست کو ٹھکراتے نہیں تھے روزانہ صبح اپنے متعدد کاموں کے درمیان اس طرح کے بہت سے امور انجام دیتے تھے۔

آخری ایام میں جب امام کو ہسپتال میں داخل کیا گیا اس سے پہلے تک بڑھاپے ، کمزوری، مصروفیات اور عالم اسلام کی قیادت جیسی سنگین ذمہ داری کے باوجود کسی بھی قسم کی ملامت ، ناراضگی یا اکتاہٹ کا اظہار کئے بغیر آپ ان کاموں کو بھی اہمیت دیتے تھے جو بظاہر بالکل چھوٹے ہوتے تھے جن میں سے کچھ کا یہاں ذکر کیا جارہا ہے۔

دستخط یا آٹو گراف

روزانہ چند عدد قرآن پاک یا امام خمینی کی تصویر ان کی خدمت میں دستخط اور آٹو گراف کے لئے لائی جاتی تھی البتہ ان میں زیادہ تر شہداء کے اہل خانہ کے لئے ہوتی تھیں۔اس کے علاوہ بعض مومنین کے اصرار اور درخواست پر چند استخارے بھی دیکھتے تھے۔ امام کی رحلت سے کچھ دن پہلے تک بہت سے شہداء کے گھر والے اپنے شہیدوں کی تصویریں امام کی خدمت میں بھیجتے تھے جن پر امام سے آٹو گراف کا تقاضا ہوتا تھا امام شہدا کی تصویر پر یہ جملہ لکھتے تھے:"خداوند متعال ہمارے اس خوش بخت شہید پر رحمت نازل فرمائے"

اور کبھی لکھتے تھے:"خداوند متعال اس سعادت مند شہید پر رحمت کرے"

بسا اوقات شہداء کی تصویروں پر دستخط کے وقت ان کے چہرے پر غم واندوہ کے آثار ظاہر ہوتے تھے کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ شہید کے نام وغیرہ کے بارے میں پوچھتے تھے من جملہ جب شہید غلام رضا رضائی کی تصویر امام کی خدمت میں پیش کی گئی تو امام نے اس کمسن شہید (جو ابھی بالغ نہیں تھے) کی تصویر کو کچھ دیر تک غور سے دیکھا اور پوچھا: یہ تصویر کس کی ہے؟

محترم رسولی نے کہا:"رحیمیان صاحب کے برادر نسبتی کی"

یہ سن کر امام نے غم انگیز آواز میں "لا الہ الا اللہ" کا ورد کیا اور پھر تصویر پر کچھ جملے لکھ کر دستخط فرمائے۔

شہداء کی تصویروں پر آٹو گراف کا سلسلہ اس وقت بند ہوا جب امام پر دوسری بار ہارٹ اٹیک ہوا۔ ڈاکٹر نے صلاح دی کہ شہداء کی تصاویر دیکھ کر امام کافی متاثر ہوتے ہیں اس لئے ممکن ہے یہ چیز ان کے لئے نقصان دہ ثابت ہو اس لئے بہتر ہے

یہ سلسلہ بند کر دیا جائے اس طرح یہ سلسلہ بند ہو گیا لیکن اس کے باوجود بعض افراد کسی شہید کی تصویر لے آتے تو امام بڑے شوق سے آٹو گراف دیتے تھے۔

کچھ عرصہ پہلے کی بات ہے کہ ایک امریکن جریدے کا ایک ورق امام کی خدمت میں پیش کیا گیا جس میں یہ رپورٹ تھی کہ امریکہ کے ایک صرافہ بازار میں امام خمینی کا آٹو گراف سب سے زیادہ مہنگے دام پر بیچا گیا امام کو جب یہ رپورٹ دکھائی گئی تو انہوں نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔

عقد نکاح

ایک دوسرا کام جو آپ تقریباً روزانہ انجام دیتے تھے بطور خاص ان ایام میں جب لوگ دست بوسی کے لئے آتے تھے ان جوانوں کا عقد نکاح پڑھنا اور صیغہ نکاح جاری کرنا تھا جو شادی کے بندھن میں بندھنا چاہتے تھے۔ کبھی کبھی چار چار نکاح پڑھ دیتے تھے۔ عقد نکاح کا کام آپ سردیوں میں بھی کھلی فضا میں انجام دیتے تھے۔ عقد کے اصول و قوانین اور شرائط کے سلسلہ میں کافی سختی برتتے تھے یعنی امام کی خدمت میں آنے سے پہلے ضروری ہوتا تھا کہ تمام قانونی امور انجام پا چکے ہوں۔ نکاح کے وقت لڑکی لڑکے اور لڑکی کے ولی کا ہونا ضروری تھا امام لڑکی سے وکالت کی اجازات لے کر صیغہ عقد جاری فرماتے اور مبارکبادی کے بعد انہیں اسلامی اخلاق کی رعایت اور ایک دوسرے کے ساتھ میل و محبت برقرار رکھنے کی وصیت فرماتے اور آخر میں ان کے لئے دعا فرماتے تھے۔

دست بوسی

جمعہ اور ان ایام کے علاوہ جن میں امام کی طبیعت ناساز ہوتی تھی عقد پڑھنے کے بعد تقریباً صبح ساڑھے آٹھے بجے روزانہ کا معمول تھا امام گیلری کے ایک کونہ میں بیٹھے ہوتے تھے اور روزانہ بیس افراد جو پہلے سے فرزند امام سید احمد کے توسط سے معین ہوتے تھے امام کی خدمت میں دست بوسی کے لئے حاضر ہوتے تھے۔

روزانہ ہماری آنکھوں کے سامنے دست بوسی کے بعض ایسے مناظر گزرتے تھے جنہیں الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ چھوٹا سا کمرہ امام اور امت کے درمیان دو طرفہ عشق کی داستان کی ایک تاریخ اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے بعض افراد کا گریہ شوق دیکھ کر ماحول میں ایک عجیب کیفیت پیدا ہو جاتی تھی۔

ملاقاتیں

امام کی بعض ملاقاتیں حسینیہ جماران میں انجام پاتی تھیں جن میں عشق و محبت کے دو ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر آپس میں ملتے تھے اور امام و امت کے درمیان پایا جانے والا عشق موجزن ہو جاتا تھا۔

اگرچہ حسینیہ کا اوپری حصہ جہاں امام بیٹھ کر گفتگو فرماتے تھے بہت گرم ہوتا تھا لیکن آپ کبھی بھی ملاقات اور گفتگو سے دریغ نہیں فرماتے تھے۔ حسینیہ میں انجام پانے والی ملاقاتوں میں تقریبا نوے فیصد شہداء کے گھر والوں، جنگی مجروحین اور عراقی قید و بند سے رہائی پانے والے فداکاروں سے مخصوص ہوتی تھیں۔ اسی طرح دست بوسی کے پروگرام میں بھی اسی طبقہ کے افراد زیادہ ہوتے تھے اگر بعض اہم کام اور ڈاکٹروں کی طرف سے پابندی نہ ہوتی تو امام دن میں کئی بار تقریر اور ملاقات کرتے اور اس طرح مومن امت کے ساتھ اپنے عشق کا اظہار فرماتے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ جب ایک سفیر محاذ کا معائنہ کرنے کے بعد واپس آیا اور امام کی خدمت میں شرفیاب ہوا تو محاذ پر سرگرم مجاہدین کی امام کے ساتھ ہفتہ میں ایک بار ملاقات کی درخواست امام کی خدمت میں پیش کی جسے امام نے خوشی سے قبول فرمایا۔

اس طرح چند ہفتوں میں ہزاروں مجاہدین راہ حق امام کے دیدار اور ان کے ساتھ ملاقات میں کامیاب ہوئے لیکن امام کی بیماری کی وجہ سے یہ سلسلہ زیادہ دن تک جاری نہیں رکھا جا سکا۔

ایک خاص اور قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ امام حسینیہ جماران میں انجام پانے والی ملاقاتوں میں حالات کی نزاکتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ہمیشہ گفتگو کیا کرتے تھے لیکن جنگ بندی کی قرارداد کو منظوری دینے کے بعد اگرچہ پہلے کی طرح ملاقات کرتے تھے لیکن گفتگو اور تقریر نہیں فرماتے تھے۔

29/10/1988 کی ایک تحریر میں امام لکھتے ہیں:

توجہ رکھیں کہ اب میری گفتگو کا کوئی بھی پروگرام نہ رکھا جائے چاہے ایک دعا یا چند جملے کے لئے کیوں نہ ہو۔ میری سانس کی نلی میں بھی اب سخت تکلیف ہوتی ہے اور اب جنگ بھی ختم ہو چکی ہے اب مجھے مزید زحمت نہ دیں۔ ہاں اس بات میں کوئی مضائقہ نہیں کہ شہدا کے افراد خانہ یا اس طرح کے دوسرے افراد آئیں اور میں ان کے لئے ہاتھ ہلا کر چلا جاؤں۔

بہر حال حسینیہ جماران میں جو ملاقاتیں اور پروگرام ہوئے خوش قسمتی سے اسلامی جمہوریہ ٹی وی نے ان سب کو نشر و ریکارڈ کیا ہے اور تمام افراد نے حاضر ہو کر یا ٹیلی ویژن پر ان پروگرام کے وہ عظیم مناظر دیکھے ہیں اگرچہ اس کے بعض مناظر ایسے تھے جنہیں نہ ظاہری آنکھیں دیکھ سکتی ہیں اور نہ زبان و قلم میں ان کو بیان کرنے کی سکت ہے۔

امام خمینی کی طرف سے لوگوں کی نوازش، محبت اور انہیں مسرت بخشنے کے پروگراموں میں جو چیز سب سے اہم تھی وہ یہ تھی کہ امام اس کام سے کبھی تھکتے نہیں تھے اور اس سلسلہ میں امت حزب اللہ کی ہر فرد سے راضی اور خوش ہوتے تھے۔ امام نے ہمیشہ ان سے محبت کی، عشق کا اظہار کیا، ان کی تعریف کی، حوصلہ افزائی فرمائی اور ان کے کسی بھی کام کے سلسلہ میں کبھی کوئی شکایت نہیں کی۔

سرحدوں کی بندش سے آزاد عشق

امام دنیا کے تمام شیعوں کے رہبر اور مرجع تھے اور اس مرجعیت و قیادت کی خاصیت یہی ہے کہ یہ کسی جغرافیائی سرحدوں میں محدود نہیں ہوتی۔ امام کے مقلدین لبنان میں ہوں یا عراق میں، ہندوستان میں ہوں یا پاکستان میں، بحرین میں ہوں یا کسی اور جگہ ان میں کوئی فرق نہیں۔ اسی طرح شیرازی، تبریزی، اصفہانی یا کوئی اور سب ایک ہیں۔ آج قائد انقلاب امام خامنہ ای کی قیادت و رہبری بھی اسی طرح ہے اسی لئے تمام اسلامی ممالک کے مذہبی راہنما اور بڑی شخصیات ایرانیوں کی طرح امام سے ملاقات فرماتے تھے۔

ان ملاقاتوں کی تعداد بہت زیادہ ہے جن میں کچھ کا تذکرہ ''صحیفہ امام'' میں ہوا ہے جیسے مسجد الاقصیٰ کے امام کی ملاقات جو امام خمینی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور امام کے ہاتھ پر بیعت کی۔ تحریک توحید اسلامی کے سربراہ شیخ سعید بارہا امام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مرحوم ڈاکٹر فتحی شقاقی عشق و محبت سے لبریز وجود کے ساتھ امام کی خدمت میں آتے اور ان کی زیارت سے اپنی روح کو فرحت بخشتے تھے۔ علامہ شہید عارف حسینی ایک عاشق کی طرح امام کی خدمت میں آتے تھے ان کی شہادت کے موقع پر امام نے اسی لب و لہجہ کے ساتھ پیغام دیا جس طرح شہدائے ایران کے لئے پیغام دیا کرتے تھے۔

حزب اللہ کے سابق سکریٹری جنرل شہید سید عباس موسوی موجودہ سکریٹری جنرل سید حسن نصر اللہ نیز حزب اللہ کی مرکزی مجلس مشاورت کے افراد بارہا امام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہی ملاقاتیں تھیں جنہوں نے حزب اللہ کی اسلامی مزاحمت میں ایسی روح پھونکی جس کی وجہ سے وہ غاصب صہیونیوں کے مقابلہ میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے۔

امام خمینی کی طرف سے وکالت اور نمائندگی کے تئیں بھی ایران اور بیرون ایران میں کوئی فرق نہیں تھا۔ وکالت و نمائندگی کے لئے کچھ معیارات ہیں جن میں سرحد و ملک و ملت کا کوئی دخل نہیں ہے جس شخص کے اندر بھی وہ شرائط پائے جاتے ہوں اور ان معیار پر پورا اترتا ہو اور وہ مرجع تقلید کے لئے ذاتی طور پر یا دو افراد کی گواہی کی بنیاد پر قابل اعتماد ہو اسے وکالت کی اجازت دی جاتی ہے اسی لئے سید حسن نصر اللہ جو کہ روح اللہ کے شجرہ طیبہ کے پاکیزہ ثمر، قائد

انقلاب اسلامی امام خامنہ ای کی آنکھوں کے نور اور اسلام کے ایک قوی بازو کی حیثیت رکھتے ہیں وہ پہلے لبنانی عالم ہیں جنہیں جوانی یا نوجوانی میں حجۃ الاسلام کی تعبیر اور عنوان کے ساتھ امام کی طرف سے وکالت کا عہدہ سونپا گیا۔ امام اس زمانہ میں اپنی تحریروں اور خطوط میں آج کے مراجع کرام کے لئے حجۃ الاسلام کا لفظ استعمال کرتے تھے۔

شیخ اسعد تمیمی کے ساتھ ملاقات میں امام خمینی کا جواب

ان ملاقاتوں کی ایک مثال ۱۹۸۲ میں مسجد الاقصیٰ کے سابق امام اور تحریک آزادی فلسطین کے اہم رکن شیخ اسعد تمیمی کی امام کے ساتھ ملاقات ہے اس طرح کی ملاقاتیں چونکہ خصوصی طور پر انجام پاتی تھیں اور ذرائع ابلاغ کی نگاہوں سے بھی دور رکھی جاتی تھی اس لئے صحیفہ امام میں بھی ان کا تذکرہ نہیں کیا گیا ہے۔

شیخ اسعد تمیمی امام کی زیارت کے علاوہ ان کے ساتھ بیعت کے لئے آئے ہوئے تھے شیخ اسعد کی گفتگو اور امام کے ساتھ ان کی بیعت کے بعد امام نے مختصر سی گفتگو کی اگرچہ اسے ریکارڈ نہیں کیا گیا لیکن اسی نشست میں اس کا مضمون تحریر کیا گیا جو اس طرح ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ ایران تشریف لائے تا کہ ایک دوسرے کے ساتھ ملاقات کریں اور مسلمانوں کے حالات کے سلسلہ میں گفتگو کریں۔ اس وقت مسلمان جن حالات اور مشکلات کے شکار ہیں وہ مسلمان حکام کی وجہ سے ہے۔ وہ حکام جنہوں نے دنیا کی وجہ سے اور دنیا کے لئے اسلام سے منہ موڑ لیا ہے اگرچہ ان کا دعوی ہے کہ وہ مسلمان ہیں، اس وقت مسلمانوں پر جو بھی گزر رہی ہے اس کے براہ راست یہ حکام ذمہ دار ہیں اور بالواسطہ امریکہ اور سوویت یونین جیسی بڑی طاقتیں اس کی ذمہ دار ہیں۔

مسلمان جب تک اختلافات سے دستبردار نہیں ہوں گے بڑی طاقتیں آسانی سے اپنے اہداف حاصل کرتی رہیں گی ۔ آپ جانتے ہیں کہ جب ایرانی عوام نے قیام کیا اور شاہ ایران کو یہاں سے نکال کر باہر کیا تو آزادی، استقلال اور اسلامی جمہوریہ کے نعروں کے ساتھ قیام کیا۔ یہ نعرے ایران کے بچوں سے لیکر بڑوں تک کی زبان پر جاری ہیں اور ہماری آرزو ہے کہ انشاء اللہ اسلام وہی شان وشوکت اور اقتدار حاصل کرے جو صدر اسلام میں تھی اور اس طرح تمام کافر حکومتوں پر غالب آجائے۔

ہمیں اتحاد بین المسلمین کے لئے پوری کوشش کرنا چاہیئے اور جو لوگ اس راہ میں رکاوٹیں ڈالتے ہیں یا نفاق کرتے ہیں انہیں دبا دینا چاہیے۔ آپ جانتے ہیں کہ اہل سنت کے بہت سے علماء جنہیں عالم کہنا بھی صحیح نہیں ہے اسلامی جمہوریہ ایران کے خلاف زہر اگلا کرتے ہیں تا کہ امریکہ اپنے مذموم مقاصد حاصل کر سکے ۔ صدام نے امریکہ کے کہنے پر

ایران پر حملہ کیا جو در حقیقت ایران پر حملہ نہیں تھا بلکہ اسلامی جمہوریہ پر حملہ تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر اس اسلامی جمہوریہ کا پیغام دوسرے ممالک تک پہنچ گیا اور وہاں بھی انقلاب آ گیا تو انہیں مشرق سے بالکل مایوس ہونا پڑے گا۔ اس لئے کہ ان کی نظر میں جتنے لوگ تھے انہیں ہمارے خلاف ابھارا چاہے وہ علماء ہوں، سربراہان مملکت ہوں یا حکام ہوں۔ وہ آٹھ سال جن میں ہم نے اسلام کا دفاع کیا ہے کسی بھی اسلامی ملک نے ہماری مدد نہیں کی بلکہ اکثر اسلامی ممالک نے اس کی مدد کی، اسے اسلحے دیے، پیسے دیے افرادی قوت فراہم کی اس کی وجہ صرف یہی تھی کہ ہم اسلام کو نافذ کرنا چاہتے تھے۔

مسلمان فرق و مذاہب اصول میں مشترک ہیں جیسے کتاب، سنت، قبلہ وغیرہ اس لئے انہیں متحد ہونا چاہیے اگر یہ متحد نہ ہوئے تو کفار ان پر غالب آجائیں گے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بہت سے اسلامی ممالک، بعض اہل سنت علماء اور کچھ ہمارے علماء اس بات کے لئے کوشاں تھے کہ مسلمان بھائیوں کے درمیان تفرقہ ڈالیں وہ اس بات کی تبلیغ کرتے تھے کہ ایرانی مجوسی ہیں اور مسلمان نہیں ہیں اس طرح وہ تفرقہ ڈالنا چاہتے تھے۔

تمام ذرائع ابلاغ اور تبلیغاتی مراکز ہم پر حملہ کرتے ہیں صدام اگر ایک چھوٹا سا جھوٹ بولتا ہے اسے بہت بڑا بنا کر پیش کرتے ہیں کہتے ہیں اگر عراق ایرانیوں کے ہتھے چڑھ گیا یا ایران عراق پر غالب آ گیا تو یہاں شیعہ حکومت برسر اقتدار آئے گی۔

ہم نے روز اول سے یہی قصد کیا ہے کہ اسلام پر عمل کریں اور تفرقہ نہ ڈالیں کیونکہ یہ قرآنی آیات کی واضح مخالفت ہے ہم چاہتے ہیں کہ تمام مسلمان خود مختار ہوں اور کفار ان پر حکومت نہ کریں جس ملک میں جو قوم و مذہب ہو وہاں اسی کی حکومت ہو۔ امید کرتا ہوں کہ آپ جیسے افراد کی سنجیدگی کے ذریعہ ہماری یہ آرزوئیں پوری ہوں اور انشاء اللہ ہم خدائے منان کی رحمتوں سے مایوس نہیں ہیں۔

خداوند متعال ایک قلیل تعداد کو بھی بڑی سے بڑی طاقت پر کامیاب کر سکتا ہے جیسا کہ آپ نے مشاہدہ کیا کہ ایرانی قوم کے پاس کچھ نہیں تھا سب کچھ امریکہ اور شاہ کے ہاتھ میں تھا لیکن خدا پر ایمان کے زیر سایہ وہ کامیاب ہوئی اور صدام کامیابی کی جانب ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا سکا جبکہ اس کے پاس تمام وسائل اور سازو سامان تھا تھوڑے ہی عرصہ میں ایران نے اسے باہر نکال دیا اگر چہ اب بھی کچھ علاقوں میں ان کے فوجی موجود ہیں۔

تمام مسلمانوں کو متحد اور متفق رہنا چاہیے آپ ایک عالم اور دانشور ہیں آپ علمائے اہل سنت سے رابطہ کیجئے اور انہیں سمجھائیے کہ ایران مسلمانوں کے درمیان پھوٹ نہیں ڈالنا چاہتا اور نہ ہی کسی پر چڑھائی کا ارادہ رکھتا ہے۔

ہم نے کبھی عراق پر حملہ نہیں کیا لیکن اب چونکہ ہم پر حملہ ہوا ہے اس لئے دفاع کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور عراق میں داخل ہو کر دفاع کرنے پر مجبور ہیں کیونکہ وہ دور ہی سے بمباری کرتے ہیں اور ہمارے بچوں اور بوڑھوں کا قتل عام کرتے ہیں۔ ہم اسلام اور مسلمانوں کا دفاع کرنے کے لئے اس سے بھی آگے جانے کے لئے مجبور ہیں لیکن ہمیں عراق یا کسی دوسرے ملک کی زمین کا ایک بالشت ٹکڑا بھی نہیں چاہیے۔

خداوند عالم سے آپ کی توفیقات میں اضافہ کا طالب ہوں جہاں بھی رہیں اپنے آپ کو مضبوط کیجئے خدا انشاء اللہ نصرت فرمائے گا وقتی شکست سے بھی نہ گھبرائیں کیونکہ اسلام کی راہ میں کوئی چیز بھی شکست نہیں ہے ہم اسلام کے لئے لڑتے ہوئے مریں گے یا کامیاب ہوں گے ہمیں موت کا کوئی خوف نہیں ہے۔ ہم اسلام کی خدمت کریں گے آپ پوری کوشش کیجئے عوام کو بیدار کرنے کی۔ تمام مشکلات کی ذمہ دار یہ حکومتیں ہیں انہیں چاہیے کہ عقل کے ناخن لیں اور خود کنارہ کشی کرلیں یا قوم قیام کرے اور ان کا قلع قمع کرکے اسلامی حکومت قائم کرے۔ خدا سے آپ کے لئے توفیق کا طالب ہوں۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

تبرک اور دعا

امام خمینی کے لئے روزانہ کا ایک کام یہ تھا کہ ہزاروں لوگ قند، مشری، کپڑا، سکے، نوٹ اور اس طرح کی دوسری چیزیں لے کر آتے تھے تاکہ وہ امام کے دست مبارک سے متبرک کریں یا بیماروں کی شفایابی، مشکلات کے رفع ہونے اور برکت وغیرہ کے لئے امام دعا پڑھ دیں۔ہم ان سب چیزوں کو ان کی خدمت میں لے جاتے اور آپ بہت توجہ کے ساتھ ان پر ہاتھ پھیرتے یا اگر دعا کی درخواست ہوتی تو دعا پڑھتے۔

خدا کی مشیت ،اس پاک بندۂ خدا کے خلوص اور مراجعین کے یقین کی بنیاد پر ایسے حیرت انگیز واقعات رونما ہوئے کہ کاش ان سب کو تحریر کیا گیا ہوتا یا ریکارڈ کیا گیا ہوتا۔ ان میں سے جو مجھے یاد رہ گئے ہیں ان میں سے نمونہ کے طور پر صرف ایک واقعہ ذکر کرتا ہوں۔

معجزہ کیا، منکر معتقد ہو گیا

ہلال احمر کے ملازم ہمارے ایک دیندار اور صالح دوست، آقای خلیلی نے مجھے فون کیا اور بہت پریشان ہو کر بتایا کہ ان کا ایک بہت اچھا دوست جس کا نام اکبری ہے محاذ پر زخمی ہو گیا ہے بم کا ایک چھرّا اس کے دماغ میں گھس گیا اور اس کی حالت کافی نازک ہے ڈاکٹروں نے بھی مایوسی کا اظہار کرتے ہوئے اس کی موت کو یقینی بتایا ہے اب ہماری ساری امید خدا کی عنایت اور امام کی دعا پر ہیں ۔

پھر بہت ہی اصرار کرتے ہوئے مجھ سے درخواست کی کہ کچھ مقدار قند امام کی خدمت میں لے جاؤں اور ان سے اسے متبرک کرنے اور مریض کے لئے دعا کی گزارش کروں ، بہر حال میں نے کچھ مقدار قند لی اور سارا ماجرہ بتاتے ہوئے امام سے دعا کی التماس کی۔جب میں واپس دفتر آیا تو آقای خلیلی آچکے تھے انہوں نے قند لی اور فورا واپس چلے گئے ۔کچھ دن کے بعد انہوں نے مجھے فون کیا اور خوشی سے روتے ہوئے میرا شکریہ ادا کیا اور خوشخبری سنائی کہ ان کا دوست اب خطرے سے باہر ہے اور ڈاکٹروں کو یہ دیکھ کر سخت حیرت ہے۔ کچھ مہینوں بعد انہوں نے دوبارہ فون کیا اور امام کے ساتھ اس شفا یافتہ شخص کی ملاقات کی درخواست کی ہم نے اس کی درخواست قبول کرلی اور وہ صحیح و سالم امام کی زیارت سے مشرف ہوا۔

انہوں نے مجھ سے نقل کیا کہ فلاں ڈاکٹر جو میرا علاج کررہا تھا اور میری صحت یابی سے بالکل مایوس ہوچکا تھا میرے ٹھیک ہونے کے بعد مجھ سے بولا: ہم ڈاکٹر لوگ معجزات اور کرامات پر یقین نہیں رکھتے لیکن جب آپ جیسے لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ موت کے منہ سے واپس آکر اپنے پیروں پر کھڑے ہوجاتے ہیں اور چلنے پھرنے لگتے ہیں تب ہم معجزہ اور کرامات کو ماننے پر مجبور ہوجاتے ہیں ۔

تحائف کی درخواستوں کا مثبت جواب

ایسی بے شمار درخواستیں دفتر کو موصول ہوتی تھیں جن میں امام سے ان کا رومال ، کپڑے، عمامے کا ٹکڑا ، جانماز یا اس طرح کی دوسری چیزیں جنہیں امام استعمال کرتے ہوں ؛کی درخواست کی جاتی تھی اور تقاضا یہ ہوتا تھا کہ تبرک کے طور پر ان کے لئے بھیجی جائے امام ان میں سے کسی کی بھی درخواست رد نہیں کرتے تھے بلکہ جیسے ہی انہیں بتایا جاتا تھا فلاں نے یہ درخواست کی ہے تو فورا اٹھتے تھے اور وہ چیز لیکر آتے تھے تاکہ اس کے لئے بھیجی جاسکے ،اس کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیں ۔

ایک شہید کے بھائی کا خط اور درخواست

باسمہ تعالیٰ

عزیز، عظیم اور مہربان باپ کی خدمت میں سلام عرض کرتا ہوں۔ سلام اور ارادت و اخلاص کے اظہار کے بعد ہمارے یہاں رسم ہے کہ بڑا چھوٹے کو تحفہ بھیجتاہے اسی طرح یہ بھی رسم ہے کہ اگر کوئی تحفہ بھیجے تو جواب میں اسے بھی تحفہ بھیجا جاتا ہے۔آپ کے اس چھوٹے بیٹے نے آپ کے لئے اس لالچ میں ایک تحفہ بھیجا ہے تاکہ اسے بھی تحفہ ملے۔ انشاء اللہ اگر آپ نے تحفہ قبول فرمایا اور اس مہربان باپ نے اپنے بیٹے کے لئے بھی کوئی تحفہ بھیجنا چاہا تو گزارش ہوگی کہ اس کے لئے اپنی وہ عبا ارسال فرمائیں جس میں آپ نے سالہا سال نمازیں پڑھی ہوں تاکہ حقیر بھی برسوں تک اس میں نماز پڑھے کہ شاید اس کی برکت سے ہماری نمازیں شرف قبولیت حاصل کرلیں۔ آپ کا چھوٹا بیٹا۔

شہید امیر حسین آقا خانی کا بھائی علی رضا آقا خانی۔زاہدان

21/2/1986

امام کا جواب

باسمہ تعالیٰ

عزیز بیٹے! امید کرتاہوں کہ خدا مجھے آپ جیسے عزیزوں کی قدر کی توفیق دے۔ خدا سے آپ کے لئے توفیق اور سعادتمندی کا طلبگار ہوں۔خداوند عالم ہماری عزیز قوم کو سعادتمند فرمائے جس نے اسلام کی راہ میں کسی بھی فداکاری سے دریغ نہیں کیا۔ اور مجاہدین عزیز کو حتمی کامیابی عطا فرمائے میں آپ سب کو دعاؤں میں کبھی نہیں بھولتا۔

والسلام علیکم

روح اللہ الموسوی الخمینی

ایک لبنانی شہید کی زوجہ اور کربلا کی سجدہ گاہ

ایک لبنانی شہید کی زوجہ نے امام کو ایک خط لکھا جو ادیبانہ تعبیرات اور ادب سے سرشار تھا جس سے امام کے تئیں اس کے عشق و محبت اور قلبی لگاؤ کا صاف پتہ چلتا تھا بلکہ امام سے محبت کا ایک تلاطم خیز دریا تھا وہ خط۔ اس نے عشق و محبت اور جانثاری کے اظہار کے بعد لکھا تھا: آپ سے صرف ایک درخواست ہے کہ میرے لئے کربلا کی ایک خاک شفا ارسال فرمائیں تاکہ زندگی کے آخری لمحہ تک اس پر سجدہ کروں اور موت کے بعد اسے کفن میں رکھ کر اپنے ساتھ لے جاؤں تاکہ میرے کام آسکے۔ مجھے یقین تھا کہ امام جیسے ہی شہید کی زوجہ کی درخواست دیکھیں گے فورا سجدہ گاہ لینے کے لئے اٹھیں گے دوسری طرف مجھے یہ احتمال تھا کہ شاید امام کے پاس اضافی سجدہ گاہ نہ ہو یا اس وقت ان کی دسترس میں نہ ہو اور امام کو اس کے لئے زحمت اٹھانا پڑے اس لئے میں نے اپنی وہ سجدہ گاہ جو کچھ عرصہ پہلے مجھے ایک دوست نے دی تھی اور ابھی تک استعمال نہیں ہوئی تھی احتیاط کے طور پر ساتھ رکھ لی اور ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔

امام نے خط پڑھنا شروع کیا اور جیسے ہی شہید کی زوجہ کی درخواست پر پہنچے فورا اپنی جگہ سے اٹھے تاکہ سجدہ گاہ لیکر آئیں میں نے عرض کیا کہ میرے پاس ایک سجدہ گاہ ہے امام نے وہ سجدہ گاہ مجھ سے لے لی اسے متبرک کیا اور مجھے واپس لوٹا دی تاکہ اسے زوجۂ شہید کے لئے ارسال کروں ۔میں دفتر واپس آیا تو ظہر کے وقت قم سے ایک دوست مجھ سے ملنے آئے ہوئے تھے ۔

انہوں نے جیب سے سجدہ گاہ نکالی اور مجھے دیتے ہوئے بولے : یہ سجدہ گاہ تقریبا چالیس سال پرانی ہے جوحال ہی میں مجھے میری ساس نے ہدیہ کی ہے میرے دل میں آیا کہ اسے آپ کو دیدوں یہ سن کر مجھے سخت حیرت ہوئی اور میں کانپنے لگا۔ میرے دوست بھی میری حالت دیکھ کر حیران ہوگئے جب میں نے صبح کا ماجرا بیان کیا تو وہ بھی منقلب ہوگئے ۔

ابھی یہ واقعہ میرے ذہن سے نہیں نکلا تھا کہ شام کو جب میں گھر سے دوبارہ دفتر آیا تو میں نے اپنی میز کے کنارے ایک کارٹون پایا۔یہ وزارت خارجہ کی طرف سے ایک خط کے ہمراہ میرے نام آیا ہوا تھا کارٹون کھول کر دیکھا تو سجدہ گاہوں سے بھرا ہوا تھا ۔

خط خلیج فارس میں اسلامی جمہوریہ ایران کے ایک سفیر کی جانب سے تھا جس میں لکھا ہوا تھا: یہ سجدہ گاہیں امام خمینی کا ایک مقلد اور عاشق ایک عرصہ قبل کربلا سے ان کے لئے لایا ہے اور درخواست کی ہے اسے امام کی خدمت میں پہونچائیں ۔یہ سجدہ گاہیں دس الگ الگ قالب میں تھیں میں نے اگلی صبح ان میں سے ایک

ایک نمونہ اٹھایا اور امام کی خدمت میں لے گیا اور ان سے عرض کی یہ فلاں جگہ سے آپ کے لئے بھیجی گئی ہیں ۔

امام نے فرمایا:میرے لئے کافی ہیں بقیہ دوسروں میں تقسیم کردیں جب تقسیم کیا تو دس سجدہ گاہیں حقیر کے حصہ میں آئیں اس طرح "من جاء بالحسنة فله عشر امثالها" کا ایک زندہ نمونہ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا۔

رومال کی درخواست

مرجع عظیم الشان اور رہبر کبیر انقلاب ۔ سلام علیکم

یہ زبان و قلم قاصر ہے اس عظیم الشان کی توصیف سے جس نے حضرت ابراہیم کی طرح بت شکنی کی اور نمرودیوں کو ہلاک کیا جس نے حضرت عیسیٰ کی طرح مسیحائی سانسوں سے ملت ایران کو نئی زندگی بخشی اور جس نے اپنے جد حضرت محمد ﷺ کی طرح بت پرستی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور اس کی جگہ اسلام کو نافذ کرکے اپنی جان کی بازی لگا کر تمام سختیوں اور مصیبتوں کو برداشت کیا۔

اے امام عزیز! اے وہ کہ جس کے ایک لمحہ پر میری اور میرے تمام بچوں کی جانیں قربان ہوں۔ اے غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی قوموں کے نجات دینے والے۔اے وہ کہ جس پر دنیا کے تمام مظلومین و مستضعفین کی نگاہیں ہیں ۔یہ بندہ ناچیز آپ سے جو کہ ہمارے روحانی باپ ہیں ایک چھوٹا سا تقاضا رکھتا ہے۔اب جب کہ ہمارے امام ہماری دسترس سے دور ہیں ان کے نائب سے تقاضا کرتاہوں کہ اپنا کوئی رومال ،لباس کا کوئی ٹکڑا یا کوئی اور چیز جو آپ کے دست مبارک سے متبرک ہوئی ہو میرے لئے ارسال فرمائیں تاکہ اسے کفن میں رکھ کر قبر میں اپنے ساتھ لے جاؤں۔

خدایا خدایا تا انقلاب مہدی زندہ رہے خمینی

آپ کا فدائی ۔ز۔ز

پتہ : اصفہان ، دستگر خیار ، خیابان کشاورزی

مذکورہ خط امام کی خدمت میں پیش کیا گیا امام اسے پڑھتے ہی اپنی جگہ سے اٹھے ایک رومال جو برف کی طرح سفید تھا لائے اور ہمیں دیا تاکہ اسے مذکورہ پتہ پر ارسال کیا جائے ۔

لِلامام(امام کے لئے)

ایک دن ایک عربی خاتون دفتر میں آئی اور سونے کے زیورات سے بھرا ہوا ایک تھیلا ہمارے سامنے رکھا چونکہ امام اس طرح کی کوئی بھی چیز خود نہیں رکھتے تھے مگر یہ کہ لانے والے کی طرف سے یہ واضح کر دیا گیا ہو کہ کس استعمال کے لئے لایا ہے اس لئے ہمارا بھی یہ اصول تھا کوئی بھی چیز امام کی خدمت میں پہنچانے سے پہلے لانے والے سے تمام معلومات لیتے تھے کہ وہ کس لئے لایا ہے ؟ کن چیزوں میں صرف کیا جائے وغیرہ

اس لئے میں نے اس خاتون سے پوچھا : سونے کے زیورات آپ کس کے لئے لائی ہیں ؟ جواب دیا : لِلامام (امام کے لئے) ان دنوں یہ معمول تھا کہ اس طرح کی چیزیں محاذ کی امداد کے لئے لائی جاتی تھیں اس لئے میں نے مزید وضاحت چاہی: آپ کی امانت امام کی خدمت میں پیش کی جائے لیکن امام اسے کس چیز میں صرف کریں ؟

پھر وہی جواب دیا : للامام (امام کے لئے)

میں نےسوچا شاید ابھی پوری بات اس کےلئے واضح نہیں ہوئی ہے اس لئے پھر پوچھا: کیا اسے خیرات ، ضرورتمندوں کی مدد، مسجد یا امامباڑے وغیرہ بنانے کے لئے خرچ کیا جائے ؟ اس کے پاس ہمارے سوالوں کا ایک ہی جواب تھا : للامام ۔

اب بات مکمل واضح ہوگئی تھی میں نے ان زیورات کی لسٹ بنائی اوراس پر امام کی مہر لگانے کے لئے اس سے پوچھا : آپ کا نام کیا ہے ؟ جواب دیا : عثمان عربی میں نام کے ساتھ باپ کا نام بھی لایا جاتاہے۔ اس وقت ہمیں سمجھ میں آیا کہ یہ خاتون اہل سنت ہے جب مزید جستجو کی تو معلوم ہوا کہ یہ خاتون ایک ایسے ملک سے آئی ہے جہاں عراق سے زیادہ امام اور اسلامی جمہوریہ کے خلاف زہر اگلا جارہا ہے اور پروپیگنڈے کئے جارہے ہیں ۔

پھر انہوں نے بتایا کہ ایران آنے اور اپنا سارا زیور امام کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے ایک تیسرے ملک سفر کیا اور پھر وہاں سے اسلامی جمہوریہ ایران کے لئے ویزا لیا ہے وہ بھی پاسپورٹ پر نہیں بلکہ الگ سے ایک کاغذ پر تاکہ پاسپورٹ پر ایرانی ویزا ہونے کی وجہ سے اسے بعد میں مشکلات کاسامنا نہ کرنا پڑے بڑی صعوبتوں اور سختیوں کے بعد ایران اور پھر جماران پہنچی تھی ۔

ان برسوں اس طرح کے دسیوں افراد آتے تھے اور بعض تو اس سے بھی زیادہ عجیب اور حیرت انگیز ہوتے تھے مختلف ممالک کے متعدد افراد خود ایران آکر اپنے ملک میں اسلامی جمہوریہ کی سفارت کے ذریعہ یا ادارہ تحفظ مفادات ایران کے توسط سے مختلف اور قیمتی سے قیمتی تحائف امام کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔

یہ چیز دنیا بھر میں پاک و پاکیزہ دلوں میں امام خمینی کی محبت اور ان کے نفوذ کے گہرے نقوش اور عمیق اثرات کا پتہ دیتی ہے جبکہ دوسری طرف عالمی سامراج کے زر خرید ذرائع ابلاغ کے زہر آلود پروپیگنڈے اور نفسیاتی تبلیغات کالے بادلوں اور ضخیم حجابوں کی طرح امام اور دنیا والوں کے درمیان رکاوٹ بنے ہوئے تھے۔

ان تحائف کا ایک نمونہ سونے اور جواہرات کی وہ دسیوں چیزیں تھیں جو امریکہ میں مقیم امام خمینی کے ایک عراقی عاشق نے تحفظ مفادات اسلامی جمہوریہ ایران کے ذریعہ امام کے لئے بھیجی تھیں جن کی فہرست بناکر امام کی خدمت میں پیش کی گئی اور آپ نے ہمیشہ کی طرح اس کی طرف کسی بھی قسم کی رغبت کا اظہار کئے بغیر فرمایا: ''اسے محاذ کے لئے دیدیجئے''

سچی محبت اور وفاداری

ایک زمانے میں عراقی حکومت نے یہ طے کرر کھا تھا کہ امام خمینی کے تمام طرفداروں اور دوستوں پر دباؤ ڈالے ان افراد میں سے حقیر بھی تھا حکومت کے کارندے کئی دن میرا تعاقب کرتے رہے میں تین دن تک امام کے گھر میں چھپا رہا لیکن عراقی حکومت کی خفیہ ایجنسی پیچھا چھوڑنے والی نہیں تھی۔

اس دیار غربت میں نہ مخفی زندگی کا امکان تھا اور نہ ہی عراقی جیلوں کا گھٹن، سخت سزا اور بے دردی سے قتل کئے جانے کا ماحول تسلیم ہونے کی اجازت دیتا تھا۔ بہر حال میں نے امام سے مشورہ کیا انہوں نے بھی اس سلسلہ میں عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: میں کیا کہہ سکتا ہوں ؟ پھر شہید محمد منتظری کے کہنے پر میں نے خود کو بعثیوں کے سامنے پیش کردیا۔انہوں نے مجھے کربلا منتقل کیا جو اس وقت صوبہ کا مرکز تھا وہاں سے بغداد بھیجا گیا اس طرح کئی دوسری جیلوں اور'' یعقوبیہ'' سے منتقل ہوتا ہوا ''خانقین'' نامی جیل پہونچا دیا گیا اس طرح کی حرکتیں جو بعثیوں کے تصور میں امام خمینی کی صلابت کو ختم کرنے اور امام کے طرفداروں پر رعب و دہشت طاری کرنے کے لئے تھیں جن کا کئی دنوں تک مجھے سامنا کرنا پڑا۔

پھر جب ایک دن میں نماز عشاء کے بعد دعا پڑھنے میں مشغول تھا کھڑکی کے باہر سے مجھے آواز دی گئی میں سامنے آیا تو وحشیوں کی طرح مجھ پر ٹوٹ پڑے اور راتوں رات مجھے بغداد لے جایا گیا۔ رات اسی دہشت

،گالیوں اور توہین کے ساتھ گزری۔ حالات اور بعض قرائن کے تجربہ سے یہ لگ رہا تھا کہ صبح مجھے پھانسی دیدی جائے گی۔میرے علاوہ جیل میں موجود دوسرے قیدیوں کا بھی یہی خیال تھا۔ صبح مجھے بلایا گیا تو مجھے یہ دیکھ کر سخت تعجب ہوا کہ جو میں نے سوچا تھا اس کا بالکل الٹا ہوا۔

ان کا برتاؤ بدل گیا تھا جب میں وہاں کے سربراہ کے کمرے میں پہونچا تو اس نے بڑے ہی ادب و احترام سے مجھ سے کہا: سید امام کو ہمارا سلام کہئے گا اور ان سے کہئے گا کہ ہمیں غلط فہمی ہوگئی تھی اس لئے ہمیں معاف فرمائیں۔ میں کچھ نہیں سمجھ پارہا تھا کہ یہ سب کیسے ہوا۔

وہ بولا آپ آزاد ہیں اور فلاں صاحب آپکو لینے نجف آرہے ہیں۔ کم نہیں ایسے افراد جو آسائش و امن کے دنوں میں اپنے دوستوں کے ساتھ محبت کا اظہار کرتے ہیں لیکن جب وہ مصیبت اور مشکلات کا شکار ہوجاتے ہیں تو ان سے لاتعلق ہو کر دور ہٹ جاتے ہیں بلکہ کوشش کرتے ہیں کہ سب کچھ بھلادیں اور انہیں یاد کر کے کبیدہ خاطر نہ ہوں۔یہ ایک نمونہ تھا جب میں نے امام کے اندر سچی محبت اور وفاداری دونوں کا مشاہدہ کیا ۔

جب میں نجف لوٹا تو مجھے معلوم ہوا کہ امام کے فرزندِ اکبر آقائے مصطفیٰ نے امام کی اجازت سے حقیر کو چھڑانے کے لئے بالواسطہ اقدام کیا ہے ۔ جب میں امام کے گھر میں مخفی تھا اس وقت مصلحت کی وجہ سے انہوں نے مجھے وہاں رک جانے کا مشورہ دیا اور نہ ہی چلے جانے کی ترغیب دلائی لیکن ایسا کام کیا کہ ان کے طرفدار اور حامی اجنبیت اور بے پناہ ہونے کا احساس نہ کریں ۔

خداوند عالم کے علاوہ دنیا ومافیہا سے نا امید ہونے کے بعد جب میں نے خود کو دوبارہ امام کے حضور میں پایا تو اس وقت سمجھ میں آیا کہ جب میں ان کے گھر میں مخفی تھا اور وہاں ٹھہرنے یا خود کو دشمن کے حوالے کرنے کے بارے میں ان سے مشورہ کیا تو اس وقت امام اس قدر مطمئن کیوں تھے ۔

ڈرتا ہوں آپ کو درد نہ ہوجائے

امام خمینی کے ہاتھ کے انگوٹھے میں کافی تکلیف تھی ڈاکٹر عارفی ایک ماہر ڈاکٹر کو علاج کے لئے امام کی خدمت میں لائے۔ ڈاکٹر موصوف نے امام کا معائنہ کیا اور کچھ سوالات کے بعد اپنے دونوں ہاتھ آگے بڑھائے اور عرض کی: میرے ہاتھوں کو دبایئے۔ امام نے اپنے مخصوص لہجہ میں بہت ہی متانت کے ساتھ مذاق کرتے

ہوئے فرمایا: ڈرتا ہوں آپ کو درد نہ ہوجائے اس کے ساتھ ہی امام کے لبوں پر تبسم کے خوبصورت پھول کھلتے گئے۔

یہ ماہر ڈاکٹر جو شاید پہلی بار امام کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور امام کی شخصیت سے بہت زیادہ مرعوب تھا امام کا معائنہ کرتے وقت اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے، جب امام نے اس کے ساتھ اس طرح مذاق کیا تو وہ بھی ہنسنے لگا اور پھر اطمینان کے ساتھ امام کا معائنہ کیا۔

27/12/1985

آیۃ اللہ شاہرودی کے ساتھ ملاقات

امام خمینی اپنی انفرادی اور معاشرتی زندگی کے تمام امور میں اسلامی آداب و روایات کی رعایت فرماتے تھے۔ اہل علم بالخصوص مراجع کرام اور بزرگ علماء کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے اور ان کی منزلت و مرتبہ کے حساب سے ان سے ملاقات کرتے تھے۔ مکہ معظمہ اور خانہ خدا کے زائرین کا بطور خاص احترام بجا لاتے تھے
۔

نجف کے عظیم مرجع آیۃ اللہ شاہرودی فریضہ حج کی ادائگی کے بعد نجف لوٹے تھے۔ ہم لوگ مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد امام خمینی کے ہمراہ ان کی زیارت کرنے کے لئے گئے۔آیۃ اللہ شاہرودی اور امام نے ایک دوسرے کے ساتھ بہت گرمجوشی کے ساتھ مصافحہ اور معانقہ کیا اور پھر ایک دوسرے کے بغل میں بیٹھ گئے ۔باہری کمرہ جو کہ تھوڑا بڑا تھا طلاب کرام سے بھرا ہوا تھا۔

آیۃ اللہ شاہرودی کافی ہشاش بشاش اور شگفتہ مزاج انسان تھے اور ان کی نشستیں مزاح و نشاط سے معمور ہوتی تھیں اس خاص ملاقات میں سب لوگ اس بات کے انتظار میں تھے کہ امام کے سنجیدہ چہرے پر بھی مسکراہٹ کے آثار نظر آئیں ۔ آیۃ اللہ شاہرودی ہر ایک کو مساکم اللہ شب بخیر کہہ رہے تھے۔ انہوں نے داہنی طرف سے ابتدا کی اور ایک ایک کو مساکم اللہ کہنے لگے جب ایک بھیڑ کا نمبر آیا تو انہوں نے پورے ہاتھ کے اشارے سے مساکم اللہ کہا جب ان کے پیچھے بیٹھے ہوئے افراد کی باری آئی اور انہوں نے محسوس کیا کہ ایک ایک کرکے سب کو اشارہ نہیں کیا جاسکتا تو انہوں نے اپنا اشارہ بدل دیا اور ایک انگلی کے بجائے پوری دس انگلیوں کے ساتھ کئی بار اشارہ کرتے ہوئے سب کو مساکم اللہ کہا۔ یہ دیکھ کر سب لوگ آواز کے

ساتھ ہنسنے لگے جس کے بعد امام بھی مسکرا دیئے وہاں ہم نے امام کی مسکراہٹ کا ایک منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

امام کی مسکراہٹ اور ہنسی

جن لوگوں کا امام کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ہوتا تھا وہ گاہے بگاہے امام کے مہربان چہرے پر ایک خوبصورت اور دلربا مسکراہٹ دیکھتے رہتے تھے لیکن امام آواز کے ساتھ بہت کم (نہ کے برابر) ہنستے تھے یہی وجہ ہے کہ نجف میں جہاں امام روزانہ رات میں آدھا گھنٹہ بیٹھتے تھے کبھی بھی کسی کی ہنسی کی آواز نہیں آتی تھی اور کوئی ایسی بات بھی نہیں کی جاتی تھی جو اس طرح کی ہنسی کا باعث بنے۔
ایک منظر جہاں ہمیں امام کے ہنسنے کی آواز سنائی دی آیۃ اللہ شیخ مجتبیٰ لنکرانی کے ساتھ ملاقات تھی۔آیۃ اللہ لنکرانی کو مزاح اور طنز میں ایک خاص مہارت تھی اور انہوں نے یہ طے کرر کھا تھا کہ آج کسی بھی طرح امام کو ہنسانا ہے۔اس دن آیۃ اللہ لنکرانی نے اپنی زندگی کے وہ واقعات سنانا شروع کئے جنہیں سن کر کوئی بھی بے تحاشا ہنسنے کے لئے مجبور ہوجائے لیکن امام کسی پر بھی نہیں ہنسے بلکہ دوسرے افراد بھی امام کو دیکھ کر اپنی ہنسی کو روک لیتے تھے۔آقای لنکرانی بھی ہار ماننے والے نہیں تھے انہوں نے آخری تیر چھوڑتے ہوئے ایک بزرگ کا واقعہ نقل کیا جو ہمیشہ درس میں اپنی مثالیں دیا کرتے تھے آخر کار امام ہنس دئے اور امام کی ہنسی کے ساتھ ہی دوسرے دوستوں کی دبی ہوئی ہنسی آزاد ہوئی اور فضا میں ہنسی کا ایک دھماکہ ہوا۔
امام کی ہنسی کا ایک واقعہ جماران میں پیش آیا۔ وہ اس طرح سے کہ حاج عیسیٰ امام کی خدمت میں چائے لیکر حاضر ہوئے تو اچانک انہیں چھینک آگئی امام نے حاج عیسیٰ سے "یرحمکم اللہ" کہا حاج عیسیٰ نے امام کا جواب دینے کی کوشش کی لیکن انہیں یاد نہیں آرہا تھا کہ اس کے جواب میں کیا کہا جاتا ہے۔ وہ بہت سے جملے دہراتے رہے آخر کار جب کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو انہوں نے "سمع اللہ لمن حمدہ" کہہ دیا۔امام کو یہ جواب سن کر بے اختیار ہنسی آگئی۔
حاج عیسیٰ سٹپٹاتے ہوئے بولے:"آقا میں نے کوئی غلطی کی ہے ؟ جس پر امام نے بہت مہربانی کے ساتھ فرمایا : نہیں اتنی بھی بے تکی نہیں تھی"۔
ایک اور واقعہ امام کے بیٹے احمد خمینی نے ہمارے لئے نقل کیا کہ ایک دن ملیٹری میں مشترکہ کمیٹی کے سربراہ محترم ظہیر نژاد ایک کمانڈر کے ساتھ رپورٹ پیش کرنے کے لئے امام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔اس

کمانڈر نے اس چیز کا خیال کئے بغیر کہ اس کا مخاطب کون ہے اور امام کے پاس وقت کم ہوتا ہے ''بسم اللہ'' کے بعد پورا خطبہ اور آیہ'' ونریدان نمن علی الذین استضعفوا۔۔۔'' پڑھنا شروع کی۔ محترم ظہیر نژاد جو امام کے ساتھ مختصر اور کسی بھی طرح کی چاپلوسی یا ریاکاری کے بغیر گفتگو کیا کرتے تھے اسے ٹوکتے ہوئے مخصوص انداز میں بولے : جناب! اصلی مدعا بیان کرو تم نے کیا سمجھا کہ تم عوام کے سامنے تقریر کر رہے ہو محترم ظہیر نژاد کی بات سن کر امام بہت ہنسے ۔

ساتوا

ں باب

تمام کاموں میں نظم وضبط

نظم وضبط اور پاکیزگی

امام خمینی کی پوری زندگی نظم و ضبط اور ڈسپلن کی ایک مثال تھی۔ جہاں ان کی زندگی کا ہر کام ایک خاص نظم و ضبط کے ساتھ انجام پاتا تھا وہیں انہیں اس بات کا بھی پورا خیال تھا کہ ان کا کوئی کام دوسروں کی زندگی میں خلل کا سبب نہ بنے وہ کبھی اس چیز سے غافل نہیں ہوتے تھے ۔

روزانہ کی عبادات ، تلاوت قرآن ، دعائیں ، مختلف کتابوں کا مطالعہ ، خبریں سننا، چہل قدمی ، ہلکی پھلکی ورزش جو ڈاکٹروں نے ان کی صحت کے لئے ضروری بتائی تھی ، شرعی سوالات کے جوابات ، خاص امور میں دوسروں کو اجازت دینا ، ملاقاتیں ، گھر والوں کے ساتھ معاشرت ، کھانا ، صفائی اور آرام ان میں سے ہر کام بطور منظم اور اپنے وقت پر انجام پاتا تھا۔

یہی نظم و ضبط ان کے ہفتہ وار امور میں بھی پایا جاتا تھا جیسے ہر جمعہ کو آٹھ بجے کی مختصر خبریں سننے کے بعد حمام کے لئے تیار ہوتے اور غسل جمعہ کے لئے جاتے ۔ جمعہ ہی کے دن میں کچھ خاص رپورٹیں بھی ان کی خدمت میں پہونچایا کرتا تھا۔ البتہ جس وقت انہیں حمام جانا ہوتا اس وقت کسی بھی قسم کے دستخط یا کوئی بات کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ جمعہ کو آٹھ بجکر کچھ منٹ پر حمام جاتے تھے ۔

صابن اور پیٹھ وغیرہ ملنے کے لئے خاص کپڑے کا استعمال ضرور کرتے تھے البتہ امام کی کمر پر کپڑا ملنے کی توفیق ایک بوڑھے کو ملتی تھی جو جماران کے جنرل حمام میں کام کرتا تھا۔ وہ جمعہ کو 8:5 پر امام کے اشارے سے حمام میں داخل اور اپنا کام انجام دیتا۔ امام جمعہ کے غسل میں ایک گھنٹے زیادہ وقت لگاتے تھے اور نو بجکر کچھ منٹ پر باہر آتے تھے امام کا حمام بالکل سادہ اور چھوٹا ساتھا جس میں ایک شاور ،ایک طشت اور پلاسٹک کا ایک چھوٹا سا ٹب تھا۔

امام صرف ان ایام میں حمام نہیں جاتے تھے جن دنوں ڈاکٹروں کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔ ایک بار بیماری کی وجہ سے دو جمعہ کو لگاتار ڈاکٹر نے انہیں حمام جانے سے منع کیا لیکن کپڑے ضرور تبدیل کرتے تھے ۔ ان کے کپڑے اگرچہ بہت سادہ ہوتے تھے لیکن بہت ہی پاک و پاکیزہ اور صاف ستھرے ہوتے تھے ان کے موزوں تک میں کسی نے کبھی دھبہ یا میل نہیں دیکھا۔ان کا پورا گھر اور کارپیٹ وغیرہ ہمیشہ صاف ستھرا رہتا تھا لیکن اس کے باوجود وہ کمرے میں مخصوص چپل پہن کر چلتے تھے چپل اتنی استعمال کرتے تھے کہ وہ بالکل پرانی اور بوسیدہ ہوجاتی تھیں ۔

معطرّ فضا

امام کی زندگی کی ہر فضا، ان کا کمرہ، عبادت کی جگہ، سونے کا کمرہ وغیرہ پ صاف ہوتا تھا اور ہمیشہ ایسی خوشبو سے معطر رہتا کہ جو سانسوں کو اپنی طرف جذب کرتی اور دلوں کو موہ لیتی تھی مختصر الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ امام خمینی کی زندگی اگرچہ سادگی اور قناعت کا ایک مکمل نمونہ تھی اور ان کے یہاں اسراف کی کوئی گنجائش نہیں تھی لیکن پاکیزگی اور صفائی اور بہترین قسم کی عطر استعمال کرنے میں وہ بے مثال تھے۔

ان کی زندگی اسلامی آداب و روایات کا مصداق تھی کیونکہ اسلامی تعلیمات کے مطابق ظاہری پاکیزگی وطہارت باطنی پاکیزگی اور تہذیب روح کا مقدمہ ہے وہ افراد جن کی روح اور ایمان جنت رضوان کی خوشبو سے معطر ہو اور ان کا جسم بھی معطر ہونے کا حق رکھتا ہے۔

امام کے دوست اور ان کے چاہنے والے ایران اور بیرون ایران سے امام کے لئے عطر لاتے اور ان کی خدمت میں پیش کرتے تھے اور امام ان میں سے اپنے لئے بہترین عطر کا انتخاب فرماتے تھے اور اس کا اثر یہ تھا کہ وہ افراد جو امام سے قریب تھے اور ان کے ساتھ نشست و برخاست کرتے تھے ان کی کوشش ہوتی تھی امام کے حضور شرفیابی کے لئے ان کا پسندیدہ عطر استعمال کریں۔

کاموں کی انجام دہی میں ذرہ برابر بھی دیر نہیں!

امام کبھی بھی آج کا کام کل پر نہیں ٹالتے تھے ان کی زندگی کے تمام کام منظم اور بروقت ہوتے تھے۔ان کی زندگی میں ہر چیز اپنی خاص جگہ پر تھی اور ہر کام بغیر کسی جلد بازی یا تاخیر کے اپنے وقت پر انجام پاتا تھا۔ کاموں کی کثرت،مختلف امور ،روزانہ کی رپورٹیں اور دیگر چیزوں کے باوجود امام کے کسی کام میں خلل واقع نہیں ہوتا تھااور نہ ہی کوئی کام چھوٹتا اور ادھورا رہتاتھا۔کبھی کوئی چیز کھوتی بھی نہیں تھی ۔کپڑے ،کتابیں، قلم،ریڈیو اوران کی دوسری چیزیں سب اپنی اپنی جگہ پر ہوتی تھیں۔اگر کسی کی کوئی امانت ہوتی یا کوئی چیز کسی کو دینا ہوتی تو اسے وقت ضائع کئے بغیر پہلی فرصت میں انجام دیتے تھے۔

بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ کسی فقہی یا دوسرے موضوع سے متعلق کتاب کی انہیں ضرورت پڑتی تو ہم فراہم کردیتے تھے اس کے اگلے دن یا ضرورت پوری ہوجانے کے بعد ان کا سب سے پہلا کام یہی ہوتا تھا کہ

کتاب لانے والے کو واپس کردی جائے جبکہ کتاب لانے والا چاہے حقیر ہو یا کوئی اور یہ افتخار حاصل کرنا چاہتا تھا کہ وہ کتاب امام رکھ لیں ۔

اکثر ایسا ہوتا کہ آقای سید صادق لواسانی یا دوسرے افراد کچھ دنوں کے وقفے کے بعد امام کی خدمت میں چیک لیکر آتے اور امام فوراً ہمارے سپرد کرتے کہ اسے اکاؤنٹ میں ڈال دیا جائے ۔ کبھی کبھی کاموں کی کثرت کی وجہ سے تھوڑی دیر کے لئے بھول جاتے کہ چیک ہمیں دیں پھر گھنٹی بجاکر ہمیں بلاتے اور چیک ہمارے سپرد کرتے تھے۔

اگرچہ امام کا کمرہ بہت محفوظ اور منظم تھا اور وہاں سے کسی چیز کے گم ہوجانے کا بہت کم امکان تھا لیکن پھر بھی آپ کوئی چیک یا امانت اپنے پاس نہیں رکھتے تھے بلکہ ہمارے حوالے کردیتے تھے ۔

مالیات اور خمس وزکات

میں امام خمینی نے مجھے اپنے پاس بلایا۔ میں ، حجۃ الاسلام رسولی وحجۃ الاسلام صانعی ایک ساتھ امام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ امام نے کچھ ضروری گفتگو اور ہدایات کے بعدفرمایا : آپ تین افراد شرعی اموال کے حساب وکتاب کے ذمہ دار ہیں اس سلسلہ میں تمام امور آپ کے ذریعہ انجام پائیں گے اس کے بعد وہ تمام نقد پیسے اور چیک جو ان کے پاس تھے ہمارے حوالے کئے گئے فوری طور پر جماران سے قریب صادرات بینک میں ہم تین افراد کے نام اکاؤنٹ کھولا گیا اور ساری رقم اس میں ڈال دی گئی اس کے بعد تمام کام امام کے حوالے سے انجام دیئے جاتے اور ان سے متعلق دستاویزات بھی منظم طور پر محفوظ رکھی جاتی تھیں ۔

یہ کام امام کی رحلت اور اس وقت اکاؤنٹ میں موجود پورا پیسہ حوزہ علمیہ قم کی مینجمنٹ کمیٹی کے سپرد کئے جانے تک جاری رہا۔امام کی زندگی کے آخری ایام میں بیرونی کرنسی کا ایک اکاؤنٹ بھی امام کے نام پر کھولا گیا جس سے پیسے وصول کرنے کے لئے امام خمینی کے علاوہ دیگر دو افراد کو دستخط کی اجازت تھی ایک حقیر اور دوسرے امام کے دفتر کی ایک فرد ۔ وہ تمام رقوم جو اموال شرعی کے عنوان سے ڈالی جاتی تھیں ان کا اندراج کیا جاتا تھا اور پیسوں کی وصولی امام یا دفتر کے دیگر دو افراد کے دستخط سے انجام پاتی تھی ۔

امام کی رحلت کے بعد ان کی وصیت کے مطابق اس اکاؤنٹ کا سارا پیسہ بھی حوزہ کی مینجمنٹ کمیٹی کے حوالے کردیا گیا جیسا کہ پہلے بھی اشارہ کیا چکا ہے۔ مالیات اور شرعی رقوم سے متعلق امور اور مہر و رسید وغیرہ کاکام آٹھ بجکر کچھ منٹ پر شروع ہوجاتا تھا۔ آغاز میں روز جمعہ کے علاوہ ہفتے کے تمام دنوں میں کام انجام پاتا تھا

کچھ عرصے بعد سنیچر ، بدھ اور جمعرات کو بھی یہ کام بند کردیا گیا اگر چہ کام اور رسید کی تعداد پہلے سے زیادہ ہوگئی تھی۔

کام اس طرح سے انجام دیا جاتا تھا کہ پہلے محترم رسولی صاحب سوالات اور اجازات کی درخواست پیش کرتے تھے اور اسی وقت امام خمینی اپنی مہر نکال کر مجھے دیتے اور محترم صانعی نے جو رسیدیں پہلے سے تیار کی ہوتی تھیں انہیں ایک بار چیک کرتے اور مجھے دیتے جاتے اور میں بھی ان پر مہر لگاتا تھا۔ محترم رسولی کے سوالات کا سلسلہ کچھ ہی دیر میں ختم ہوجاتا تو وہ رسیدوں کو چیک کرتے اور میں مہر لگاتا جاتا تھا۔اس وقت ہمارا کام امام کے سامنے رسیدوں پر مہر لگانا ہوتا تھا۔

البتہ تکرار اور مشق کی وجہ سے ہمارے کام میں بہت تیزی آگئی تھی ہم کم وقت میں کافی تعداد میں رسیدیں چیک کرتے اور ان پر مہر لگاتے تھے اس کام کے لئے تین دن کم کرنے کی اصل وجہ یہی تھی ۔ امام اس وقت رپورٹوں کو بھی دیکھتے تھے اور ہمارے کام پر بھی نظر رکھتے تھے انہوں نے ہمارے کام کی سرعت کو بھی بہت باریک بینی سے نوٹ کیا تھا جیسا کہ امام کے بیٹے سید احمد نے بیان کیا کہ امام دوبار مجھے آپ کے کام کی سرعت کے بارے میں بتا چکے تھے ۔

امام کی رسید امام کے نام

جہاں تک مجھے علم ہے امام خمینی پہلے مرجع تقلید تھے جنہوں نے حکم دیا کہ شرعی رقوم کی وصولی اور اور ان کی پرداخت دقیق اکاؤنٹ سسٹم کے تحت انجام دی جائے۔ جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہوا کہ یہ کام امام نے محترم سید ہاشم رسولی محلاتی ، شیخ حسن سانعی اور حقیر کے ذمہ کیا تھا۔ رقوم کی وصولی محترم محلاتی ، انہیں پرداخت کرنا محترم حسن صانعی اور وصول شدہ اور پرداخت شدہ حساب کا اندراج وغیرہ حقیر کے ذمہ تھا۔

صادرات بینک میں ہم تینوں کے نام جو اکاؤنٹ کھولا گیا تھا اس کے لئے بھی ہم نے دفتر امام کی جانب سے ایک خط لکھا جس پر ہم تینوں کے دستخط ہوئے نیز امام خمینی کی طرف سے تصدیق حاصل کی گئی اس خط میں یہ لکھا گیا تھا کہ اس اکاؤنٹ میں ڈالی جانے والی رقم شیعیان جہان کے مرجع تقلید ، رہبر انقلاب، اسلامی جمہوریہ کے بانی آیۃ اللہ العظمیٰ سید روح اللہ مصطفوی خمینی (مد ظلہ العالی) سے متعلق ہے ۔

خط میں خاص تاکید کی گئی کہ امام کی جانب سے اس بات کی پوری تاکید کی جاتی ہے کہ اس رقم کا ایک پیسہ بھی ان کا اپنا نہیں ہے اور نہ ہی ان کے وارثوں کی وراثت ہے اسی طرح اس رقم کا ایک ریال بھی کسی دوسرے شخص یا اس کے وارثوں سے تعلق نہیں رکھتا۔

امام خمینی کی ایک خاصیت یہ تھی کہ وہ قوانین او ر اصولوں کے بہت پابند تھے اور اس سلسلہ میں سب سے آگے تھے ان غرض مند اور نادان افراد کے تصور کے بر عکس جو نظام ولایت فقیہ کو کمزور کرنے کے لئے یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ ولی فقیہ قانون سے بالا تر ہے جبکہ حقیقت میں اسلامی سماج کا رہبر اور فقیہ وہ انسان ہے جو اسلامی نظام میں دوسروں سے زیادہ قانون اور اصول کا پابند ہوتا ہے امام ہو یا کوئی بھی دوسرا ولی فقیہ جیسا کہ آج کل آیۃ اللہ امام خامنہ ای ہیں،اسے اسی لئے اہم ذمہ داری سونپی جاتی ہے چونکہ وہ عمل کے میدان میں شرعی امور کا سب سے زیادہ پابند ہوتا ہے نیز جو قوانین احکام شرعی کے مطابق بنائے جاتے ہیں ان پر عمل پیرا ہوتا ہے اور یہ حضرات خود کو دوسروں سے ممتاز نہیں سمجھتے۔

امام خمینی نے دفتر کے لئےجو آئین بنایا تھا اس کی بنیاد پر حقیر کا یہ اصول تھا کہ امام کی اجازت اور وصول کنندہ کے دستخط کے بغیر کسی کو کچھ نہیں دیتا تھا۔بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ امام بعض اخلاقی اصولوں کی رعایت کرتے ہوئے اپنے ہاتھوں سے کسی کو کچھ دینا چاہتے تھے اور چونکہ شرعی رقوم کا حساب وکتاب حقیر کے ہاتھ میں تھا بلکہ وہ رقوم جو براہ راست امام کو دی جاتی تھیں وہ بھی امام حقیر کے سپرد کردیتے تھے ایسے میں امام وہ معین رقم ان کی خدمت میں پہنچانے کے لئے کہتے تھے۔

بعض لوگوں کا یہ خیال تھا کہ وہ کروڑوں کی رقم جو امام کی طرف سے ہمارے پاس امانت تھی اگر ان میں سے کچھ بالفرض پچاس ہزار تومان امام کی خدمت میں پیش کئے جائیں تو اس کے لئے رسید اور ان سب چیزوں کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ان کی نظر میں ایسا کرنا امام کی توہین اور ایک خلاف اخلاق کام تھا لیکن امام اس چیز کے قائل نہیں تھے اس لئے امام جب کبھی اس طرح کی رقم کا مطالبہ کرتے تو جس طرح دوسرے لوگوں کو ایک خاص فارم دیا جاتا تھا اور اس پر ان کی وصولی کے دستخط لئے جاتے ہیں حقیر امام کی خدمت میں وہ فارم لے کر حاضر ہوتا تھا صرف اس فرق کے ساتھ کہ اس فارم میں وصول کنندہ کی جگہ بھی امام کا نام اور دستخط ہوتے تھے یعنی امام کی رسید امام کے نام کٹتی تھی۔

پہلی مرتبہ جب امام نے اس طرح کی رقم کا مطالبہ کیا تو حقیر نے عرض کیا: اگر آپ کی اجازت ہو تو اس فارم میں دوسرے لوگوں کی طرح وصول کنندہ کا نام درج کیا جائے ، امام نے خندہ پیشانی سے اس رائے کا

استقبال کیا۔ اس کے بعد ہمیشہ رقم کے ساتھ فارم بھی امام کی خدمت میں پیش کیا جاتا تھا اور امام بھی بلا تاخیر اس پر اپنے نام کی مہر لگاتے تھے۔

امام کے اس عمل نے ہمیں اتنا جری بنا دیا تھا کہ ہم ہر ایک کے ساتھ یہی طریقہ اختیار کرتے تھے چاہے وہ کوئی بھی ہو۔ایک بار امام کے فرزند ارجمند سید احمد خمینی نے حقیر کو فون کیا اور کہا کہ امام نے حکم دیا ہے کہ ایک لاکھ تومان مجھے دئے جائیں تاکہ میں خود اس رقم کو فلاں شخص تک پہنچاوں۔ میں نے محترم مہربان کو رقم لینے کے لئے آپ کے پاس بھیجا ہے ۔میں نے ان سے فون پر ہی کہا : آپ رسید پر دستخط کردیجئے میں پیسے بھیج دوں گا۔

مہربان میرے پاس آئے تو میں نے ان سے کہا : دفتر سے رسید لے کر احمد آقا سے دستخط لے کر آئیں اور پیسے لے جائیں۔ وہ گئے اور تھوڑی دیر بعد واپس آکر بولے : احمد آقا نے کہا ہے کہ وہ بعد میں رسید دیں گے میں نے انہیں واپس بھیجا اور کہا : احمد آقا سے کہیے پہلے اپنے دستخط کے ساتھ رسید بھیجیں کیونکہ ممکن ہے بعد میں ہم بھول جائیں یا رسید گم ہوجائے اس بار احمد آقا نے غصہ میں رسید پر دستخط کرکے انہیں بھیجا اور ہم نے پیسے ان کے حوالے کردیئے۔

یہ خبر پورے دفتر میں پھیل گئی اور بعض دوستوں نے میری سرزنش کی ایک نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ رحیمیان نے اپنے پیر پر کلہاڑی ماری ہے اب دفتر میں اس کی کوئی حیثیت نہیں رہے گی اسے نکال دیا جائے گا لیکن حقیر کے لئے صرف امام اور امام کے لئے امانتداری اہم تھی دفتر میں رہنے یا وہاں سے نکالے جانے کی کوئی حیثیت نہیں تھی میں دفتر میں پیسے جمع کرنے نہیں آیا تھا کہ مجھے کسی چیز کا خدشہ ہو یا میری دنیا کے لٹ جانے کا خطرہ ہو دنیا کی کوئی بھی چیز میرے دل سے امام خمینی کی محبت اور ان کا عشق نہیں نکال سکتی تھی ۔

بہت سے لوگوں کا یہ گمان تھا کہ اب مجھے سید احمد آقا کے عتاب کا شکار ہونا پڑے گا لیکن اس کا برعکس ہوا کیونکہ وہ ظاہر بین افراد احمد آقا کی درایت،بلندی طبع اور ان کے وسعت قلب سے آگاہ نہیں تھے کچھ دن بعد احمد آقا نے مجھے اطلاع دی کہ شرعی رقوم کے لئے امام کی تائید سے آپ کے نام ایک اکاؤنٹ کھولا جائے گا اس لئے آپ محترم کفاش زادہ کے ساتھ جاکر اکاؤنٹ کھولیں اس اکاؤنٹ میں صرف آپ کی دستخط سے تمام وصولیاں انجام پائیں گی ۔

اگر چہ احمد آقا امام کے حکم کی انجام دہی میں عجلت اور حقیر کی سختی کی وجہ سے غصہ ہوئے تھے لیکن آخر کار وہ امام کے بیٹے تھے اور امام کی دردمند اور دلسوز روح سے متاثر تھے انہوں نے نہ صرف مجھے دفتر سے باہر نہیں کیا بلکہ امام کے ساتھ بات کرکے حقیر کے نام سے ایک الگ اکاؤنٹ کھلوانے کی منظوری لے لی۔

آیۃ اللہ خامنہ ای پر خاص عنایت

آیۃ اللہ خمینی نے اپنے تمام امور کے لئے جو نظام الاوقات بنایا تھا اس کے مطابق آٹھ بجے کی مختصر خبریں سننے کے بعد کاوقت دفتر کے ضروری کام اور رسیدوں پر مہر وغیرہ لگانے کے لئے معین کیا گیا تھا اوراس میں کبھی تبدیلی نہیں ہوتی تھی یہاں تک کہ جن دنوں شدید سردی یا ضعف کی وجہ سے امام ملاقات والے کمرے میں نہیں آسکتے تھے ہم لوگ ان کے بیڈ روم میں جاتے تھے تاکہ اور دوسرے کاموں میں کوئی رکاوٹ یا خلل واقع نہ ہو یا اگر کبھی امام کو کوئی دوسرا کام ہوتا تو پہلے سے مطلع کرتے کہ اس وقت مجھے فلاں کام ہے تاکہ نظم و نسق میں خلل نہ آئے۔

دفتری امور کے اور جوانوں کے عقد نکاح پھر دست بوسی اور اس کے بعد اگر حکومتی افراد یا دوسری شخصیات سے ملاقات کا پروگرام پہلے سے معین کیا گیا ہوتا تو وہ انجام پاتا تھا۔ ان سب کے باجود کچھ ایسے بھی واقعات پیش آئے جن کے لئے امام نے حکم دیا کہ باقی تمام کام روک کر انھیں انجام دیا جائے جن میں سے ایک کا تذکرہ ہم پہلے کرچکے ہیں اوراس کی دوسری مثال آیۃ اللہ سید علی خامنہ ای سے متعلق ہے۔

ایک بار آیۃ اللہ خامنہ ای ٹھیک صبح آٹھ بجے امام سے ملاقات کے لئے دفتر پہنچ گئے جب امام کو ان کے آنے کی اطلاع دی گئی تو انہوں نے معمول کے برعکس فرمایا: "باقی کاموں کو بعد کے لئے رکھئیے" اس طرح پہلے آیۃ اللہ خامنہ ای نے امام سے ملاقات کی اور دفتری امور بعد میں انجام دئے گئے۔

ان ایام میں ہم آیۃ اللہ خامنہ ای پر امام کی اس خاص عنایت اور توجہ کی وجہ سمجھنے سے قاصر تھے لیکن ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ امام خمینی کی درایت اور مستقبل بین نگاہوں کا ایک نمونہ ہماری آنکھوں کے سامنے ظاہر ہوا۔

ایک دوسرا نمونہ

جنگ کے ایام میں امام اور اسلامی انقلاب کی عاشق عوام کی طرف سے محاذ کے لئے مختلف طرح کی امداد امام کے دفتر کو موصول ہوتی تھی ۔ نقدی امداد امام کی اجازت سے زیادہ تر فیضیہ کی امداد رساں کمیٹی تک پہنچائی جاتی تھی لیکن زیورات، بیرونی کرنسی اور دوسری قیمتی اشیاء امام کے حکم سے آیۃ اللہ خامنہ ای کے سپرد کی جاتی تھیں تاکہ ان کے ذریعہ محاذ جنگ کے لئے خرچ کی جایں ۔

آیۃ اللہ خامنہ ای کے ساتھ امام کا برتاؤ بعض مسائل میں ان پر دوسروں سے زیادہ اعتماد اور ان کے بارے میں بعض خاص تعبیرات کے استعمال سے معلوم ہوتا تھا کہ امام کی نظر میں آیۃ اللہ خامنہ ای کا ایک خاص مقام اور مرتبہ ہے جس کا تذکرہ امام نے کئی بار اپنے محرم راز سے بھی کیا تھا۔

یہاں اس بات کا ذکر بھی ضروری ہے کہ ملک کے اہم مسائل بالخصوص ملک کی قیادت کے سلسلہ میں امام کا طریقہ یہ تھا کہ اسلامی معاشرہ اعتقادی اور سیاسی لحاظ سے بلوغ اور بلندی تک پہنچے ۔ مجلس خبرگان کی تشکیل کے بعد امام کی عمر کے آخری برسوں میں مجلس خبرگان کی طرف سے امام کے نائب کے طور پر جس فرد کو منتخب کیا گیا تھا امام اس کے حق میں نہیں تھے بلکہ شروع ہی اس فرد کے نائب کی حیثیت سے منتخب کئے جانے کے مخالف تھے لیکن امام نے مجلس خبرگان کی رائے کااحترام کرتے ہوئے اس وقت تک اپنی رائے کا اظہارنہیں کیا جب تک وہ واقعات اور حقائق سامنے نہیں آگئے جن کی بنیاد پر ان کے نائب کو معزول کردیا گیا۔

دوسری طرف بعض خاص قرائن اور دلائل کی بنیاد پر امام خمینی اپنے بعد آیۃ اللہ خامنہ ای کی قیادت کے حق میں تھے مگر انہوں نے اس کے لئے بھی کبھی اقدام نہیں کیا لیکن اس کے باوجود وہ پرسکون ضمیر اور مطمئن دل کے

ساتھ خداوند عالم پر بھروسہ کئے ہوئے تھے کہ یہ قوم جس نے خدا کی راہ میں ہزاروں شہید دیے ہیں اور فدکار نثار کئے ہیں خدا اس پر لطف و کرم کرے گا اور وہ بہترین فرد کو قوم کی قیادت کے لئے چنے گی پھر ویسا ہی ہوا جیسا کہ امام خدا سے چاہتے تھے۔

امام کے لئے ریڈیو

امام خمینی کے پاس دو تین ریڈیو تھے جن کی خوبی یہ تھی کہ چھوٹے سائز کے تھے جس کی وجہ سے ان کے اٹھانے میں آسانی ہوتی تھی لیکن ان کا عیب یہ تھا کہ بار بار خراب ہوجاتے تھے اور دھیرے دھیرے اتنے خستہ حال ہوگئے تھے کہ امام ہر دوسرے دن ایک ریڈیو لے کر آتے اور فرماتے کہ خراب ہوگیا ہے ان کی تعمیر وغیرہ کا کام حقیر کے ذمہ تھا۔

ان دنوں میرے ذہن میں اکثر یہ خیال آتا تھا کہ دنیا میں امام خمینی کے علاوہ بھی کوئی قائد ، یا ملک کا سربراہ یا کوئی افسر جو مسلسل ریڈیو سنتا ہو اور ریڈیو کی وجہ سے اتنا سر درد رکھتا ہو گا۔بہر حال میں اس نتیجہ پر پہنچا کہپہلے امام کو مطلع کئے بغیر ایک مناسب اور اچھا ساریڈو امام کے لئے فراہم کرتا ہوں پھر ان سے کسی بھی طرح اجازت لے کر ان کی خدمت میں پیش کروں گا۔

میں نے ریڈیو فراہم کیا اور اسے کام میں لانے کا طریقہ بھی اچھی طرح سیکھ لیا۔ دوسرے دن تمام کاموں کی انجام دہی کے بعد میں امام کی خدمت میں پہنچا اور عرض کی: آپ کے پاس جو چھوٹے ریڈیو ہیں وہ کافی خستہ حال بھی ہیں اور جلدی خراب بھی ہوجاتے ہیں اگر آپ کی اجازت ہو تو ایک بڑا انٹینے والا ریڈیو آپ کے لئے لایا جائے۔

آپ نے جواب میں فرمایا: بڑا ریڈیو یہاں تھا ہمارے کسی کام کا بھی نہیں تھا چھوٹا ریڈیو بہتر ہے۔ چونکہ امام کبھی کبھی ٹہلتے ہوئے یا اپنے ملاقات یا سونے کے کمرے میں بھی ریڈیو کا استعمال کرتے تھے اس لئے ان کے لئے ایک چھوٹا ،ہلکا ریڈیو مناسب تھا جسے وہ آرام سے اٹھا سکیں۔

ایک دن جب امام اپنے کمرے اور ہال کے درمیان ٹہل رہے تھے کمرے میں گئے اور وہاں سے دو چھوٹے ریڈیو لاکر مجھے دیئے اور بولے: یہ بھی خراب ہوگئے ہیں انہیں لے جایئے اس وقت میں نے موقع مناسب سمجھا اور عرض کی اب اگر اجازت ہو تو ہم وہ ریڈیو لے کر آئیں جسے ہم نے آپ کے لئے فراہم کیا ہے۔ ایک دو دن تک استعمال کیجئے اگر پسند نہیں آیا تو واپس کردیں گے۔ امام نے حقیر کا اصرار دیکھ کر رضایت دیدی۔ دوسرے دن برفباری کے باوجود ہم نے بعض دوستوں کی مدد سے چنار کے درخت پر انٹینا لگایا اور ریڈیو کام کرنے لگا۔

ایسی جگہ رکھیں جہاں علی کا ہاتھ نہ پہنچے!

تقریباً 12:25 بجے تھے یہ سوچ کر کہ امام نماز سے فارغ ہوچکے ہوں گے میں نے دق الباب کیا امام نے معمول کے مطابق بسم اللہ کہا اندر جانے پر دیکھا کہ امام ابھی جانماز پر بیٹھے ہیں میں نے عرض کیا: اگر اجازت ہو تو ہم ریڈیو چالو کرنا چاہتے ہیں کچھ دیر کے بعد امام نے وہیں سے آواز دی: آقائے رحیمیان! میں جب سامنے گیا تو بولے: کہاں رکھ رہے ہیں؟

میں نے عرض کی آپ کے بغل والی منبر پر۔ بولے نہیں! ایسی جگہ رکھئیے جہاں علی کا ہاتھ نہ پہنچے پھر خود ہی اپنے تخت کے اوپر نقابی شکل کی ایک طاق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولے: وہاں رکھئیے۔

علی امام کا پوتا اور سید احمد آقا کا بیٹا ہے جو امام سے بہت زیادہ مانوس تھا وہ دن میں کئی بار امام کے پاس آیا کرتا تھا امام چاہتے تھے کہ ریڈیو بھی محفوظ رہے اور علی بھی کھل کر اپنی بچکانہ حرکتیں انجام دے کیونکہ وہ اتنا چھوٹا تھا کہ اسے روکا نہیں جاسکتا تھا اور امام بھی نہیں چاہتے تھے کہ اسے امر و نہی کے ذریعہ آزردہ خاطر کریں اس لئے ریڈیو ایسی جگہ رکھوایا کہ اس کی نوبت ہی نہ آئے۔

امام کا یہ طرز عمل بھی والدین کے لئے ایک حکیمانہ درس ہے کہ بچوں کی تربیت میں اس طرح کی چیزوں میں ان کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا جائے اور کیا طریقہ اختیار کیا جائے بالخصوص بچپن کا زمانہ جب انہیں اچھے برے اور صحیح و غلط کی تمیز نہیں ہوتی اس وقت بچوں کی شرارتوں پر ان سے الجھنے ، ڈانٹنے یا مارنے کے بجائے اس طرح کا طریقہ اختیار کیا جائے۔

90 منٹ نماز ظہر میں مشغول رہے

امام خمینی ابھی تک جانماز پر بیٹھے نماز ودعا وغیرہ میں مشغول تھے اور حقیر اپنا کام انجام دے رہاتھا امام جانماز سے اٹھے اور میرے پاس آکر بولے: میں آپکو زحمت نہیں دینا چاہتا تھا دو دن سے آپ زحمت اٹھا رہے ہیں

۔

تقریبا آدھے گھنٹے بعد دوبارہ آئے اور بہت مہربان اور شفقت بھرے لہجہ میں تقریبا وہی جملے کہے حقیر امام کی اس مہربانی اور شفقت کو دیکھ کر کافی شرمندہ ہورہا تھا اور کانپ رہا تھا، کچھ کہہ نہ سکا بس شرمندگی سے سر کو جھکا لیا۔

تقریبا ڈیڑھ بجے ہمارا کام ختم ہوا، امام ضعف و نقاہت کے باوجود اب تک نماز و دعا میں مشغول تھے میں نے خدا حافظی کی اور وہاں سے چلا آیا۔ ایک نکتہ کی طرف متوجہ کرنا ضروری ہے کہ امام کی باجماعت نماز مغرب

کی ایک ویڈیو جو بارہا ٹیلی ویژن سے نشر ہوچکی ہے وہ ماہ رمضان کی ہے جب افطار کا وقت ہوتا ہے ۔دوسرے یہ کہ یہ نماز ان دنوں کی ہے جب شدید سردی تھی۔ تیسرے یہ کہ امام وہاں میزبان اور ماموین مہمان ہیں ۔ شریعت محمدی کا حکم ہے نماز جماعت کمزور ماموین کو نگاہ میں رکھتے ہوئے اختصار کے ساتھ ادا کی جائے لہٰذا اس نماز کو امام کی بقیہ نمازوں کے لئے معیار نہیں بنایا جا سکتا جن میں آپ عام طور سے دعائیں ، اذکار اور تعقیبات بھی بجالاتے ہیں۔

کریمانہ نوازش

دو دن کے بعد جب شدید برف باری ہورہی تھی گھر کی بیل بجی۔ ہمارا ایک دوست تھا جسے امام کی خدمت کرنے کا شرف بھی حاصل تھا اس نے مجھے ایک پیکٹ دیا اور چلا گیا پیکٹ پر لکھا ہوا تھا: یہ آپ کے لئے ہے اس عنایت اور نوازش کی وجہ سے میں مبہوت تھا دل شدت سے دھڑکنے لگا جیسے باہر آنا چاہتا ہو، میری ٹانگوں میں جیسے جان ہی نہ ہو اور بے اختیار آنکھوں سے اشک شوق جاری ہونے لگے ۔

ایک ہفتے سے امام کی خدمت میں حاضر ہوتے وقت ان کا شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا لیکن ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے میں یہ کام کرنے سے عاجز ہوں بہر حال پوری ہمت جٹا کر اپنے مافی الضمیر کو تحریر کی شکل دی اور روزانہ کی رپورٹوں کے ساتھ اسے امام کی خدمت میں پیش کردیا۔ کچھ دن بعد سید احمد آقا نے مجھ سے کہا کہ امام نے آپ کی تحریر پڑھنے کے بعد فرمایا: مجھے نہیں معلوم تھا کہ آقای رحیمیان اس قدر لطیف روح کے مالک ہیں ۔

ایک حکیمانہ درس

بروز جمعرات بتاریخ 9/2/1989 رپورٹیں پیش کرنے کے لئے امام کی خدمت میں حاضر ہوا امام نے اس دن ایک اور تحفہ مجھے عطا فرمایا میں نے عرض کیا: مجھے شرمندہ نہ کیجئے بولے: یہ آپ ہی کا ہے ۔پھر کچھ دیر بعد بولے : یہ ریڈیو (انٹینے والا ریڈیو) بہت اچھا ہے وہ چھوٹے ریڈیو اب کسی کام کے نہیں رہے لیکن یہ بہت اچھا ہے میں نے الحمد للہ کہا۔

اس ریڈیو کے تئیں امام کی رضایت دیکھ کر میں بہت زیادہ خوش تھا بلکہ یوں کہوں کہ پھولے نہیں سما رہا تھا کیونکہ اس طرح میں نے امام کی ایک اور چھوٹی سی خدمت کی تھی۔ پھر میں نے امام سے ایک قرآن پر ان کے دستخط لئے اور دو استخارے بھی دکھوائے جن کی درخواست کی گئی تھی۔ جب میں نے واپسی کی اجازت چاہی تو امام نے فرمایا یہ تحفہ اٹھا لیجئے۔

یہاں محترم قارئین کو دو اہم باتوں کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ پہلی بات یہ کہ ہم امام خمینی کے دفتر میں ایک خادم کی حیثیت سے کام کررہے تھے لیکن ہم بہت سے ایسے کام بھی انجام دیتے تھے جو ہماری دفتری ذمہ داری میں شامل نہیں ہوتے تھے چونکہ ہم واقعا امام کی خدمت کرنا چاہتے تھے ۔ دوسری طرف امام خمینی بھی ان کاموں کو ہماری ذمہ داریوں یا دفتر کے کاموں کی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے بلکہ ان کی نگاہ یہ تھی کہ اس طرح کے کام ہم ان کے لئے انجام دے رہے ہیں اگر چہ وہ یہ بات بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ ہم ان کے لئے جان دینے کے لئے بھی تیار تھے لیکن پھر بھی وہ اتنے کریم اور عظیم تھے کہ ہمیں ان کاموں کا بھی انعام دیتے تھے یہ امام کی طرف سے ہمارے لئے ایک حکیمانہ درس تھا کہ کسی انسان کو بھی حق نہیں ہے کہ وہ اپنے ماتحتوں سے فائدہ اٹھائے یا ان سے ذاتی مفادات کے لئے کام کروائے اگرچہ وہ خود اس کے لئے جان قربان کرنے کے لئے بھی تیار ہوں ۔

دوسری بات یہ کہ امام کی طرف سے مادّی اور معنوی نوازش ہمیشہ ہماری توقع سے زیادہ ہوتی تھی جیسا کہ بہت سے دوستوں کی زبانی مجھے علم ہوا کہ گزشتہ ایک سال میں جتنے لوگوں نے بھی کسی عنوان سے امام کی کوئی خدمت کی ہے ان کے ساتھ امام نے ان کی توقع سے زیادہ کم نظیر بلکہ بعض مواقع پر بے نظیر نوازش و عنایت کی ہے یہ نکتہ اس بات کی طرف بھی متوجہ کرتا ہے کہ امام مال دنیا کے قفس سے آزاد ہو کر لقاء الہی سے متصل تھے ۔

یہ ہماری بے توفیقی تھی کہ ہم نے سالہا سال تک اندھے اور بہرے بن کر اس سرچشمہ آب حیات کے کنارے زندگی بسر کی لیکن اتنے غافل اور مدہوش تھے کہ اس دریائے معرفت سے ایک قطرہ بھی حاصل نہ کرسکے ۔

پیداوار

نجف میں امام خمینی کے درس فقہ میں"اسلامی حکومت" کی بحث جاری تھی اور درس و بحث کا ماحول کافی جذاب اور پر نشاط تھا وہ ماحول جہاں حوزہ کی اعلیٰ تعلیم اور درس خارج میں بعض ایسے مسائل پر بھی بحث و گفتگو کی جاتی تھی جن کا معاشرہ میں کوئی فائدہ نہیں تھا یا بہت کم مفید تھے امام خمینی نے اپنے خاص منطقی اور استدلالی انداز میں "اسلامی حکومت"اور اس کی تشکیل کی ضرورت پر درس کا آغاز کرکے حوزہ کے طلاب و بزرگوں کے افکار میں ایک زلزلہ پیدا کردیا اور اسلامی و شیعہ فقہ کے ایک بہت اہم باب کہ جس پر اس وقت تک غفلت اور فراموشی کا غبار پڑا ہوا تھا،کو تھیوری اور نظریہ کے میدان میں روز روشن کی طرح ثابت کیا اور میدان عمل میں بھی صدیوں پر محیط اہل ایمان کی آرزو کو عملی جامہ پہنایا جسے ایک ناقابل دسترس آرزو سمجھا جاتا تھا بلکہ اہل منطق کے نزدیک جو چیز تصور میں نہیں سماتی تھی اس کی تصدیق کرکے دکھائی۔

ایک دن جب اسلامی حکومت کی تشکیل کے بارے میں امام کی استدلالی گفتگو عروج پر پہنچی اور تمام حاضرین امام کے استدلالوں سے متاثر تھے بلکہ حیرانگی ان کی آنکھوں سے نمایاں تھی ایک طالب علم جو گویا اس بات کا احساس کررہا تھا کہ فوری طور پر ایران واپس جاکر اسلحہ اٹھانا چاہیے بہت جذباتی انداز میں بولا : اس کے لئے ہمیں کیا کام .....؟ابھی اس کا جملہ پورا بھی نہیں ہوا تھا کہ امام نے جواب دیا : ابھی آپ صرف پیداوار کا کام کریں ۔

امام خمینی کی نظر میں ہر بات کے لئے ایک مناسب جگہ اور ہر کام کے لئے ایک مناسب وقت ہوتا تھا اسے اسی مناسب جگہ اورمناسب وقت میں انجام دیتے تھے ۔ اس وقت جس چیز کی ضرورت تھی وہ یہ کہ اس کام (اسلامی حکومت کی تشکیل) کے لئے میدان فراہم کیا جائے اور کیڈر سازی کی جائے جسے امام نے"تولید مثل"کا نام دیا تھا۔ البتہ امام کی زبان سے تولید مثل کا لفظ سن کر سب کی نگاہیں "آقا مصطفیٰ"کی طرف چلی گئیں اور سب کے لبوں پر ایک خاموش مسکراہٹ پھیل گئی کیونکہ وہ دونوں معنی میں "تولید مثل" کے مصداق تھے ۔

توضیح المسائل کی طرف رجوع کریں

نجف میں ہم مسجد شیخ انصاری میں امام خمینی کا درس ختم ہونے کے بعد ان کے ساتھ ان کے گھر جاتے تھے ایک دن میں ان کے ساتھ تھا میرے ذہن میں بہت دنوں سے ایک شرعی مسئلہ تھا جو میں امام سے پوچھنا چاہتا تھا اس دن میں نے موقع پایا تو امام سے مسئلہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا: توضیح المسائل کی طرف رجوع کریں۔

امام کے اس جواب سے مجھے ایک دھچکا لگا لیکن جب میں نے تھوڑا سا غور کیا تو میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ امام نے میری رہنمائی کے ساتھ ایک عظیم درس بھی دیا ہے کہ ایک طالب علم سے جہاں تک ممکن ہو اپنے مسائل اور سوالات سے متعلق کتابوں میں جستجو کرے تا کہ اپنے جواب کے ساتھ وہ مطالعہ، تحقیق، جستجو اور مقصود نظر مواد و مطالب کو کشف کرنے کے طریقہ سے بھی آشنا ہو اور اس راہ میں اپنے پیروں پر چلنا اور کھڑا ہونا سیکھ جائے اور

اگر اس کو اس راہ میں کوئی مشکل پیش آئی تو خود سے زیادہ علم رکھنے والے کسی فرد کی طرف رجوع کرے نہ یہ کہ آرام و آسائش کی خاطر ابتدا ہی سے توضیح المسائل، تحریر الوسیلہ، عروۃ الوثقیٰ یا استفتا کمیٹی کی طرف رجوع کئے بغیر سیدھے مرجع سے پوچھے۔

شعبہ استفتاء سے پوچھا جائے

جماران میں امام کے قیام کے دوران جب ہم امام کے ساتھ تھے وہاں بھی ہم نے بارہا یہی چیز دیکھی جیسے آقائے سید کمال موسوی کے بقول امام سے ایک سوال کیا گیا: "اگر قضا روزہ کسی کے ذمہ ہو اور اس کے پاس وقت بھی کافی ہو کیا وہ اجارے پر روزہ رکھ سکتا ہے؟ امام نے جواب دیا: توضیح المسائل دیکھیں! کہا گیا توضیح المسائل میں نہیں ہے امام نے فرمایا: دفتر میں شعبہ سوال و جواب شرعی سے پوچھا جائے"

اس طرح کی بہت سی مثالیں ہیں جن میں امام خمینی نے ہمیں سکھایا کہ تمام کاموں میں درجات اور نظم کا خیال رکھا جائے اس لئے اس سلسلہ میں بھی درجات اور نظم کا پورا خیال رکھا جاتا تھا اور جب شعبہ سوال و جواب بھی کسی مسئلہ کا جواب نہیں دے پاتا تھا اس وقت مسئلہ امام کی خدمت میں پیش کیا جاتا تھا اور امام جواب دیتے تھے۔

امام خمینی اس کے علاوہ تمام امور میں طولی مراتب اور درجات کے پابند تھے بطور خاص دفتر کے امور میں سخت پابند تھے۔جہاں انہیں معلوم ہوتا تھا کہ متعلقہ شعبہ یا شخص نے ذمہ داری انجام دینے میں کوتاہی کی ہے یا کوئی غلطی کر بیٹھا ہے وہاں امام بہت مناسب رویہ اختیار کرتے تھے سوائے چند خاص مواقع کے ۔ بہت سے امور میں براہ راست مداخلت کرتے تھے جیسے بعض عدالتی مسائل جو کورٹ وغیرہ سے حل نہیں ہوتے تھے ۔

عام طور پر یہی ہوتا تھا کہ جب کسی بھی شعبہ میں امین اور قابل اعتماد لوگوں کو اس شعبہ سے متعلق امور کی ذمہ داری سونپی جاتی اور کسی بھی کام کے لئے اس شعبہ کی طرف رجوع کئے بغیر امام کی طرف رجوع کیا جاتا تو امام صاف فرماتے : یہ کام مجھ سے متعلق نہیں ہے اسے یہاں کیوں بھیجا گیا ؟ کبھی سکوت اختیار فرماتے اور کہتے : متعلقہ شعبہ کے ذمہ دار فلاں صاحب کی طرف رجوع کیا جائے ۔اس سلسلہ میں چند مثالیں بیان کرتے ہیں ۔

جواب میں خاموشی

ایک شہر کے بارے میں بات کی جارہی تھی کہ فلاں آدمی کو اس شہر کا میئر بنایا جانا ہے اس شہر کے ایک معتمد شخص نے جو امام کا پرانا آشنا اور مرید بھی تھا، امام کو لکھا : فلاں عیب (اگر چہ وہ عیب نہیں تھا) کی بنیاد پر اس شخص کو یہاں کا میئر نہ بننے دیا جائے ۔ امام کو بعینہ اس کی رپورٹ دی گئی لیکن امام نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا گویا انہوں نے ہماری بات ہی نہیں سنی امام نے خاموشی اختیار کرتے ہوئے اپنا جواب دیدیا تھا ۔

یہاں کیوں بھیجا گیا؟

شعبہ عقائدو سیاسیات کے ایک ذمہ دار شخص نے ایک خط لکھا جس میں قرض الحسنہ صندوق کھولنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا اس نے اس خط میں صندوق کے فوائد گناتے ہوئے امام سے اس سلسلہ میں امداد کی درخواست کی تھی ۔ جب امام کے سامنے اس کی درخواست پیش کی گئی تو امام نے فرمایا : اسے یہاں کیوں بھیا گیا ہے ؟ یہ گورنمنٹ سے متعلق ہے ۔

مجھ سے کیا مطلب؟

ایک سیاسی پارٹی کے لیڈر نے امام سے اس پارٹی کے کچھ افراد کی رہائی کی درخواست کی تھی جنہیں خاص وجوہات کی بنیاد پر گرفتار کیا گیا تھا اس کی درخواست امام کے سامنے پیش کی گئی تو آپ نے فرمایا: اس کا مجھ سے کیا مطلب ؟ کیا میں نے انہیں گرفتار کیا ہے ؟

یہاں نہیں بھیجنا چاہئیے تھا!

کرائم عدالت کی طرف سے امام کو ایک خط موصول ہوا جس میں مجرم کی فائل ناقص ہونے کی وجہ سے امام سے تقاضا کیا گیا تھا کہ پھانسی کا حکم کالعدم قرار دیں۔ امام نے مجھ سے پوچھا: کیا آپ کو اس کی اطلاع ہے؟ میں نے عرض کی جی ہاں۔فرمایا: اسے سپریم کورٹ بھیجا جائے وہ فیصلہ کریں گے۔ پھر تھوڑے سخت لہجہ میں بولے: یہاں نہیں بھیجنا چاہیے تھا نہیں معلوم یہ کون لوگ ہیں۔

متعلقہ افراد کی طرف رجوع کا حکم

امام کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی تھی کہ تمام امور متعلقہ افراد کے ذریعہ انجام پائیں اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ وہ ان کی شان و منزلت اور رتبہ کو اہمیت دیتے تھے۔وہ خود ملک کے سب سے بڑے عہدے پر فائز تھے اور ان کا ہر حکم حرف آخر تھا لیکن تمام کاموں کے سلسلہ میں متعلقہ افراد کی طرف رجوع کا حکم دیتے تھے۔
اس طرح ایک طرف وہ اسلامی نظام میں مختلف ذمہ داریوں کے بنیادی خطوط بھی کھینچتے تھے اور ساتھ میں تمام افراد پر نظر بھی رکھتے تھے اور ان کے کاموں میں بے جا مداخلت بھی نہیں فرماتے تھے۔ اگر کسی شخص یا ادارہ کی طرف سے کوئی شکایت وغیرہ ہوتی اور خود اس سلسلہ میں کوئی اقدام کرنا چاہتے تو متعلقہ ادارے کے سب سے بڑے عہدہ دار کے ذریعہ اقدام کرتے تھے۔البتہ ایسے مواقع پر بھی صرف کلی اصول بیان فرماتے تھے اور جزئیات متعقلہ افراد پر چھوڑ دیتے تھے جیسے اگر جنگ کے بارے میں کوئی مسئلہ پیش آتا تو فرماتے: آقائے رفسنجانی سے سوال کریں۔
امام خمینی کے حکم کے مطابق ان دنوں آقائے رفسنجانی نائب سپریم کمانڈر کی حیثیت رکھتے تھے اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ ایک بار حوزہ اور یونیورسٹی کے بعض طلاب نے امام کو یہ سوال لکھ کر بھیجا کہ ہم ایک طرف

سے تحصیل علم میں مشغول ہیں اور دوسری طرف محاذ پر بھی جانا چاہتے ہیں ان میں سے کس کو فوقیت دی جائے اور کیا دونوں کو اکٹھا کیا جاسکتا ہے ؟اس کے جواب میں بھی امام نے فرمایا: ان سے کہئے آقائے ہاشمی رفسنجانی سے پوچھیں۔

شیخ مسیب

بہت سے افراد تھے جن کی طرف دوسرے لوگ کوئی خاص توجہ نہیں دیتے تھے یا بعض کو ایک آنکھ بھی نہیں بھاتے تھے لیکن امام ان پر خاص عنایت اور محبت فرماتے تھے ان میں سے ایک نام شیخ مسیب کا ہے جو نجف میں امام کے چاہنے والوں میں سے تھے اور امام خمینی کی رحلت سے کچھ عرصہ قبل کینسر میں مبتلا ہونے کی وجہ سے انتقال فرماگئے۔ امام خمینی دوسرے افراد کے تصور سے مافوق آخر عمر تک مسیب کے ساتھ اپنی ارادت کا اظہار فرماتے رہے۔ ایک بار کسی نشست میں شیخ مسیب کا ذکر خیر چھڑ گیا تو امام خمینی نے گویا سوال کرتے ہوئے فرمایا،ہمارے اپنے شیخ مسیب ؟

بیرونی دروازہ

ایک اور جگہ جہاں مختلف افراد کے تئیں ان کے معنوی درجات اور مرتبہ کے حساب سے امام کی محبت اور ارادت کے اظہار کا منظر دیکھنے کو ملتاتھانجف میں امام خمینی کی بیرونی کمرے کی نشستیں تھیں۔ یہ نشستیں مغرب کے بعد روزانہ ڈھائی سے تین گھنٹے تک جاری رہتی تھی۔ آقائے مصطفیٰ خمینی (امام خمینی کے بڑے بیٹے)دروازے کے پاس بیٹھے رہتے تھے ۔امام خمینی اس کے سامنے جہاں اندرونی دروازہ تھا بیٹھا کرتے تھے ۔

ان نشستوں میں نجف میں مصروف تعلیم و تدریس میں مشغول طلباء اور علماء اور بسا اوقات دوسرے افراد امام سے ملاقات کے لئے آتے تھے۔جب بھی کوئی اندر آتا تو آقا مصطفیٰ کے علاوہ سبھی افراد اس کے احترام میں کھڑے ہوتے تھے لیکن امام خمینی کا رویہ مختلف تھا کسی کو صرف سلام کا جواب دیتے تھے ، کسی کو مسائم اللہ بالخیر کہہ کر خوش آمدید کہتے تھے ، بعض کے احترام میں بیٹھے بیٹھے تھوڑا سا جھکتے اور بعض افراد کے لئے دونوں ہاتھوں کو زمین پر رکھ کر تھوڑا سا اٹھتے ۔بعض لوگوں کے لئے تھوڑا سا جھک جاتے اور بعض کے لئے نیم قد اٹھ جاتے تھے ۔

صرف دو افراد کے لئے میں نے امام کو ان کے آتے اورجاتے وقت پورے قد سے کھڑے ہوتے اور جاتے وقت خداحافظی کے لئے دروازے تک ان کے ساتھ جاتے ہوئے دیکھا ہے ایک "مرحوم سید محمد تقی بحر العلوم" اور دوسرے "آیۃ اللہ شیخ محمد حسین دہقانی" جو دونوں بزرگ اور عمر رسیدہ علماء میں تھے ۔

مختلف افراد کے ساتھ امام خمینی کا برتاؤ اور احترام کا انداز جہاں مختلف تھا وہیں ایک ہی فرد کےساتھ ہمیشہ تقریبا ایک جیسا ہوتا تھا البتہ بعض ایسے افراد بھی تھے جو دو الگ الگ مقام و مرتبہ کے حامل ہوتے تھے ان کے ساتھ امام کا رویہ اور احترام کا انداز ان کے الگ الگ مقام و مرتبہ کے لحاظ سے دو طرح کا ہوتا ہے۔

اوج محبت

کام اور فرائض و ذمہ داریوں کی انجام دہی کے تیئں امام کافی منظم،سنجیدہ اور پابند تھے ۔اگر ایک مدت گزرنے کے بعد بھی اس مہربان امام کے ساتھ مہر و محبت سے سرشار کوئی ملاقات نہ ہوتی تو حقیر بھول جاتا تھا کہ امام اوج محبت اور لطافت و مہربانی سے سرشار روح کے مالک ہیں۔ کام کے وقت وہ بالکل سنجیدہ ہوتے تھے لیکن جب میں ایک مرید کی حیثیت سے ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا تو ان کا رویہ بالکل مختلف ہوتا تھا ۔

میرے والد ماجد جب بھی اصفہان سے جماران تشریف لاتے امام کی دست بوسی کے لئے ضرورت تشریف لاتے اور وہ بھی دوسروں کی طرح صف میں کھڑے ہوتے تھے امام ہر بار ان کی طرف بطور خاص متوجہ ہوتے اور ہاتھ کے اشارے سے انہیں ایوان میں بلاتے تھے ۔

ایک بار والد محترم امام کا اشارہ نہیں سمجھ پائے تو امام نے کئی بار انہیں اشارہ کیا جب وہ ایوان میں تشریف لے جاتے تو امام فرماتے: اندر تشریف لایئے جب دست بوسی کا وقت ختم ہوجاتا تو امام خود ملاقات والے کمرے میں تشریف لاتے اور والد محترم کو بلاتے تھے۔ایک بار حقیر کو والد محترم کے ساتھ دوبار امام کی خدمت میں شرفیاب ہونے کا موقع ملا ۔

وہ امام جو کچھ ہی لمحوں پہلے کام کے وقت بالکل سنجیدہ ہوتے تھے یہاں اس کے برعکس ہشاش بشاش اور مسکراتے چہرے کے ساتھ والد محترم کی حوال پرسی کرتے ہوئے حقیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: یہ یہاں کافی زحمت اٹھاتے ہیں ۔

آٹھواں باب

آگاہی، احاطہ اور جامعیت

دقیق اطلاع

امام خمینی ملک کے اندر اور باہر کے حالات معلوم کرنے کے لئے تمام ذرائع کا استعمال کرتے تھے تاکہ تمام اہم مسائل سے مطلع ہوں دوسرے یہ کہ ان کی اطلاعات صرف ایک ذریعہ سے نہ ہوں بلکہ مختلف ذرائع سے ہوں تاکہ صحیح اور بطور دقیق معلومات فراہم کریں۔

مختلف افراد سے ملاقاتوں نیز مختلف افراد اور گروہوں یہاں تک کہ انقلاب مخالف گروہوں کی طرف سے موصول ہونے والے خطوط کے ذریعہ جہاں امام بہت سے مسائل سے آشنا ہوتے تھے وہیں اسلامی جمہوریہ ایران کے مختلف مراکز کے تمام محرمانہ بولیٹنز سے بھی امام باخبر ہوتے تھے۔

ان سب میں اسلامی جمہوریہ اخبار بولیٹن وہ خاص مرکز تھا جہاں سے روزانہ امام کو دقیق اطلاعات دی جاتی تھیں۔ مجھے یاد ہے شروع میں جمعہ کے دن بھی اس بولیٹن سے تمام خبریں اور اطلاعات امام کی خدمت میں پہنچائی جاتی تھیں لیکن جمعہ کی خبریں سنیچر کی خبروں کے ساتھ ہوتی تھیں جس پر امام خمینی نے متوجہ کیا کہ ہر دن کی خبریں اسی دن روانہ کی جائیں اور اس سلسلہ میں تاخیر نہ ہو۔

صبح و شام کو شائع ہونے والے اخبارات بھی پہلی فرصت میں امام تک پہنچائے جاتے تھے۔ایک بولیٹن ایسا بھی تھا جو دوسری زبانوں کے مضامین ،تجزیے ،کالمز اور رپورٹیں وغیرہ ترجمہ کیا کرتا تھا اور ہفتہ میں کچھ دن شائع ہوتا تھا۔امام خمینی کی اس پر خاص توجہ تھی اگر کبھی اس میں تاخیر ہوجاتی تو امام پوچھتے تھے کہ فلاں بولیٹن میں تاخیر کیوں ہوئی ؟

اسلامی جمہوریہ کی ٹی وی اور ریڈیو کی خبروں کے علاوہ روزانہ کئی بین الاقوامی اور باہری ریڈیو اسٹیشنز کی خبریں بھی سنا کرتے تھے اور اس سلسلہ میں اتنا زیادہ باخبر تھے کہ اگر ان کے وقت اور فریکونسی میں تبدیلی آتی تو فوراً ہمیں مطلع کرتے تھے جبکہ ہمیں کوئی خبر نہیں ہوتی تھی۔ایک دن مجھے بلا کر فرمایا: فلاں اسٹیشن نہیں آرہا ہے میں نے فورا ایک خبر رساں مرکز کے شعبہ فریکونسی کو فون کیا اور ان سے معلوم کیا۔وہ شخص جو اس شعبہ کا ماہر اور ذمہ دار تھا اب تک اس چیز سے بے خبر تھا کچھ دیر بعد اس نے فون کیا اور بتایا کہ وقت بدل گیا ہے۔میں نے امام کو وقت کی تبدیلی کے بارے میں بتایا۔ بتائے گئے وقت پر امام نے مجھے پھر بلایا اور کہا کہ ابھی بھی نہیں پکڑ رہا ہے میں نے کہا شاید اسے بتانے میں غلطی ہوگئی ہوگی شاید آدھا گھنٹہ آگے کا وقت ہو، امام نے کہا: پھر آپ یہیں پر بیٹھ جایئے اور آدھے گھنٹے بعد چیک کیجئے۔

امام بیٹھ کر تلاوت قرآن میں مشغول ہوگئے اور میں امام کے جمال مبارک اور ان کی نورانیت میں کھو گیا۔ یہاں میں نے ایک اور عجیب چیز دریافت کی۔ٹھیک آدھے گھنٹے بعد امام نے سر اٹھایا اور مجھ سے کہا: آدھا گھنٹہ ہوچکا ہے جبکہ امام نے نہ جیب سے گھڑی نکالی تھی اور نہ ہی ان کے سامنے کوئی گھڑی تھی جس پر وہ وقت دیکھتے لیکن حیرانگی کی بات یہ ہے کہ ٹھیک آدھا گھنٹہ گذر چکا تھا۔

میں نے ریڈیو آن کیا لیکن پھر بھی اسٹیشن پکڑ میں نہیں آیا۔ میں نے امام سے عرض کیا: شاید کوئی اور مشکل ہوگی اور پھر وہاں سے چلا آیا جب میں نے دوبارہ معلوم کیا تو بتایا گیا کہ وقت کے علاوہ فریکونسی بھی تبدیل ہوگئی تھی اگلے دن صبح ان کی خدمت میں حاضر ہوکر انہیں مطلع کیا اور فریکونسی بھی ٹھیک کردی۔

دشمن کے ذرائع ابلاغ کا استعمال

امام خمینی دشمنوں بعض نشریات اور ان کی خبروں و تجزیوں کو بھی سنتے تھے البتہ اس سے ان کا مقصد صرف ان خبروں اور تجزیوں سے باخبر اور مطلع ہونا نہیں تھا بلکہ بات اس سے آگے کی تھی کہ اگر اس میں غور کیا جائے تو شاید امام خمینی کی سیاسی شخصیت کا کوئی اور راز ہمارے سامنے منکشف ہوجائے جس میں مسلمان اور آزاد ضمیر لیڈران کے لئے کوئی درس ہو۔اس نکتہ پر گفتگو سے قبل چند باتوں کی طرف توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں۔

1۔ امام خمینی ایک عالم دین اور مختلف اسلامی علوم کے ماہر تھے جنہوں نے دوسرے اسلامی فقہاء اور فلاسفہ کی طرح اپنی پوری عمر الٰہی علوم کے حصول اور تعلیم میں بسر کی تھی اگر چہ وہ اس دوران ایران اور دنیا کے سیاسی مسائل سے بھی غافل نہیں تھے۔امام خمینی نہ کوئی پیشہ ور سیاستداں تھے کہ جنہوں نے اسی وادی میں دوسرے سیاستدانوں کے ساتھ باقاعدہ سیاسات کی لڑائی لڑی ہو اور نہ ہی سیاسی علوم میں انہوں نے باقاعدہ طور پر تعلیم حاصل کی تھی کہ دوسرے افراد کی طرح آپ نے بھی سیاسی مسائل میں غوروخوض اور مطالعہ و تحقیق میں اپنا وقت لگایا ہو۔

2۔سیاست کا ایک اصول ہے کہ آپ کو اپنے تمام دشمنوں اور رقیبوں کے تمام حالات و افکار کے بارے میں دقیق اور وسیع معلومات ہوں اور دنیا میں برسر اقتدار حکام ، دسیوں سال کا خبری اور معلوماتی تجربہ رکھنے والے جاسوس اور خفیہ معلوماتی اداروں (جن میں ہزاروں لوگ جدید وسائل کے ذریعہ دن رات کام کرتے

ہیں) کی رپورٹوں کو دیکھتے ہوئے متعلقہ امور کے بارے میں کوئی فیصلہ لیتے ہیں اگر ایسا نہ ہو تو کوئی بھی ملک دوسرے ممالک کے مقابل رقابت اور اپنی پوزیشن قائم رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔

اسلامی جمہوریہ ایران جو ابھی اپنے پیروں پر صحیح طریقہ سے کھڑا بھی نہیں ہوا تھا اس میں اس طرح کے کسی بھی ادارے کا وجود نہیں تھا اور اگر آغاز انقلاب کو دیکھتے ہوئے سی آئی اے (امریکی خفیہ ایجنسی) جیسے خفیہ اداروں سے اس کا موازنہ کیا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ ایران صفر تھا۔

3۔ اسلامی انقلاب کی تحریک کے دوران اوراس کی کامیابی کے بعد امام خمینی کا سامنا پوری سامراجی دنیا بالخصوص شیطان اکبر امریکہ سے تھا جس کے پاس دنیا کی سب سے زیادہ مضبوط، طاقتور اور تمام وسائل سے لیس خفیہ ادارے ہیں ۔ امام خمینی نہ ایک پیشہ ور سیاستداں تھے اور نہ ہی ان کے پاس خفیہ ایجنسیوں کی طاقت اور وسائل تھے اس کے باوجود آپ نے سیاست کی دنیا میں ایک معجزہ کیا، ایک تہلکہ مچادیا اور اس مدت میں امریکہ اور پوری سامراجی دنیا کو متاثر کیا اس طرح سے کہ وہ اپنی سر توڑ کوششوں کے باوجود نہ امام کے افکار کے سلسلہ میں کوئی پیشنگوئی کرسکے اور نہ ہی امام کے فیصلوں کو نافذ ہونے سے روک سکے ۔

امام خمینی نے ان کے خیالات و تصورات سے مافوق فیصلوں کے ذریعہ امریکہ اور اس اتحادیوں کو ایک ایسے موڑ پر لاکھڑا کیا جہاں سےاور ان کی جھوٹی ہیبت و عظمت کے شیش محل چکنا چور ہوگئے۔

مذکورہ امور اور حقائق میں غور کیا جائے تو امام کی شخصیت کے عجائب میں ایک اور عجیب چیز کھل کر ہمارے سامنے آئے گی جو ان کی تمام دوسری خوبیوں اور خصوصیات کی طرح ان کے معنوی کمال اور الٰہی نورانیت سے مربوط غیبی امداد اور ان کے ایمان و فراست کی طرف پلٹتی ہے، ہاں جہاں تک ظاہری اسباب و وسائل کی بات ہے اس کے لئے کہا جاسکتا ہے کہ دشمن کے ریڈیو چینلز سے اخبارات وتجزیات کا سننا اور بعض بولیٹنز کے مضامین، تجزیوں اوررپورٹوں کا مطالعہ سب سے آسان، کم خرچ اور شارٹ ذریعہ تھا جس سے امام دشمن کے مقاصد، نظریات اور طریقوں سے مطلع ہوتے تھے۔دشمنوں کے بارے میں امام خمینی کے سامنے چار بنیادی چیزیں تھیں:

1۔ وہ اسلام اور اسلامی انقلاب کے پیدائشی دشمن ہیں۔

2۔ ان کے مفادات اسلام کے مفادات کے بالکل برعکس ہیں ۔

3۔ ان کے تمام ذرائع ابلاغ ایک مشین کی طرح ان کی سامراجی سیاست اور اہداف کے لئے استعمال ہوتے ہیں ۔

4۔ ان کی سیاست ان کے جاسوسی نظام اور خفیہ ایجنسیوں کی رپورٹوں کا نتیجہ ہے۔

ان چار چیزوں کی بنا پر امام اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ دشمن کے تمام ذرائع ابلاغ کے ذریعہ ہم انکے فیصلوں،پالیسیوں اور رجحانات کا پتہ لگاکر اس کا الٹا کریں گے جو ان کے مد نظر ہے اس طرح امام ان کے وسیع اور بہت بڑے بجٹ کے ذریعہ انجام پانے والی کوششوں کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کا راستہ فراہم کرتے تھے۔

آپ کے بیانات میں بارہا اس معیار پر زور دیا گیا ہے جس کا ایک نمونہ پیرس سے ایران آنے کا فیصلہ تھا اور دوسرا نمونہ امام کے یہ جملات ہیں:"جس دن امریکہ ہماری تعریف کرے گا اس دن ہمیں سوگ منانا چاہیے جس دن کارٹر اور ریگن جیسے افراد ہماری تعریف کرنے لگیں تو جان لیں کہ ہمارے اندر کوئی خرابی آگئی ہے،ان کا کام یہ ہے کہ وہ ہمیں برا بھلا کہیں اور ہم صلابت کے ساتھ اپنا کام کرتے رہیں"

امام خمینی نہ صرف یہ کہ کبھی بھی مغربی ذرائع ابلاغ کے ذریعہ پھیلائی جانے والے مثبت یا منفی پروپیگنڈوں سے متاثر نہیں ہوئے بلکہ آخر عمر تک ان کے ارادوں اور فیصلوں کے برعکس عمل کرنے پر ڈٹے رہے اور اپنے تمام پیروکاروں بالخصوص سیاستدانوں اور سربراہان مملکت کو اسی اصول پر پابند رہنے کی تلقین فرماتے رہے۔

لوگوں کوعادی ہونے دیں

جب بھی امام خمینی کے ساتھ ملاقاتوں کا سلسلہ کچھ دنوں کے لئے روک دیا جاتا تھا بیگانہ ذرائع ابلاغ اور میڈیا امام خمینی کے شدید بیمار ہونے یا ان کی موت کی خبر نشر کرتا تھا جس کی وجہ سے ایرانی قوم اور دنیا بھر میں امام خمینی سے عشق و محبت رکھنے والے افراد پریشان ہوجاتے تھے کیونکہ ان کے احساسات اور جذبات امام سے وابستہ تھے اور اگر امام کے ساتھ ملاقات یا ان کی گفتگو کا سلسلہ مزید کچھ دن کے لئے بند رہتا تو دشمن میڈیا مزید افواہیں پھیلاتا اور لوگ پہلے سے زیادہ پریشان ہوتے تھے۔

امام کی رحلت سے کچھ عرصہ پہلے پریس کانفرنس ، انٹرویوز اور میڈیا کے ساتھ گفتگو کا پروگرام دو ہفتہ کے لئے روک دیا گیا اس دوران دشمن میڈیا اور ذرائع ابلاغ نے امام کی بیماری یا موت کے بارے میں اتنی زیادہ افواہیں پھیلائیں کہ ایران اور بیرون ایران لوگ بہت سے پریشان ہوگئے اور مسلسل دفتر فون کرکے امام کی خیریت معلوم کرتے رہے۔

امام کے روزانہ کے دوسرے کام معمول کے مطابق جاری تھے اور ہم بھی اپنی ڈیوٹی انجام دینے کے لئے روزانہ امام کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ دشمن کی طرف سے افواہوں اور لوگوں کے پریشان ہونے کے بارے میں امام کو بتایا گیا اور ایک پریس کانفرنس کی رائے دی گئی تاکہ ان افواہوں کے غلط ہونے کو ثابت کیا جاسکے اور لوگ پریشانی سے باہر آئیں۔امام نے جواب دیا: لوگوں کو ان چیزوں کا عادی ہونے دو۔

اس وقت ہم یہی سمجھے کہ امام کا مقصد یہ ہے لوگوں کو دشمن میڈیا کے جھوٹ کا عادی ہونے دیں تاکہ خود بخود رسوا ہوں اور لوگ ان کی باتوں پر اعتبار نہ کریں لیکن جب اچانک امام رحلت فرماگئے تو اس وقت ہمیں امام کے جملے کا صحیح مطلب سمجھ میں آیا۔

امام جانتے تھے کہ ملت ایران اور امت مسلمہ کس قدر ان سے وابستہ اور دلبستہ ہے گویا امام چاہتے تھے کہ لوگ اس بات کے لئے آمادہ ہوجائیں کہ ان کا امام بھی انہیں چھوڑ کے جانے والا ہے تاکہ امام کی رحلت ان کے لئے ناقابل برداشت سانحہ نہ ہو اور وہ اچانک اس سے روبرو نہ ہوں۔لوگ جو ہمیشہ خدایا خدایا تا انقلاب مہدی زندہ رہے خمینی کی دعا کرتے ہیں اور جن کے لئے انقلاب اور اسلامی جمہوریہ کا تصور امام کے بغیر ناممکن تھا لیکن امام خود کچھ اور سوچتے تھے "انک میت و انھم میتون"(زمر / 30)امام یہ سمجھانا چاہتے تھے کہ اب لوگوں کو دھیرے دھیرے امام کے بعد انقلاب کے تسلسل اور نظام کی حفاظت کے لئے خود کو تیار کرنا چاہیئے۔

امام کے سکتہ سے دشمن بے خبر رہا

مزے کی بات یہ ہے کہ دشمن کے فاسق میڈیا کی طرف سے جب بھی امام کی بیماری کی افواہیں پھیلائی جاتی تھیں وہ سراسر جھوٹ ہوتی تھیں لیکن ایک بار جب امام کو ہارٹ ٹیک ہوا اور وہ ایک ماہ تک ہسپتال میں زیر علاج رہے دشمن کو اس کی ذرا بھی بھنک نہیں لگنے پائی اور خدا کے فضل سے امام کے گھر سے بھی اس طرح کی کوئی بات باہر نہیں نکلی۔

مارچ 1987 میں نوروز کے ایام تھے اور مجاہدین اسلام دفاع مقدس کے بہت ہی حساس مراحل سے گزر رہے تھے فاؤ کے محاذ پر دشمن کی طرف سے کیمیکل بموں کی شدید بارش ہوئی تھی اور علاقہ بہت سخت دباؤ میں تھا ایسے میں اگر امام کے ہارٹ اٹیک کی خبر وہاں پہنچ جاتی تو مجاہدوں کے حوصلے پست ہوجاتے اور بہت زیادہ

نقصان ہوتا لیکن خدا کے فضل و کرم سے خبر مخفی رہی اور صرف وہی لوگ اس بات سے مطلع تھے جو امام کے آس پاس رہا کرتے تھے۔

حقیر کا گھر امام کے گھر سے بہت قریب تھا لیکن انہیں امام کی بیماری یا ان کے ہسپتال میں داخل ہونے کی کوئی خبر نہیں تھی،دوسری طرف امام کو نئی زندگی ملنے کا معجزہ رونما ہوا مشیت خدا یہی تھی کہ امام ابھی زندہ رہیں اور اپنی تحریک کے لئے باقی رہ جانے والے کچھ ضروری اقدامات انجام دیں تاکہ اپنی عمر کے ان چند برسوں میں اہم اور تقدیر ساز پیغامات کے ذریعہ سب پر اتمام حجت کریں اور پھر داعی اجل کی آواز پر لبیک کہیں ۔

جب امام کی حرکت قلب بند ہوگئی اس دن ڈاکٹر مقدس پور امام کا معائنہ کرنے آئے ہوئے تھے جو ہر ہفتہ اصفہان سے آتے تھے۔ان دنوں ڈاکٹروں کے قیام کا بندوبست حسینیہ جماران کے دروازے کے اوپر والے کمرے میں ہوا کرتا تھا اس دن امام کی حرکت قلب مکمل طور سے بند ہوجانے،ڈاکٹروں کو مطلع کرنے،ڈاکٹر کے وہاں آکر معائنہ کرنے اور امام کی نبض کے دوبارہ کام کرنے کے درمیان چھ منٹ کا وقت لگا۔ ڈاکٹروں کی نظر میں حرکت قلب بند ہوجانے اور چھ منٹ تک دماغ تک خون نہ پہنچنے کے بعد دوبارہ زندہ ہوجانا ایک غیر طبیعی بات ہے اور امام کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ ایک معجزہ کی طرح تھا ۔

بہر حال امام کی نبض اور حرکت قلب نے جیسے ہی کام کرنا شروع کیا انہیں جماران کے ہسپتال میں منتقل کیا گیا جب امام کو ہوش آیا تو یہ سوچ کر کہ انہیں شہید رجائی ہسپتال میں منتقل کیا گیا ہے جس کی وجہ سے دوسرے مریضوں اور لوگوں کے کام میں خلل پڑ سکتا ہے، کافی پریشان تھے لیکن جب امام کے فرزند احمد آقا نے انہیں بتایا کہ وہ جماران ہسپتال میں ہیں تو ان کی پریشانی دور ہوگئی۔

جماران ہسپتال پانچ کمروں پر مشتمل تھا جو امام کو مطلع کئے بغیر بنایا گیا تھا کیونکہ ہمیشہ اس بات کا خوف تھا کہ اگر امام کو ہسپتال کے بارے میں پتہ چلے گا تو وہ ناراض ہوں گے لیکن ان حالات میں یہ ہسپتال بہت مفید ثابت ہوا ایک تو امام کی بیماری کی وجہ سے لوگوں کی زندگی میں کوئی خلل واقع نہیں ہوا دوسرے یہ کہ محاذ اور جنگ کے نازک حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے امام کی بیماری کی خبر بالکل مخفی رہی اور امام کی فکر مندی بھی برطرف ہوگئی تیسرا یہ کہ جماران ہسپتال امام کے گھر سے متصل تھا اور امراض قلب کا ہسپتال وہاں سے کئی کلو میٹر دور تھا امام کی مکمل دیکھ بھال اور جلد از جلد شفا کے لئے یہ اسپتال زیادہ مناسب تھا۔

یاد رہے امام کی رحلت کے بعد اس ہسپتال میں مزید توسیع کی گئی اور ایک عام ہسپتال میں تبدیل ہوگیا۔

جن دنوں امام ہسپتال میں تھے نوروز کی چند دنوں کی چھٹیوں کے علاوہ دفتر کے کام معمول کے مطابق جاری رہے اور ٹائمنگ میں تھوڑی بہت تبدیلی کے بعد ہم صبح امام کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے ۔امام کی شفایابی کے بعد وہ گھر میں رہنے لگے اور سارے کام پہلے کی طرح بحسن وخوبی انجام پانے لگے۔ امام جس گھر میں رہتے تھے وہ ایک پرانا دومنزلہ گھر تھا جس کی اوپری منزل کو ڈاکٹروں کے قیام کے لئے رکھا گیا تھا تاکہ اس کے بعد سے امام کو اگر کوئی بھی مشکل ہوئی تو ڈاکٹر فوراً متوجہ ہوں۔امام کے سینے پر ایک مشین لگائی گئی جس میں وائرلیس سسٹم بھی موجود تھا اور ڈاکٹرز کے کمرے میں لگے اسکرین پر امام کی حرکت قلب کا اندازہ لگایا جاسکتا تھا۔

امام کا اطمینان قلب

جنگ کے ایام میں دشمن ”جزیرہ خارک“ اور وہاں کے ”تیل کے مراکز“ پر شدید بمباری کررہا تھا۔اس وقت کے وزیر پٹرولیم کی دعوت پر امام خمینی کے دفتر کے چند افراد کے ساتھ ہم ”جزیرہ خارک“ کا معائنہ کرنے گئے جب وہاں پہنچے تو بتایا گیا کہ آج کل یہاں دشمن کے جہاز آتے ہیں اس لئے ہم سے کہا گیا کہ ابھی ہم آرام کریں جب بمباری ختم ہوجائے گی اس وقت معائنہ کے لئے نکلیں لیکن ہم نے ان کی بات نہیں مانی اور معائنہ کے لئے نکل پڑے۔

ہم تیل کے اسکلٹ کا معائنہ کررہے تھے کہ اچانک میگ 29 طیارے آئے اور انہوں نے پانچ سو کلو کے آٹھ بم وہاں پھینکے کچھ تو پانی میں گرے اور کچھ جزیرے کی مختلف جگہوں پر گرے ان میں سے ایک اسی عمارت پر گرا جہاں خطرے سے بچنے کے لئے ہمیں رکنے کا مشورہ دیا گیا تھا۔

ہم نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا اور شب جمعہ کو واپس آگئے۔جمعہ کی صبح کو ہم امام کے پاس پہنچے تو معمول کے مطابق مختصر خبریں سننے کے بعد وہ حمام جایا کرتے تھے لیکن جب ہم نے بتایا جزیرہ خارک گئے ہوئے تھے تو بیٹھ گئے میں نے وہاں کی ساری صورتحال اور وہاں خدمت میں مشغول افراد کا پیغام پہنچایا۔انہوں نے پیغام بھیجا تھا :”اگر صورتحال یہی رہی تو دو دن کے بعد ہمیں تیل کی سپلائی بند کرنا پڑے گی“ جنگ کے ان حساس اور مہنگائی کے ایام میں یہ بہت بڑی مشکل تھی۔

امام نے بغور ہماری ساری باتیں سنیں اور اس کے بعد کسی بھی طرح کی پریشانی کا اظہار کئے بغیر غیر معمولی اور ناقابل یقین اطمینان کے ساتھ ان کے لئے دعا کی ۔امام کے اس اطمینان کی ایک وجہ خدا پر ان کا مضبوط

ایمان اور یقین تھا لیکن جب جنگ کے آخری ایام تک تیل کی سپلائی بند نہ ہوئی تو اس وقت ہمیں اس کی ایک وجہ سمجھ میں آئی اور وہ یہ تھی کہ اگرچہ امام خود جزیرہ خارک میں نہیں تھے لیکن اس وقت کے حالات اور مستقبل کی متوقع صورتحال کے بارے میں وہاں موجود افراد سے زیادہ باخبر تھے ۔

کمزور کیوں ہوگئے ہیں؟

۱۹۷۰ میں مجھے نجف اشرف سے بذریعہ بس مکہ مکرمہ جانے اور حج کی سعادت حاصل کرنے کی توفیق ملی۔ان دنوں میں وسوسہ کا شکار ہوگیا تھا جو مکہ پہنچ کر زیادہ ہوگیا تھا حج کے اکثر اعمال ومناسک میں نے دوبار انجام دیئے لیکن پھر بھی شک اور وسوسہ اپنی جگہ برقرار رہا۔

توضیح المسائل میں دیکھنے اور بعض علماء و فضلاء سے پوچھنے کے باوجود بھی اطمینان حاصل نہ ہوا اور بہت سے سوالوں کے ساتھ نجف لوٹا ۔جب امام سے ملاقات کے لئے پہنچا تو میں سمجھا تھا شاید امام کو میرے اندر کا حال معلوم نہیں ہوگا کیونکہ وہ آنے والے افراد کے چہروں کی طرف بہت کم دیکھا کرتے تھے لیکن جیسے ہی میں ان کے پاس گیا سلام کا جواب دینے کے بعد فکر مندی اور مہربانی سے پوچھا: آپ کمزور کیوں ہوگئے ہیں ؟ بیمار ہیں کیا؟

میں نے شکر ادا کرتے ہوئے کہا: نہیں میں بیمار نہیں ہوں لیکن ...پھر میں نے اپنے سوالات کرنا شروع کئے۔پہلے سوال کے جواب کے بعد میں نے دوسرا سوال شروع کیا سوال ختم ہونے سے پہلے بولے : آپ کا حج صحیح ہے ۔ میں نے عرض کی اور بہت سے سوالات ہیں۔ بولے : آپ کا حج صحیح ہے ان سوالوں کو چھوڑیئے۔

اپنے اشک کی طرف توجہ نہ دیجئے!

4/6/1987جمعرات کا دن تھا۔میں نے امام کی خدمت میں عرض کی : حقیر اس بار ایک شخص کی نیابت میں نجف سے حج کے لئے گیا وہاں پہنچ کر اعمال حج کئی بار انجام دیئے اور چونکہ میں ہر چیز بطور خاص نیت کے بارے میں شک اور وسوسہ میں مبتلا تھا اس لئے کافی تکلیف اٹھانا پڑی ۔اب میں خود مستطیع ہوچکا ہوں لیکن شک و وسوسہ کی وہی کیفیت آج بھی میرے اندر پائی جاتی ہے کیا اس صورتحال کے مد نظر آئندہ سال

حج پر جاسکتاہوں ؟ امام نے جواب دیا : آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے اپنے شک کی طرف توجہ نہ دیجئے یہاں تک کہ اس طرح کے یقین پر بھی زیادہ توجہ نہیں دینا چاہیے آپ اہل فضل ہیں آپ کو ایسا نہیں ہونا چاہیے ۔ پھر امام مسکراتے ہوئے بولے:اگر چہ بعض علماء اور بزرگ بھی وسوسہ کا شکار رہے ہیں ۔کیا آپ بغیر نیت کے کوئی عمل انجام دے سکتے ہیں ؟ نیت کے بغیر کوئی کام کیا ہی نہیں جاسکتا ہے۔

حکم خدا کی خلاف ورزی خدا کے لئے!

بتاریخ 9/6/1983 روزانہ کے امور کی انجام دہی کے بعد میں امام کی خدمت میں پہنچا اور ان سے عرض کی : میں نے اپنے سال کا پورا حساب وکتاب کرکے اس کا خمس ادا کردیا ہے لیکن آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے بری الذمہ فرمادیجئے ۔

امام نے فرمایا: بری الذمہ کردیا۔

پھر تقریباً تیس ہزار تومان جن میں سے کچھ عیدی کچھ پچھلے سال کا بقایا جس پر خمس نکالا جاچکا تھا اسے میں نے امام کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے کہا: تحفہ کے ہیں۔ امام نے فرمایا : تحفہ پر خمس نہیں ہے ۔ میں نے کہا:یہ میں آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں تاکہ آپ مجھے حج پر جانے کے لئے واپس لوٹا دیں۔امام نے وہ رقم لی اور پھر مجھے لوٹاتے ہوئے بولے : اس وسوسہ سے پیچھا چھڑائیے ۔ یہ آپ کی زندگی کو تباہ کردے گا اس طرح آپ خدا کے لئے خدا ہی کے حکم کی خلاف ورزی کررہے ہیں ۔

دعائے سفر

28/7/1987 کو محترم رسولی نے حقیر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے امام سے عرض کی: آقائے رحیمیان آج مکہ جارہے ہیں۔جب میں دست بوسی اور خدا حافظی کے لئے آگے بڑھا تو ایسے منظر سے روبرو ہوا جس کے بارے میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔امام نے میری طرف ہاتھ بڑھانے کے بجائے آگے بڑھے اور مجھ سے گلے ملے۔میں ہیجان اور شوق سے لرز رہا تھا جبکہ امام میرے چہرے کے ساتھ اپنا چہرہ لگائے یہ آیہ

شریفہ پڑھنے لگے:ان الذی فرض علیک القرآن ...؛اس کے بعد میری خیریت اور سلامتی کے لئے دعا فرمائی ۔

میں نے محبت سے سرشار ہوکر امام کا ہاتھ چوما تو امام نے نہایت مہربانی مگر سنجیدگی کے ساتھ فرمایا: آپ اپنے کاموں میں زیادہ احتیاط نہ کیا کیجئے۔

یہ جملہ گویا ایک حکم تکوینی تھا جو پورے سفر میں اور حج کے اعمال و مناسک انجام دیتے وقت میرے کانوں میں گونجتا رہا اور جس چیز کو میں ناممکن سمجھتا تھا وہ ممکن ہوگئی یعنی میرے شک اور وسوسہ کی بیماری برطرف ہوگئی تھی۔

ایام حج کا دلخراش واقعہ

حج سے واپسی کے بعد اس سے قبل کہ میں آپ کی خدمت میں پہنچ کر آپ کی زیارت سے شرفیاب ہوتا آقائے رسولی نے مجھ سے کہا: امام کئی بار آپ کے بارے میں پوچھ چکے ہیں۔ جب میں سیڑھیوں سے اوپر چڑھنے لگا تو امام نے کھڑکی کے شیشے سے مجھے دیکھا اور مسکرانے لگے میں نے داخل ہوتے ہی سلام کیا اور امام نے خندہ پیشانی اور مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ جواب دیا اور فرمایا: خدا قبول فرمائے !کب تشریف لائے ؟ میں نے عرض کیا: کل !پوچھا: انشاءاللہ صحیح و سالم ہیں ؟ کچھ ہوا تو نہیں آپ کو ؟

میں نے مختصر طور اپنی خیریت اور سلامتی کے بارے میں بتایا اور پھر ہم اپنے کام میں مشغول ہوگئے تمام امور کی انجام دہی اور دست بوسی وغیرہ کے بعد میں دوبارہ امام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی : آقائے کروبی نے آپ کی خدمت میں سلام پہنچایا ہے اور بہت سے مسلم ممالک کے مسلمان بھائیوں نے ایک ایرانی ہونے کے ناطے مجھ سے اصرار کے ساتھ گزارش کی ہے کہ ان سب کی طرف سے آپ کا بوسہ لوں پھر میں نے اٹھ کر امام کا بوسہ لیا۔

حاجیوں کے قتل عام کا منظر، جن اسلحوں کا استعمال کیا گیا تھا اور آقائے کروبی کی پٹائی سب کے بارے میں رپورٹ پیش کی امام نے آقائے کروبی کے گارڈز کے بارے میں پوچھا تو میں نے بتایا : سعودی پولیس کی طرف سے گارڈ تھے لیکن اس وقت وہاں نہیں تھے لوگوں نے ان کو بچانے کی کافی کوشش کی لیکن پھر بھی زدو کوب کا شکار ہوگئے۔امام نے پوچھا: گولیاں بہت زیادہ چلیں ؟ جو کچھ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا

بیان کیا اور پھر اس فلسطینی وفد کے بارے میں جو اس واقعہ کے بعد ہمارے پاس اظہار ہمدردی کے لئے آیا تھا بتایا، میں نے عرض کیا: فلسطینیوں کی اس محبت اور ہمدردی سے ہم کافی خوش تھے اور اس بات سے بھی کافی خوش تھے کہ ہمیں ایک اچھاموقع ملا ہے عالمی مسائل بالخصوص مسئلہ فلسطین سے متعلق اسلامی جمہوریہ اور انقلاب اسلامی کا موقف واضح طور پر بیان کریں اور انہیں صہیونیوں کے خلاف انقلاب اور جہاد کی راہ جاری رکھنے کی ترغیب دلائی لیکن ہمیں یہ دیکھ کر نہایت تعجب ہوا کہ وہ ہمارے تصور سے زیادہ اس پر اعتقاد و ایمان رکھتے ہیں۔

انہوں نے ہماری احوالپرسی اور اظہار ہمدردی کے بعد مکہ کے دلخراش اور خونی منظر کے مشاہدات بیان کئے جبکہ وہ اس واقعہ سے کافی متاثر تھے اور رورہے تھے ۔آل سعود کی قساوت اور سنگدلی کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ سعودی پولیس کس طرح شہید خواتین کے جنازوں پر ڈنڈے برسارہی تھی اور ان کے پیسوں سے بھرے ہوئے پرس ، برسلیٹ اور ہار وغیرہ کو بڑی بے رحمی اور درندگی سے اتار رہے تھے، انہوں نے ملت ایران کی مظلومیت کے بارے میں کہا: ہم اب تک یہ سمجھتے تھے کہ ہم فلسطینیوں سے زیادہ کوئی مظلوم نہیں ہے لیکن یہاں آکر ہمیں اندازہ ہوا کہ آپ ہم سے بھی زیادہ مظلوم ہیں اور آپ کے دشمن سب سے زیادہ بے رحم اور پست ہیں ۔

یہاں تک ان کی گفتگو ہمارےلئے بہت حیرت انگیز یا غیر معمولی نہیں تھی کیونکہ جو زندہ دل اور زندہ ضمیر مسلمان بھی اس دلخراش منظر کو دیکھتا وہ یہی فیصلہ کرتا لیکن جو چیز ہمارے لئے حیرت انگیز اور تعجب خیز تھی وہ ان کے ذریعہ اس واقعہ کی تحلیل اور تجزیہ اور اس کی کڑیوں کا صہیونیوں سے ملانا تھا۔

دفاع مقدس پر ان کی عمیق نگاہ تھی اور ان کی نظر میں یہ واقعہ دفاع مقدس کا نتیجہ تھا ۔ انہوں نے ہمیں کچھ کہنے اور بیان کرنے کا موقع ہی نہیں دیا بلکہ جو کچھ ہم ان سے کہنا چاہتے تھے اس سے بہتر خود انھوں نے بیان کیا۔

انہوں نے اسلامی انقلاب کے رہبر کبیر کے بارے میں کہا: کہ وہ اس وقت تمام مستضعفین عالم اور فلسطین و قدس کی آزادی کی تنہا امید ہیں۔ جنگ کے بارے میں کہا کہ خطے کے تمام لوگوں اور مستضعفین کی تقدیر اسی سے وابستہ ہے۔ان کی نظر میں بیت المقدس کی آزادی کا راستہ کربلا و مکہ ومدینہ سے ہوکر جاتا ہے ۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ جب تک صدام اور آل سعود خطے پر حاکم ہیں فلسطین آزاد نہیں ہوگا کیونکہ اسرائیل انہیں کے دم سے باقی ہے اور انہیں کے اسلاف کی وجہ سے وجود میں آیا ہے۔ان کا کہنا تھا: آپ کی جنگ صدام

سے نہیں ہے بلکہ آپ کی جنگ اسرائیل اور پورے عالمی سامراج کے ساتھ ہے اور ہم فلسطینی لوگ غاصبوں پر اپنی کامیابی کو اس جنگ میں آپ کی کامیابی میں جانتے ہیں ۔

فلسطینی بھائیوں کے ساتھ دیر رات تک گفتگو جاری رہی اور ان کی دلچسپ باتوں کا سلسلہ سحر کی سفیدی اور فجر صادق کی نوید دے رہا تھا ہم ان کی باتوں میں اتنا کھو گئے تھے کہ گویا ایک حسین خواب دیکھ رہے ہوں بلکہ ہمیں روز جمعہ کے غروب کے وقت پیش آنے والے خونین واقعے کے عینی شاہدوں کی نگاہ میں اسلام کے عالمی انقلاب کا سورج طلوع ہوتے ہوئے نظر آرہا تھا۔

سب کو اس بات پر تعجب تھا کہ آپ نے اس سال کے پیغام حج میں آیہ (ومن یخرج من بیتہ مھاجرا الی اللہ ...) کا انتخاب کیوں کیا ہے لیکن جب یہ واقعہ پیش آیا تو اس انتخاب کی وجہ معلوم ہوئی لیکن اس کے بعد ہمارے تعجب اور حیرانگی میں دوچندان اضافہ ہوگیا۔

اپنی معروضات کے اس حصہ سے پہلے تک امام اپنے سوالات ، نگاہوں اور بغور تمام باتیں سن کر واقعہ کی جزئیات کے بیان کے لئے میری زبان کو گویائی بخش رہے تھے گویا میرے مشاہدات کے ذریعہ نئی باتوں اور خبروں کی جستجو میں تھے لیکن جب میں امام کے پیغام ، اس آیہ شریفہ کے انتخاب اور سب کی حیرانگی کا ذکر کرتے ہوئے کنایوں اور اشاروں میں آپ کی کرامت کو بیان کرنا چاہا تو آپ نے نگاہیں جھکا لیں گویا امام کے لئے یہ بات نہ اثر رکھتی تھی اور نہ بیان کے قابل تھی۔ گویا وہ اپنی نگاہوں کے ذریعہ بھی اس بات کا اظہار نہیں کرنا چاہتے تھے کہ

هر کہ را اسرار حق آموختند
مهر کردند و دهانش دوختند

آخر میں یہ بھی عرض کیا کہ خدا کے لطف و کرم اور آپ کی دعا سے اس سال میں نے تمام مناسک و اعمال حج کسی بھی وسوسہ یا شک کے بغیر انجام دئے جس پر امام نے فرمایا: کوشش کیجئے اس کے بعد بھی ایسا ہی ہو ۔

دوسرے دن جب امام کے بیٹے احمد آقا حقیر سے ملاقات کے لئے گھر تشریف لائے تو انہوں نے بتایا کہ امام نے ان سے کہا: رحیمیان کے پاس کافی اچھی خبریں اور باتیں تھیں اس سے اندازہ ہورہا تھا کہ چونکہ حج کے اس دلخراش واقعہ کے بارے میں زیادہ تر تو خبریں غم انگیز تھیں ، پہلی بار کسی نے اس واقعہ کے مثبت آثار اور نکات بیان کئے تھے بطور خاص فلسطینیوں کے بارے میں جسے سن کر امام کافی خوش ہوئے تھے ۔

ایک امانت جو امام کی رحلت کے بعد...

بارہا ایسا ہوتا تھا کہ امام کسی خاص مناسبت سے یا بغیر مناسبت کے بعض افراد کے بارے میں پوچھتے تھے جو کہ ان کی مصروفیات،بہت زیادہ کاموں اور سنگین ذمہ داریوں کے مدنظر ہماری توقع کے برخلاف ہوتا تھا بالخصوص ان ایام میں جب حالات بحرانی تھے یا امام بیماری اور کمزوری کے عالم میں ہوتے تھے یہ چیز ہمارے لئے کافی غیر معمولی تھی بالخصوص اس وقت جب امام کسی ایسے فرد کے بارے میں پوچھتے تھے جسے پورا سماج بھلا چکا ہوتا تھا۔جیسے اپنی رحلت سے کچھ دن قبل انہوں نے حوزہ علمیہ قم کی ایک شخصیت کے بارے میں پوچھا جو اگرچہ خواص کے درمیان ایک علمی، اخلاقی اور معنوی شخصیت کے عنوان سے جانے جاتے تھے لیکن عمومی سطح پر ان کو کوئی نہیں جانتا تھا بلکہ سب بھلا چکے تھے کہ ایسی بھی کوئی شخصیت ہمارے معاشرے میں ہے۔

امام نے ان کے لئے کچھ پیسے بھیجنے کا حکم دیا۔طے پایا کہ خود حقیر قم جاکر انہیں وہ رقم پہنچائے۔ماہ رمضان شروع ہوچکا تھا اور سفر میں قصد قیام کی وجہ سے تاخیر ہوگئی امام کی بیماری میں بھی شدت آگئی اور انہیں ہسپتال منتقل کیاگیا اور امام کی روح ملکوت اعلیٰ کی طرف پرواز کرگئی لیکن پھر بھی وہ امانت پہنچانے کی توفیق نہ مل سکی۔امام کی رحلت کے بعد جب حساب وکتاب اور ساری رقم حوزہ علمیہ قم کے حوالے کرنے کی نوبت آئی تو مذکورہ امانت کو ہم نے چیک میں تبدیل کیا اور قم آئے لیکن وہ قم میں موجود نہیں تھے دو تین چکر لگائے لیکن ملاقات نہیں ہوسکی بہر حال ایک دن ایک صاحب سے ان کے گھر کا نمبر مل گیا پہلے فون کیا تاکہ مطمئن ہوجاؤں کہ گھر پر ہی ہیں۔

ان سے دیرینہ ارادت اور حقیر پر ان کی خاص عنایت کی وجہ سے کافی خوش ہوئے کہ ان کو یاد کیا ہے میں نے انہیں بتایا کہ امام کی طرف سے ایک امانت حقیر کے پاس ہے جو ان تک پہنچانا ہے تو وہ شاید متوجہ نہیں ہوئے اس لئے میں نے دوبارہ بتایا کہ امام خمینی نے آپ کے لئے ایک امانت حقیر کے سپرد کی تھی جو بعض مشکلات کی وجہ سے نہیں پہنچائی جاسکی اور اس کے لئے میں نے ان سے معذرت خواہی بھی کی باوجود اس کے کہ وہ فصیح اور سلیس زبان میں مہارت رکھتے ہیں بہت تکلف اور لکنت کے ساتھ بولے: امام کی طرف سے ...کون سی امانت ؟ ان کی آواز رندھ گئی اوررونے لگے۔

بہر حال طے پایا کہ ان کے گھر پہنچوں لیکن وہاں پہنچنے میں تھوڑی بہت تاخیر ہوگئی جب وہاں پہنچا تو دیکھا گھر کے باہر گلی میں کھڑے منتظر ہیں اور کچھ پریشان دکھائی دے رہے ہیں ان کے گھر میں داخل ہوا اور ڈرائنگ

روم میں جاکر بیٹھ گیا۔ قم کی سخت گرمی اور 3 بجے کا وقت تھا ان کا چھوٹا سا دستی پنکھا بھی کام نہیں کررہا تھا ان سب کے باوجود اس ملاقات میں جو لطف و شیرینی تھی اسے کوئی چیز کم نہ کرسکی۔انہیں اب بھی یقین نہیں ہورہا تھا کہ میں امام کی جانب سے ان کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔

وہ یقین نہیں کرپارہے تھے کہ امام کی رحلت کے تین مہینے بعد ان کی طرف سے کوئی امانت انہیں ملنے والی ہے اور یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ وہ امانت ہے کیا۔احوالپرسی کے بجائے ہم دونوں روئے جارہے تھے۔ بہرحال کسی طرح میں نے پورا ماجرہ ان سے بیان کیا جسے سن کر وہ بہت زیادہ روئے مجھے محسوس ہوا کہ یہ غیر معمولی گریہ و زاری ہے یقینا کوئی خاص راز ہوگا جس سے میں بے خبر ہوں۔ بہر حال کسی طرح انہوں نے گفتگو شروع کی تو پتہ چلا کہ وہ بیمار ہیں گرمی کے ان ایام میں وہ مشہد میں تھے اور جلد ہی لوٹے ہیں وہ اس وجہ سے بہت زیادہ متاثر تھے کہ ان کی نظر میں اس کی بظاہر ایسی کوئی وجہ نہیں تھی جس کی وجہ سے امام نے ان کو یاد فرمایا اس لئے امام کی فرقت کا داغ ان کے لئے اور بھی تازہ ہوگیا تھا۔

امام کی عنایت معاملہ کی ایک کڑی تھی لیکن ان کا حکم دینا کہ فلاں مبلغ فلاں شخص کو پہنچائے جائیں اور پھر اس کے پہنچانے میں تاخیر ہو ،پھر ان کا قم میں نہ ہونا اور تین مہینے بعد ملاقات اور امانت ان کے سپرد کرنا یہ معاملہ کی دوسری کڑی تھی۔

جب میں نے غور کیا تو پتہ چلا کہ ان دنوں یہ بزرگوار اتنے خستہ حال ہوچکے تھے کہ ان کے پاس نان شبینہ کے لئے بھی کچھ نہیں تھا گویا امام خمینی کا حکم اور اس کے بعد کے علل و اسباب آج کے دن کے لئے تھے تاکہ ان سخت ایام میں اس مرد خدا کی ضروت پوری ہو گویا یہ سب اتفاق نہیں تھا بلکہ مشیت خداوندی تھی جسے اس نے اپنے صالح بندے کے ذریعہ اس طرح عملی جامہ پہنایا تھا۔

استخارے کی اجازت

فلسطین کے ایک عالم مجاہد جو اسلامی جمہوریہ ایران آئے ہوئے تھے ایک گروپ کے ہمراہ امام خمینی کے دفتر تشریف لائے وہ بھی ان ایام میں جب امام کے ساتھ ملاقاتوں کا سلسلہ بند کردیا گیا تھا انہوں نے حقیر کو قرآن مجید کا ایک نسخہ دیا تاکہ امام خمینی اس پر دستخط فرمائیں ساتھ میں بہت تاکید کے ساتھ یہ بھی کہا کہ امام سے ان کے لئے استخارہ دیکھنے کی اجازت لی جائے۔ جہاں تک دستخط کی بات تھی اس میں کوئی مشکل نہیں تھی لیکن استخارے کی اجازت کے سلسلہ میں ہم نے ان سے معذرت چاہی کہ یہ نہیں ہوسکتا۔اس فلسطینی

عالم نے ہمیں یہ سمجھانے کے لئے کہ آپ نے امام کو ابھی اچھی طرح نہیں پہنچانا ہے اور امام کی عظمت سے صحیح طور پر واقف نہیں ہیں، کہا: آپ کس بنیاد پر کہہ رہے ہیں کہ نہیں ہوسکتا ؟ کیا آپ نے آج تک امام کے سامنے اس طرح کی کوئی بات پیش کی ہے؟ یا کبھی ایسا ہوا ہے کہ آپ نے کبھی پیش کیا ہو اور امام نے انکار کردیا ہو ؟

میں نے کہا: میں نے امام سے اس سے متعلق کچھ نہیں سنا۔میرا جواب سن کر بولے: اس کا مطلب آپ خود بے خبر ہیں میری گزارش ہے کہ ایک تو امام کی خدمت میں میرا سلام پہنچائیں دوسرے یہ درخواست بھی بیان فرمائیں امام بہتر جانتے ہیں کہ میں ان سے کیا چاہتا ہوں اور انہیں کیا جواب دینا ہے۔

اگلے دن ہم امام کی خدمت میں پہنچے ضروری کام انجام دیتے ہوئے میں نے سرگوشی میں بعض دوستوں سے مشورہ کیا کہ اگر استخارے کی اجازت والی درخواست امام کی خدمت میں پیش کی جائے تو کیا امام اجازت دیں گے تمام دوستوں کا جواب منفی تھا۔بہر حال ہم نے مذکورہ درخواست امام کی خدمت میں پیش کی تو آپ نے فرمایا: ان کو اجازت ہے ۔

اس دن تک ہم اس بات سے بے خبر تھے کہ امام اس طرح کی اجازت بھی دیتے ہیں اور اس بات سے ہمیں بہت حیرانگی بھی ہوئی۔

"پاسدار اسلام" امام کی خدمت میں

ایران میں جتنی بھی جریدے شائع ہوتے تھے ان میں سے اکثر کا یہ معمول تھا کہ ان کی چند کاپیاں امام کے دفتر کے لئے بھیجتے تھے ہم ان میں سے ایک نسخہ امام کی خدمت لے جاتے تھے۔ایک دن امام نے فرمایا: میں اتنے زیادہ رسائل پڑھنے کی سکت نہیں رکھتا یہ میرے پاس نہ لایا کریں۔حقیر نے موقع کو غنیمت جانتے ہوئے عرض کیا: اگر آپ اجازت دیں تو صرف پاسدار اسلام وہ بھی تبرک کی غرض سے آپ کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ اس طرح جب تک امام زندہ تھے یعنی 1989 کے دوسرے مہینے تک پاسدار اسلام بلاناغہ آپ کی خدمت میں پیش کیا جاتا اور آپ بھی اس کی ورق گردانی فرماتے اور عناوین پڑھتے تھے ۔

امام کا اس حد تک اس رسالہ پر نظر ڈالنا ہی حقیر اور اس جریدہ کے خادمین کے لئے باعث فخر تھا اور ساتھ ہی ہمیں اطمینان بھی بخشتا تھا کہ اگر اس میں کسی طرح کی کجی یا کوئی انحراف ہوگا تو امام الٰہی بصیرت سے اس کی طرف ضرور متوجہ ہوں گے اور ہمیں اس کی طرف توجہ دلائیں گے یہی وجہ ہے کہ جیسے ہی یہ میگزین

شائع ہوتی تھی پہلے امام کی خدمت میں پیش کی جاتی تھی اور امام اپنے بقیہ امور انجام دیتے ہوئے اس کی ورق گردانی فرماتے اور اس کے سر ورق یا بیک کور کو ضرور دیکھتے تھے ۔

مجھے یاد ہے ایک زمانہ میں ہم بیک پر کسی معصوم کی حدیث رنگین خط میں لکھا کرتے تھے جو امام کے لئے کافی جاذب ہوتی تھیں اور آپ اس کی طرف خصوصی توجہ کرتے تھے۔ ایک بار ہم امام کی خدمت میں میگزین پہنچانا بھول گئے تو امام کے بیٹے سید احمد آقا نے مجھ سے کہا کہ امام پاسدار اسلام کے جدید شمارے کے بارے میں پوچھ رہے تھے اور فرمارہے تھے اس بار ان تک نہیں پہنچایا گیا میں نے معذرت خواہی کی اور فوری طور پر اسے امام کی خدمت میں پہنچایا۔

اس شمارے کے تیسرے یا چوتھے صفحہ پرامام کی زندگی سے متعلق ایک تحریر آپ کے بھائی آیۃ اللہ پسندیدہ کی تھی۔ احمد آقا نے مجھ سے بیان فرمایا: امام کو آقائے پسندیدہ کے حافظہ کے سلسلہ میں بڑا تعجب ہوا کہ نوے سال سے زیادہ سن ہونے کے بعد بھی ان کے ذہن میں تاریخ کے بعض ظریف اور جزئی نکات موجودہیں ۔ اس سے ایک تو یہ سمجھ میں آیا کہ امام نے ان کا پورا مقالہ پڑھا اور اس پر تحقیقی نگاہ ڈالی اور اس پر کوئی تنقید نہیں کی جس کا مطلب یہ تھا کہ مقالہ کے تمام مندرجات امام کی نظر میں صحیح تھے ۔

جب کتاب آیات شیطانی اور اس کے مصنف سلمان رشدی کا مسئلہ پیش آیا تو پاسدار اسلام نے اس سازش اور اس کے مرکز یعنی انگلینڈ کے سلسلہ میں بعض وزارتوں کے نامناسب رویہ پر شدید تنقید کی تھی جس کے رد عمل میں ایک وزیر نے امام سے حقیر اور میگزین کے خلاف گلہ و شکوہ بھی کیا تھا۔ اس کے باوجود بھی حقیر روزانہ امام کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا لیکن آپ نے نہ اس سلسلہ میں کوئی رد عمل دکھایا اور نہ ہی اس تنقید کے بارے میں کچھ کہا۔امام کا یہ عمل ایک طرف اسلامی نظام کے مسئولین کی حمایت تھی اور دوسری طرف اس بات کا بھی اعلان تھا کہ انقلاب و نظام کے حامی افراد اور رسائل کو مسئولین پر اصلاحی تنقید کرنے کا پورا حق ہے۔

لفظ عید کو ہٹادیں

1362(مارچ1983) کے آغاز یعنی نئے سال کی مناسبت سے مختلف لوگوں اور افراد کی طرف سے امام کو مبارکبادی کا پیغام بھیجا گیا تھا ہم نے ان سب کے جواب کے لئے ایک مضمون تیار کیا مذکورہ مضمون امام کی تصدیق کے جس کے متعلق امام نے فرمایا: لفظ عید کو ہٹا دیں۔

نوروز کا دن

امام خمینی روزانہ صبح آٹھ بجے اپنے کام کے کمرے آجایا کرتے تھے ۔ آٹھ بجے کی مختصر خبروں کے اختتام پر بیل بجاتے جسے سن کر ہم امام کی خدمت میں پہنچ جاتے تھے۔دفتر سے امام کے کمرے تک پہنچنے میں ہم لوگوں کو ایک منٹ کا وقت لگتا تھا اور جس وقت ہم اندر داخل ہوتے تھے خبریں اختتام پر ہوتی تھیں خبروں کے ختم ہوتے ہی امام ریڈیو بند کردیتے تھے۔سب سے پہلے ڈاکٹر آتا امام کا بلڈ پریشر وغیرہ چیک کرتا تھا اور ڈاکٹر کے جاتے ہی ہم لوگ اپنا کام شروع کردیتے تھے ۔

۲۰ مارچ ۱۹۸۳ امام نے فرمایا : کل میں ایک سے سوا گھنٹہ تاخیر سے آؤں گا بہر حال امام کے روزانہ کے معمول میں اگر کوئی تبدیلی ہوتی تو اس کی اطلاع ضرور دیتے تھے تا کہ کسی بھی طرح کی بے نظمی یا وعدہ خلافی پیش نہ آئے۔

بہر حال اگلے دن یعنی نوروز کے دن ہم نو بج کر کچھ منٹ پر پہنچے۔ امام ابھی تک نہیں آئے تھے لیکن ابھی سوا نو نہیں ہوے تھے ۔بہرحال امام وعدہ کے مطابق تشریف لائے۔آج امام پہلے سے زیادہ خوش و خرم تھے اور نئی قبا پہنے ہوئے تھے۔ داخل ہوتے ہی ہم پانچ لوگوں کو مبارک ہو،مبارک ہو،کہا۔ پھر ایک ریال کے سکے اٹھائے اور اپنی ہتھیلی پر رکھے سب نے امام کی دست بوسی کے ساتھ کچھ سکے اٹھائے۔ہر سال نوروز کو ایسا ہی ہوتا تھا۔

تعطیل انحلال نہیں ہے

اگست1983 میں امام خمینی نے اپنی ایک تقریر میں نام لئے بغیر انجمن حجتیہ کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا۔اس انجمن کی طرف سے امام کو ایک خط لکھا گیا جس میں انجمن کے تمام کاموں اور نشستوں کو بند کئے جانے کا تذکرہ کیا گیا تھا۔ خط کا مضمون امام کے سامنے پڑھا گیا اس میں لفظ تعطیل استعمال کیا گیا تھا جس پر امام نے مسکراتے ہوئے فرمایا : تعطیل انحلال نہیں ہے اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے اگر وہ لوگ یہ سوچتے ہیں کہ ہماری مراد وہی لوگ ہیں تو اس کام کا کوئی فائدہ نہیں ہے جو لوگ فاسد ہیں وہ پھر بھی اپنا کام کریں گے اور جو لوگ سالم تھے وہ پہلے بھی ...

یہ تو وہی ہیں

شہید سید حسن مدرس کی تصویر کے ہمراہ جدید نوٹ چھپ کر منظر عام پر آئے تھے اس کی کچھ گڈیاں تبرکاً امام کی خدمت میں پیش کی گئیں امام نے جیسے ہی نوٹ پر ایک نظر ڈالی پورے اطمینان کے ساتھ فرمایا: یہ تو وہی ہیں ؛ امام اس جدید نوٹ کی اشاعت اور کوائف سے مطلع تھے کیونکہ پہلے ایک بار ان کے سامنے اس نوٹ کے بارے میں گفتگو کی جاچکی تھی۔ آقائے رسولی نے ایک نوٹ نکالا اور امام کے ہاتھوں میں دیا تاکہ آپ تبرک فرمائیں اس کے بعد آقائے رسولی نے اس نوٹ کے بارے میں بتانا چاہا تو امام نے فرمایا: جانتا ہوں ؛ پھر آپ نے عینک لگائی اور غور سے نوٹ کو دیکھنے لگے پھر تمام نوٹوں کو ایک ساتھ تبرک فرمایا۔

اسلامی جمہوریہ کی پارلیمنٹ کے انتخابات پر خصوصی توجہ

امام خمینی کا روزانہ کا معمول تھا کہ آٹھ بجے کی خبروں کے بعد بیل بجاتے جسے سن کر ہم لوگ فورا امام کی خدمت میں حاضر ہوجاتے لیکن سن 1983 کے ماہ اپریل کی16 - 17 تاریخ کو کہ جس دن اسلامی جمہوریہ ایران کی پارلیمنٹ کے منتخب ہونے والے نمائندگان کے ناموں کا اعلان کیا جانا تھا ان دنوں امام نے کچھ تاخیر کے ساتھ یعنی منتخب ہونے والے افراد کے ناموں کے اعلان کے بعد بیل بجائی امام کا یہ عمل اس بات کو واضح کرتا ہے کہ آپ پارلیمنٹ کے انتخابات کو کافی اہمیت دیتے تھے اور منتخب ہونے والے افراد یعنی مجلس کے نمائندگان پر آپ کی خصوصی توجہ تھی۔

اس میں بسم اللہ کیوں نہیں ہے؟

1986/3/2 بروز اتوار صبح جب تمام خبریں،رپورٹیں اور بولیٹن امام کی خدمت میں پیش کئے گئے امام نے معمول کے مطابق سب کا مطالعہ کیا جبکہ ہم اپنے کاموں میں مشغول تھے اسی اثنا میں امام نے ایک تبلیغی بولیٹن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ان سے کہیے کہ خبر اسلامی جمہوریہ کی مرکزی خبررساں ایجنسی سے شائع ہورہی ہے اس میں بسم اللہ کیوں نہیں ہے؟ یہ امام کی تیز بینی اور ان کی ہمہ جانب نگاہ کا ایک نمونہ تھا نیز یہ کہ امام اس حد تک اسلامی آداب کی رعایت کے قائل تھے۔

لبنان پر خصوصی توجہ

امام خمینی کو لبنان کی اسلامی مزاحمتی تحریک بالخصوص حزب اللہ سے کافی لگاؤ تھا اور لبنان کے مسلمانوں اور شیعوں کی مختلف جہات ومیدانوں میں حمایت فرماتے تھے اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ جن حالات میں تمام محاذ اور باڈرز اسرائیل کے سامنے ذلیل وخوار اور سر تسلیم خم کئے ہوئے تھے صرف لبنان وہ بھی اس کا جنوبی علاقہ تھا جو اسلامی انقلاب کا بازو بن کر اسرائیلیوں کے ساتھ مزاحمت کے لئے اٹھ کھڑا ہوا تھا اور اس نے مسلسل اپنے مہلک حملوں کے ذریعہ اسرائیل وامریکہ کے خوبصورت خواب چکنا چور کردیئے تھے۔

خصوصی اجازت

ایک زمانے میں امام خمینی نے تمام شرعی اموال اور امور حسبیہ کی اجازت میں دو تہائی کمی کردی لیکن وہ علما جن کا براہ راست رابطہ حجۃ الاسلام آقائے طباطبائی کے ساتھ تھا۔ان کے لئے امام نے صرف ایک تہائی کم کیا اور دو تہائی کی انہیں اجازت دی گئی اور اس سے بھی عجیب چیز یہ تھی کہ باقی ایک تہائی میں بھی لبنان سے امداد کی درخواست کی جاتی تو امام وہ ایک تہائی بھی لبنان بھیجنے کا حکم دیدیتے تھے اور اس طرح یہ پیسہ اس صندوق میں ڈالا جاتا تھا جو امور خیر اور ضرورتمندوں کی امداد کے لئے کھولا گیا تھا۔
مختصر طور پر کہا جاسکتا ہے لبنان سے آنے والا سارا پیسہ امام خمینی واپس لبنان لوٹا دیتے تھے جس سے اندازہ ہوتا ہے امام خمینی لبنان میں معنویت اور مسلمانوں کے اقتصاد کو مضبوط کرنے کو کس قدر اہمیت دیتے تھے۔

حزب اللہ کے جوان علما کے آئیڈیل

امام خمینی کا یہ اصول تھا کہ کبھی بھی بالخصوص اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد کسی گروہ یا حزب کا نام نہیں لیتے تھے لیکن منشور انقلاب میں انہوں نے نہ صرف مسلمانوں اور مسلم اقوام کو بلکہ علمائے اسلام کو بھی حزب اللہ کے جوانوں کو اپنا آئیڈیل بنانے کی تلقین فرمائی امام کا اس طرح کھل کر حزب اللہ کی حمایت کرنا بلا وجہ نہیں ہوسکتا بلکہ اس کے پیچھے یقینا کوئی بہت محکم اور ٹھوس دلیل ہوگی۔

آخری ملاقات آخری دن

لبنان کی اسلامی مزاحمتی تحریک پر امام کی خاص توجہ اورعنایت کا ایک نمونہ یہ ہے جب بھی حزب اللہ کے لیڈران ،عام افراد اور شہدائے لبنان کے افراد خانہ امام سے ملاقات کی درخواست کرتے امام خندہ پیشانی کے ساتھ قبول فرماتے تھے اور اس سلسلہ میں جو آخری ملاقات پیش آئی وہ قابل توجہ اور حیرت انگیز ہے ۔

امام کی زندگی کے آخری ایام میں یعنی ان کی رحلت سے ایک دن پہلے ہسپتال میں جو آخری ملاقات اور دست بوسی انجام پائی ہم نے پہلے اس ملاقات اور دست بوسی کے لئے کارڈ تقسیم کردیئے تھے۔آٹھ بجنے میں کچھ منٹ باقی تھے کہ ایک ضعیف خاتون کو امام کے دفتر میں لایا گیا معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ وہ کسی لبنانی شہید کی ماں ہے وہ ایک ایسے شہید کی ماں تھی جو ایک فدائی حملہ میں شہید ہوئے تھے اور اس حملے میں انہوں نے اسرائیلی فوج پر بڑی کاری ضرب لگائی تھی اور ان کے سیکڑوں فوجیوں کو واصل جہنم کیا تھا۔

میں نے ایک دوست سے ان کا کارڈ لیا اور اس خاتون کو دے دیا تاکہ وہ امام کے ساتھ ملاقات کرے جب وہ امام کے پاس تشریف لے گئیں تو میں نے امام سے عرض کی کہ یہ فلاں شہید کی والدہ ہیں امام بہت خوش ہوئے اور انہوں نے بالکل منفرد انداز میں ان کی دلجوئی فرمائی اور کچھ دیر تک شہید کی ماں کے لئے دعا کرتے رہے۔

فنکاری کی قدر

امام متعدد فنون کےماہر تھے بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ ایک حقیقی اور ممتاز فنکار۔ ان کے پاس ایسا فن تھا جس کا سرچشمہ ان کی پاک فطرت تھی اور جو اسلامی تعلیم و تربیت میں پروان چڑھا تھا۔جو بہترین قالب اور الٰہی مضامین کے ہمراہ تعلیمات وحی کی ترویج کے ذریعہ اسلامی اور انسانی معاشرے کی خدمت میں مشغول تھا جیسے خطابت، قلم، خطاطی وغیرہ جن سے متعلق گفتگو کرنے کے لئے ایک الگ باب درکا رہے،امام جس طرح خود ایک آرٹسٹ اور فنکار تھے دوسرے فنکاروں اور فنکاری کی تشویق بھی فرماتےتھے جس کے چند نمونے ہم یہاں ذکر کررہے ہیں ۔

کیا آپ اصفہانی نہیں ہیں؟

امام خمینی جب نجف اشرف میں تھے ان کی بعض تحریریں شائع کرنے اور منظر عام پر لانے کی بات ہوئی وہاں کے طلاب شکستہ فارسی خط سے آشنا نہیں تھے اس لئے امام کی تحریر سے جدید نسخہ تحریر کرنے کا کام حقیر کے سپرد کیا گیا۔ ایک بار جب حقیر نےان کی تحریر کا جدید نسخہ لکھ کر آپ کی خدمت میں پیش کیا تو امام کچھ دیر بہت غور سے اسے دیکھتے رہے اور پھر سر اٹھا کر مسکراتے ہوئے بڑے مہربان انداز میں فرمایا: کیا آپ اصفہانی نہیں ہیں ؟ مجھے یقین تھا کہ امام اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں اصفہانی ہوں اور سوال کے لہجہ سے بھی سمجھ گیا کہ ان کا سوال واقعاً سوال نہیں ہے اس لئے شرمندگی کے ساتھ سر جھکا لیا۔ پھر امام نے فرمایا: عام طور پر ترک قوم کے افراد خوش خط ہوتے ہیں۔ ترک قوم کے افراد چاہے وہ ایران میں ہوں یا دنیا کے دوسرے ممالک میں ؛عثمانی دور میں خط و خطاطی میں سب سے آگے تھے اس طرح امام اپنے مہربان انداز میں خطاطی سے متعلق ایک نکتہ بیان کرتے ہوئے حقیر کی تشویق کرنا چاہتے تھے۔

جماران میں بھی کبھی کبھی امام کی بعض تحریروں کی کتابت حقیر کو سونپی جاتی تھی ایک دن ایک تحریر جس میں میں خط نسخ، خط نستعلیق اور خط ثلث کا استعمال کیا تھا امام کی خدمت میں پیش کی امام نے اسی سابقہ مسکراہٹ کے ساتھ فرمایا: آپ کے دونوں خط اچھے ہیں۔

یہاں خاص نکتہ یہ تھا کہ امام خطاطی اور اس کے تمام خطوط سے اچھی طرح واقف تھے اور دوسرے یہ کہ اس تحریر میں تین خط استعمال کئے گئے تھے پھر امام نے یہ کیوں فرمایا کہ آپ کے دونوں خط اچھے ہیں؟ وہاں موجود دوستوں میں سے بعض کا کہنا تھا کہ شاید امام کی مراد یہ تھی کہ آپ کا دستخط بھی اچھا ہے اور آپ کے فکری خطوط بھی صحیح ہیں۔

یہاں رکھ دیجئے

امام کے دفتر میں ایک پینٹنگ بھیجی گئی تھی جس میں ایک نوجوان کی تصویر تھی جس کے بارے میں مشہور تھا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نوجوانی کی تصویر ہے کچھ عرصہ تک وہ تصویر دفتر ہی میں رکھی رہی کیونکہ ہم سمجھ نہیں پارہے تھے اسے امام کے پاس لے جائیں یا نہیں وہ پسند فرمائیں گے یا نہیں ؟ کیونکہ اس وقت پیغمبر اکرم ﷺ یا دوسرے آئمہ معصومین علیہم السلام کی جو تصویریں عام تھیں ان تصویروں کا ان

عظیم شخصیات سے کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا اس لئے اہل معنا اور صاحبان معرفت ان کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتے تھے۔

بہر حال ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ ادائیگی امانت کے لئے ہمیں ان کی خدمت میں پیش کردینا چاہئے جب میں اسے لے کر داخل ہوا تو میں نے دیکھا امام کی نگاہیں اس تصویر پر جم گئی ہیں اس لئے میں نے عرض کیا: یہ تصویر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ سے منسوب ہے ہماری توقع تھی کہ معمول کے مطابق اس طرح کی دوسری تصویروں کی طرح اس تصویر کے بارے میں بھی کہیں گے: اسے واپس لے جائیں۔ لیکن امام نے کمرے کی بالائی سطح کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: یہاں رکھ دیجئے۔ دوسرے دن جب ہم امام کے پاس آئے تو وہاں وہ تصویر نہیں دکھائی دی اور اس کے بعد ایک مدت تک اس کا کچھ پتہ نہیں چل سکا۔ کچھ مدت کے بعد امام کو دل کا ایک اور اٹیک ہوا کچھ دن ہسپتال میں رہنے کے بعد انہیں گھر لایا گیا اس لئے کچھ دن کے لئے اس کمرے میں نہ آسکے جہاں امام آکر روزانہ کے ضروری امور انجام دیا کرتے تھے اس لئے ہم پہلی بار ان کے اصلی کمرے میں جو امام کا ذاتی کمرہ تھا؛ ضروری کاموں کے لئے گئے کمرے میں جس چیز نے ہمیں سب سے پہلے اپنی طرف متوجہ کیا وہی تصویر تھی جو وہاں رکھی گئی تھی یہ تصویر امام کے بالکل سامنے رکھی ہوئی تھی۔ یہ تصویر امام کی زندگی کے آخری ایام تک اسی کمرے میں رکھی ہوئی تھی۔

یہ پینٹنگ امام خمینی کی نظر میں اتنی اہم تھی اور آپ کو اس سے اس قدر لگاؤ تھا کہ ایک شخص جس کا یہ دعوی تھا کہ اس کا امام زمانہ کے ساتھ رابطہ ہے امام نے اسے آزمانے اور حقیقت جاننے کے لئے اس سے تین چیزیں پوچھیں جن میں سے ایک سوال اسی تصویر سے متعلق تھا اسی طرح کہا جاتا ہے کہ امام نے اپنی مشہور غزل: من بہ خال لبت ای دوست گرفتار شدم؛ اسی تصویر سے متاثر ہوکر کہی ہے۔

بظاہر امام خمینی کے اس تصویر کے ساتھ اس قدر لگاؤ کی وجہ اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے منسوب ہونا ہے کیونکہ اس بات کا احتمال پایا جاتا ہے کہ اس کی اصل اس راہب نے بنائی ہے جو نوجوانی میں رسول اکرم کے شام کے سفر میں آپ سے ملا تھا؛ لیکن ایسا لگتا ہے امام خمینی نے اس تصویر میں اس ضعیف تاریخی احتمال سے بڑھکر کچھ اور دیکھا ہے۔

بچے کو پینٹنگ پر انعام دیا

ہمارے ایک دوست اپنی فیملی کے ساتھ امام سے ملاقات کے لئے تشریف لائے امام کی دست بوسی کے بعد وہ حقیر کے پاس آئے اور کہا: میرا یہ بیٹا پانچویں جماعت کا طالب علم ہے یہ اپنی پینٹنگ کی کاپی امام کے حضور پیش کرنے کے لئے لایا تھا لیکن وہ کاپی اندر لانے کی اجازت نہیں دی گئی اس لئے یہ بہت غمگین اور دلشکستہ ہو گیا ہے۔

میں نے اس کی پینٹنگ کی کاپی لی اور دوسرے دن امام کی خدمت میں پیش کی اور انہیں بتایا کہ فلاں بچے کی ہے۔ امام نے اس کے تمام ورق بہت غور سے دیکھے اس میں ایک تصویر نے امام کی نگاہیں جلب کرلیں جس میں ایک ٹینک بنایا گیا تھا جس میں ٹائروں کی جگہ شاپنر، باڈی کی جگہ کتاب، گولہ باری کرنے والے پائپ کی جگہ پنسل اور اس کے ڈرائیور کی جگہ ایک ننھا طالب علم بنایا گیا تھا امام اس ڈرائنگ کو دیکھ کر مسکرائے اور پھر حکم دیا کہ اس بچے اور ڈرائنگ کے ڈیزائنر کے لئے مناسب انعام ارسال کیا جائے امام کے حکم کے مطابق ان کے دفتر کی جانب سے ایک خط کے ہمراہ انعام بھی بھیجا گیا۔

میں نہیں چاہتا

مجلس خبر گان رہبری (قیادت کونسل) کے دوسرے انتخابات کے لئے بعض احزاب کی جانب سے امام کے دفتر کی دو معروف شخصیات کو امیدوار کے عنوان سے پیش کیا گیا ان دو امید واروں میں سے ایک نے امام کو یہ بات بتائی تو امام نے فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگ جو مجھ سے منسوب ہیں اس میں شریک نہ ہوں۔ اگر آپ لوگوں کو ووٹ نہیں ملے تو یہ خود آپ کے نقصان میں ہے اور اگر ووٹ مل گئے تو ممکن ہے یہ کہا جائے کہ یہ تو ہونا ہی تھا نیز یہ کہ یہ کام علمائے مشہد کی بھی توہین ہے۔ یاد رہے ان دونوں میں سے کوئی بھی خراسان (مشہد) کا رہنے والا نہیں تھا۔

آپ کی طرف سے شائع ہونے والے بہت سے پیغامات جو امام کے ہاتھ سے لکھے ہوتے تھے لیکن بہت سے پیغامات دوسروں کے لکھے ہوتے تھے جن پر امام صرف دستخط فرماتے تھے۔ ان میں سے بعض پیغامات ایسے ہیں جن کے بارے میں وضاحت ضروری ہے تاکہ ان پیغامات کے امام کی طرف منسوب کئے جانے کی وجہ سے جو غلط فہمیاں ہیں وہ دور ہوجائیں۔

وہ احکامات اور پیغامات جو دوسروں کی تحریر اور امام کے دستخط کے ساتھ ہیں چند قسم کے ہیں ان میں سے ایک حسبی امور کے اجازے، امام کی جانب سے وکالت اور نمائندگی کے احکام کہ جن میں 1340 شمسی(اپریل1961)کے ابتدائی ایام تک بعض خود امام کے لکھے ہوئے ہیں اور بعض دوسروں نے لکھے ہیں اور انقلاب اسلامی کی کامیابی کے بعد اکثر محترم رسولی محلاتی کے ہاتھ کے لکھے ہیں۔

بعض پیغامات مختلف ممالک کے سربراہان مملکت کو لکھے گئے تھے اس طرح کے پیغامات اکثر ان کی جانب سے مبارکبادی کے پیغامات کے جواب ہوا کرتے تھے اور ان میں سے اکثر مشرقی بلاک ،اسلامی ممالک اور تیسری دنیا کے سربراہان مملکت کی جانب سے ہوتے تھے ۔جہاں تک میرا خیال ہے ان میں اکثر پیغامات مالدیو کے صدر مامون عبد القیوم کی طرف سے ہوتے تھے۔

اس طرح کے پیغامات معمولا ایک جیسے ہوتے تھے یہ پیغامات امام کی طرز کے مطابق محترم رسولی محلاتی یا حقیر لکھا کرتے تھے اور پھر امام اس میں جو کم یا زیادہ فرماتے تھے اسے دوبارہ تحریر کرکے امام سے دستخط کروانے کے بعد ارسال کیا جاتا تھا۔ اور امور حسبیہ کے اجازے عام طور سے امام پڑھنے کے بعد مہر لگایا کرتے تھے ۔

تیسری قسم کے پیغامات وہ طولانی پیغامات ہوتے تھے جنہیں امام ایک دو ہفتے یا اس سے کم یا زیادہ مدت میں لکھا کرتے تھے ان میں سے بعض پیغامات پراکندہ اوراق میں اور کبھی مختلف سائز کے صفحات میں لکھے جاتے تھے جن میں کہیں پر کسی تحریر پر خط کھچا ہوتا اور اس کی جگہ دوسری عبارت لکھی ہوتی اور کہیں حاشیہ لگا ہوتا تھا۔یہ پیغامات امام کی تحریر میں ہوتے تھے لیکن آقائے محلاتی یا حقیر انہیں دوبارہ ایک اندازے کے صفحات میں ایک خط کے ساتھ تحریر کرتے تھے اور امام اسے دوبارہ پڑھنے کے بعد دستخط فرماتے تھے۔

یہ بات پھر سے تاکید کے ساتھ عرض کی جاتی ہے کہ امام کی جانب سے کوئی بھی تحریر چاہے وہ کسی شرعی مسئلہ کا جواب ہو، امور حسبیہ کے اجازے ہوں،نمائندگی یا وکالت کے احکامات ہوں یا امام کے مختصر اور طولانی پیغامات ہوں یا کوئی بھی دوسری تحریر جو امام کی مہر اور اس سے بڑھ کر ان کے دستخط کے ساتھ ہو چاہے وہ خود امام کی تحریر ہو یا دوسروں کی چونکہ ان پیغامات کا مضمون بہت باریک بینی اور پورے احتیاط کے ساتھ لکھا جاتا تھا اور امام اسے دوبارہ پڑھا کرتے تھے اس لئے ان پیغامات کا ایک ایک حرف اور ایک ایک لفظ خود امام کا ہے اور ان سے تعلق رکھتا ہے۔

ذیل میں ایک نمونہ پیش کیا جا رہا ہے جو خود امام کی ایک تحریر ہے لیکن اسے حقیر نے امام کی تحریر سے لفظ به لفظ دوبارہ اپنے ہاتھ سے لکھا ہے اور پھر امام نے اس پر دستخط فرمائے ہیں ۔

نواں باب

شرعی مسائل کے جوابات

امام کے دفتر کو موصول ہونے والے جو خطوط شرعی سوالات اور مسائل پر مشتمل ہوتے تھے ہم انھیں ہفتے میں کچھ دن شرعی سوال وجواب کے دفتر بھیجا کرتے تھے اور وہاں سے امام کے فتوے کے مطابق ان کا جواب دفتر کو دیا جاتا ہے اور دفتر انہیں امام کی خدمت میں پیش کرتا تھا۔ امام اسے اپنے ساتھ لے جاتے اور ایک دو دن کے بعد واپس لاتے اور پھر ہم ان پر مہر لگایا کرتے تھے ۔

یہاں یہ نکتہ نہایت توجہ کے قابل ہے کہ شرعی سوال وجواب کے دفتر میں امام کی جانب سے جن افراد کو شرعی سوالات کے جواب پر مامور کیا گیا تھا انہیں اس سلسلہ میں بیس سال کا تجربہ تھا اور اس عرصہ میں وہ امام کے فقہی بنیادوں اور ان کے نظریات سے مکمل طور سے آشنا ہوچکے تھے اور جس مسٔلہ کا جواب لکھتے تھے وہ امام کے فتوے کے عین مطابق ہوتا تھا لیکن اس کے باوجود امام بہت غور سے ان کا مطالعہ فرماتے اور جہاں کوئی خاص بات یا نکتہ ہوتا اسے اضافہ فرماتے تھے جس کے چند نمونے مندرجہ ذیل ہیں :

ایک سوال

سوال: میں 36 سال کی ایک خاتون ہوں جس کے چار بچے ہیں ایک مدت سے کمر درد وغیرہ میں مبتلا ہوں جس کی وجہ سے زیادہ کام نہیں کرسکتی اور آرام کرنا میرے لئے بہت ضروری ہے لیکن مجھے اس کی فرصت نہیں ملتی،ڈاکٹروں کا کہنا ہے آپریشن کروانا ہوگا تاکہ مجھے آئندہ اولاد نہ ہو کیا ایسی صورت میں میرے لئے رحم کی نلیوں کا بند کروانا جائز ہے یا نہیں ؟ البتہ میرے شوہر بھی اس کام سے راضی ہیں ۔

جواب : بسمہ تعالیٰ ۔اگر یہ کام جسم کے اس حصے میں عیب ، خرابی یا ہمیشہ کے لئے بانجھ پن کا باعث نہ ہو تو کوئی حرج نہیں ۔ (البتہ آپ کی طرح کے افراد کے لئے کوئی حرج نہیں ہے)

ایک دوسری مثال

سوال : جن سجدہ گاہوں پر نقش ونگار رہتا ہے یا کچھ لکھا ہوتا ہے ان پر سجدہ کرنا کیسا ہے ؟

جواب : کوئی حرج نہیں ہے البتہ اگر بارگاہ معصومؑ کا نقش ہے تو اس پر سجدہ نہ کیا جائے۔

ایک اور نمونہ

سوال: اگر زوجہ یا شوہر میں سے کوئی ایک دوسرے کی نافرمانی کرے یا دونوں ایک دونوں کی نافرمانی کریں اور ان کے درمیان صلح و صفای کا امکان بھی نہ ہو تو کیا ایسی صورت میں طلاق دی جاسکتی ہے؟

جواب: بسمہ تعالیٰ ۔ طلاق کا اختیار مرد کے ہاتھ میں ہے البتہ بعض حالات میں عادل مجتہد طلاق دے سکتاہے اگر عورت طلاق لینے پر مجبور ہو اور اس کے لئے میسر بھی نہ ہو۔

مندرجہ بالا نمونوں میں انورٹیڈ کامے () کے درمیان کی عبارت خود امام کی تحریر ہے۔

یہ ان سوالات کے نمونے تھے جن کے جوابات خود امام کی مہر کے ساتھ دئے جاتے تھے لیکن آخری کچھ برسوں میں شرعی سوال و جواب کا دفتر براہ راست سوالات کا جواب دیتا اور دفتر کی مہر کے ساتھ اسے سوال کرنے والوں کو ارسال کیا جاتا تھا۔

دوسری بات یہ کہ 1360 شمسی (اپریل1961)سے پہلے تک ان سوالات و جوابات کا کوئی بھی نمونہ دفتر میں محفوظ نہیں کیا جاسکا اور نہ ہی اس کی کاپی لی جاسکی البتہ اس کے بعد کسی طرح فوٹو کاپی کی ایک مشین فراہم کی گئی تاکہ جوابات بھیجنے سے قبل ان کی ایک کاپی دفتر میں بھی رکھی جائے ان سوال و جواب کا ایک حصہ جامعہ مدرسین کی جانب سے مدون اور شائع کیا گیا ہے۔

یہاں شرعی سوال و جواب اور امام کی جانب سے خاص اجازوں کے کچھ نمونے نقل کئے جارہے ہیں جنہیں میں نے بعض موقعوں پر نوٹ کیا ہے۔

نماز

16/1/1984 کو ایک جوان نے سوال کیا تھا کہ اس کا باپ ایک لاابالی اور بے دین انسان ہے اور اس سے کہتا ہے کہ وہ اس بات پر راضی نہیں ہوں کہ میں گھر میں نماز پڑھوں ۔کیا میرے باپ کو ایسا کرنے کا حق ہے اور اس کی ذمہ داری کیا ہے ؟ امام نے جواب میں فرمایا: اسے کوئی حق نہیں ہے ایسا کرنے کا ، آپ نماز پڑھ سکتا ہیں کوئی حرج نہیں ہے۔

شرکت نہ کریں

2-3-66 وزارت خارجہ کے ایک ذمہ دار نے ان سفیروں اور نمائندوں کے بارے میں جو اسلامی جمہوریہ ایران کی جانب سے مختلف ممالک میں ہیں اور انہیں بعض اوقات مہمان بلایا جاتا ہے اس کو مد نظر رکھتے ہوئے اس نے یہ سوال کیا تھا: "جس طرح ہم اپنے مختلف پروگراموں میں دوسرے ممالک کے افراد کو دعوت دیتے ہیں وہ بھی اپنے پروگراموں میں ہمارے نمائندوں کو دعوت دیتے تھے اگر ہمارے نمائندے ان کے پروگراموں میں شرکت نہ کریں ان کے نمائندے بھی ہمارے پروگراموں میں شرکت نہیں کرتے۔

مشکل یہ ہے کہ ان کے پروگراموں اور نشستوں میں شراب وغیرہ ہوتی ہے ہماری ذمہ داری کیا ہے ؟ امام نے جواب میں فرمایا: ایسے پروگراموں میں شرکت نہ کریں اور اس کی وجہ بھی بتادیں کہ ہم اس وجہ سے شریک نہیں ہوتے۔

جہنم میں جائیں!

ایک موقع پر ایک سفیر نے لکھا تھا: بعض محفلیں جن میں ہمیں بلایا جاتاہے وہاں الکحل سے بنی مشروبات (شراب وغیرہ) ہوتی ہے اگر ہم ان پروگراموں میں نہ جائیں اور ان کی دعوت قبول نہ کریں تو اسے دوسرا رخ دیا جاتا ہے اور تعلقات میں بھی مشکل پیش آتی ہے۔

امام نے جواب میں فرمایا: جہنم میں جائیں ایسے تعلقات۔ان چیزوں سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ انہیں (ہمارے سفیروں)نہیں جانا چاہیے وجہ بھی بتا دیا کریں تاکہ دھیرے دھیرے انہیں بھی سمجھ میں آجائے کہ ہم یہ سب کیوں کرتے ہیں۔

وسوسے کا حکم

ایک دوست نے مجھے بتایا: میری بیوی برسوں سے طہارت ، وضو اور نمازمیں شدید وسوسہ کا شکار ہوگئی ہے ظہر کی نماز کے لئے وضو اور نماز میں مشغول ہوتی ہے تو مغرب تک فارغ نہیں ہوتی اور نماز بھی پوری نہیں پڑھ پاتی۔ اسی طرح سے مغرب سے شروع کرتی ہے تو نصف شب تک جاری رہتا ہے جبکہ نماز پوری نہیں

ہوپاتی مشہور ڈاکٹروں کی طرف رجوع کیا اور سب سے اس مشکل کے ممکنہ راہ حل کے بارے میں پوچھا لیکن سب بے فائدہ نکلا۔ اس کی وجہ سے میری زندگی شدید خلل کا شکار اور بے نظم ہوگئی ہے یہاں تک کہ بچے ماں کے ساتھ زندگی سے تنگ آچکے ہیں اور مجھ سے اصرار کرتے ہیں کہ ان کی ماں کو چھوڑ دوں اب ہم بالکل آخری نقطہ تک پہنچ گئے ہیں اور ہم نے طے کیا ہے کہ اس سلسلہ میں امام خمینی سے اپنی ذمہ داری معلوم کریں ۔ ان کا جو بھی مشورہ ہو گا اس پر عمل کریں گے ۔

حقیر نے پوری صورتحال امام کو بتائی جس پر امام نے فرمایا: ان سے کہئے کہ جتنا وقت عام افراد وضو اور نماز میں لگاتے ہیں اتنا وقت ان کو دیا جائے اگر اس مدت میں انہوں نے وضو اور نماز دونوں انجام دے دیئے تو مشکل حل ہے لیکن اگر انجام نہ دے سکے تو اس پر سے اس وقت تک یہ فریضہ ساقط ہے جب تک اس چیز سے چھٹکارا نہ مل جائے۔

انہیں اجازت لینا ہو گی

اگر کسی نے اس پیسے سے کوئی چیز جیسے گھر وغیرہ خریدا جس کا خمس نہ نکالا گیا ہو اور ایک سال یا اس سے زیادہ کا عرصہ گزرنے کے بعد بیچ دیا گیا ہو اس سلسلہ میں یہ مشہور تھا کہ امام خمینی کا فتویٰ ہے کہ اگر ایسی چیز جس کا خمس نکالنا نا ممکن ہو تو اس میں خمس معاف ہے اور امام کا یہ فتویٰ ایک عمومی اور جنرل فتوے کی حیثیت سے مشہور کیا گیا تھا اور اس کی نسبت بھی راقم کی طرف دی گئی تھی کہ یہ بات فلاں نے کہی ہے جب کہ حقیر نے یہ کہا تھا کہ امام کے پاس جب اس طرح کا سوال آتا تھا تو وہ جواب میں فرماتے تھے : میں نے اسے بری الذمہ کر دیا ؛ یا فرماتے تھے : جب بھی ممکن ہو خمس ادا کرے۔ پھر طے پایا کہ یہ سوال عمومی اور جنرل طور پر امام سے دوبارہ پوچھا جائے ۔

اس لئے 9/2/1986 کو میں نے امام سے سوال کیا کہ کیا اس طرح کے مواقع پر آپ کا فتوا عمومی اور جنرل ہے اور کیا سب کے لئے ہے؟ یا یہ کہ ہر ایک کے لئے الگ ہے اور ہر ایک کو انفرادی طور پر اجازت لینا ہو گی ؟ امام نے فرمایا : یہ عمومی اور جنرل نہیں ہے بلکہ ہر شخص کو اجازت لینا ہو گی۔

موسیقی کے بارے میں ایک سوال

موسیقی کے بارے میں پوچھا گیا کہ اس کی حدود کیا ہیں ؟ کون سی حرام اور کون سی حلال ہے ؟ تو آپ نے ہمیشہ کی طرح فرمایا : مست کر دینے والی موسیقی حرام ہے ؛ پھر پوچھا گیا : وہ ترانے اور نغمے جو اسلامی جمہوریہ کی ٹی وی ،ریڈیو پر نشر کئے جاتے ہیں کیا وہ حرام ہیں ؛تو آپ نے فرمایا : یہ حرام نہیں ہیں۔

تہران بڑے شہروں میں سے ہے

سوال کیا گیا کہ کیا (شمیران) تہران کا حصہ ہے یا نہیں ؟ فرمایا: ہاں تہران کا حصہ ہے پھر مثال دیتے ہوئے فرمایا: وہ دو دریا جن کے درمیان فاصلہ ہو اگر اس کے فاصلہ کو ہٹا دیا جائے تو اب وہ دو دریا نہیں رہ جاتے بلکہ ایک ہوجاتے ہیں۔ اس فرض کے ساتھ اگر شمیران ، شہر رے اور اس طرح کے علاقے تہران کا حصہ شمار نہ ہوں تو تہران کا شمار بڑے شہروں میں نہیں ہو گا ۔ اسے اسی وقت بڑا شہر مانا جائے گا جب یہ علاقے بھی اس میں شامل ہوں گے ۔

امام خمینی کی طرف سے فقہی سوالات کا جواب دینے پر جن افراد کو مامور کیا گیا تھا ان میں سے ایک کی طرف سے میں نے امام سے سوال کیا : اگر ہم کسی ایسی جگہ سفر پر جائیں جس کے حدود تک کا سفر 8 فرسخ سے کم ہے لیکن شہر یا علاقہ کے اندر خود وہ جگہ جہاں ہم جارہے ہیں 8 فرسخ سے زیادہ فاصلہ پر ہے تو ان میں قصر کا معیار کیا ہو گا ؟ شہر کے ابتدائی حدود یا شہر کے اندر وہ جگہ جو ہماری منزل مقصود ہے ؟

امام نے جواب دیا : اگر منزل مقصود خود شہر ہے تو شہر کے ابتدائی حدود معیار ہیں اور اگر اسے شہر سے کوئی سروکار نہیں بلکہ وہاں کسی خاص دفتر یا کارخانہ وغیرہ میں جانا چاہتا ہے تو معیار وہ منزل مقصود ہے جہاں وہ جانا چاہتا ہے۔

ملازمین کو ملنے والی عیدی میں خمس نہیں ہے

حکومت کی طرف سے سرکاری ملازمین کو جو عیدی دی جاتی ہے اس کے بارے میں پوچھا گیا کہ یہ عیدی اس لئے دی جاتی ہے کیونکہ براہ راست ان کی تنخواہ میں اضافہ کرنے کی وجہ سے بہت سی مشکلات پیدا ہوتی ہیں اس لئے انہیں عیدی کے عنوان سے کچھ رقم دی جاتی ہے اس سے کوئی مشکل بھی پیدا نہیں ہوتی اور ملازمین

کی تنخواہوں میں بھی ایک طرح سے اضافہ ہوجاتاہے۔ ابھی سوال پورا بھی نہیں ہونے پایا تھا کہ امام خمینی نے پوچھا : آپ یہ بات ان پیسوں میں خمس کے لئے کہہ رہے ہیں ؟ عرض کی : جی ہاں ! فرمایا: اس پر خمس نہیں ہے ۔

ضرورت سے زیادہ

حوزہ علمیہ کے ایک طالب علم نے ماہانہ وظیفہ سے متعلق ایک سوال کیا کہ حوزہ علمیہ کی طرف سے طلاب کو ماہانہ جو وظیفہ دیا جاتا ہے اگر وہ سال کے آخر میں بچ جائے تو کیا اس پر خمس واجب ہے ؟ جواب میں امام نے فرمایا: انہیں ضرورت سے زیادہ وظیفہ نہیں لینا چاہیے۔

خواتین کا پردہ

امام خمینی شہوت و لذت اور حیوانیت سے لبریز مغربی تہذیب کی ترویج سے سخت نالاں تھے اور مغرب کی ماڈرن جہالت کی اندھی تقلید کی وجہ سے پہلوی حکومت خواتین کے تئیں جس ظلم و جرم کا مرتکب ہوئی تھی اس کے مد نظر خواتین کے حجاب اور محرم و نا محرم کے تعلقات کے تئیں امام خمینی کافی حساس تھے اور امام کی یہ حساسیت دوسری تمام چیزوں کی طرح اسلام کی حقیقی اور خالص تعلیمات کا نتیجہ تھیں۔ اپنے فتوؤں میں بھی چاہے وہ ان کی توضیح المسائل میں ہوں یا فقہی سوالات کے جواب میں ہوں ؛ پوری صراحت کے ساتھ پردے اور حجاب کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالتے تھے ۔ جن میں سے کچھ نمونے یہاں ذکر کئے جارہے ہیں:

سوال : کیا حجاب ضروریات اسلام میں سے ہے ، اسلام کے منکر وہ افراد جو اس الٰہی دستور کی مخالفت کرتے ہیں بطور خاص اسلامی معاشرے میں اس کی رعایت نہیں کرتے ان کے بارے میں کیا حکم ہے ؟

جواب : بسمہ تعالیٰ ۔ حجاب کا حکم ضروریات اسلام میں سے ہے اور اس کا منکر ضروریات اسلام کا منکر ہے اور ضروریات اسلام کا منکر کافرہے مگر یہ کہ ہمارے لئے واضح ہو کہ وہ خدا اور رسول کا منکر نہیں ہے۔

سوال: خواتین کے لئے واجب پردے کی حد کیا ہے ؟

جواب : بسمہ تعالیٰ ۔ خواتین کے لئے پورے بدن کا چھپانا واجب ہے سوائے چہرے اور ہتھیلیوں کے۔

سوال: خواتین کے پردے میں چہرے اور دونوں ہاتھوں کے چھپانے کو ضروری نہیں جانا جاتا اور نا محرم کے اس حصہ پر شہوت یا فساد کے عنوان کے بغیر نگاہ کو بھی جائز بتایا جاتا ہے ،کیا آرائش شدہ چہرے کے لئے بھی یہی حکم ہے ؟یا حکم سادہ چہرے کا ہے ؟ نیز کیا انگوٹھی جیسی چیز کا ظاہر کرنا جائز ہے؟یہ بھی بتایئے کہ اگر چہرے پر آرائش کی گئی ہو تو اس کا چھپاناواجب ہے یا نہیں ؟

جواب : بسمہ تعالیٰ ۔ اگر چہرے پر آرائش کی گئی ہو تو اسے چھپانا ضروری ہے اور نا محرم کے لیےایسے چہرے پر نگاہ ڈالنا جائز نہیں ہے اسی طرح ہاتھوں کا بھی یہی حکم ہے اگر اس پر زینت کی گئی ہو چاہے وہ ایک انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو ۔

سوال : کیا عورت کے لئے جائز ہے کہ وہ آرائش کئے ہوئے چہرے کو نا محرم مرد کے سامنے کھلا رکھے؟

جواب : بسمہ تعالیٰ ۔ جائز نہیں ہے ۔

سوال : اگر عورت کی بھویں صاف کردی گئی ہوں تو کیا اس کے لئے چہرا چھپانا واجب ہے ؟

جواب : بسمہ تعالیٰ ۔ جی ہاں زینت چھپانا واجب ہے۔

سوال : اگر عورت نے ہار پہنا ہو تو کیا اس کا پردہ واجب ہے ؟

جواب : بسمہ تعالیٰ ۔ گزشتہ مسئلہ کی طرح ہے ۔

سوال: خواتین کے لئے اسلامی حجاب کی کیا حدود ہیں کیا اس کے لئے ایک لمبی اور کھلی قمیص شلوار اور اسکارف (جو سر کے بال وغیرہ کو چھپا دے) کافی ہے نا محرم کے سامنے عورت کو کس طرح کا لباس پہننا چاہئیے ؟

جواب : بسمہ تعالیٰ۔ عورت کے لئے پورے جسم کا چھپانا واجب ہے سوائے چہرے کی گولائی اور گٹوں تک ہاتھ اورمذکورہ لباس اگر جسم کے اتنے حصے کو چھپاتا ہے جو بیان کیا گیا ہے اسے پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن (سر سے پیر تک) ایک بڑی چادرکا اوڑھنا بہترہے ۔ اور وہ لباس جو نامحرم کی نگاہوں کو متوجہ کرنے کا سبب ہو اس سے پرہیز کیا جائے۔

دسواں باب

اختتام

دفتر کے آخری ایام

اس پوری مدت میں جب ہم امام کی خدمت میں تھے ۔ صبح کو دفتر سے متعلق مختلف امور اور رقوم شرعی کے حساب و کتاب کے لئے امام کی خدمت میں حاضر ہوتے ۔ ان دنوں صبح آٹھ بجے کے بعد تقریبا بیس سے پچاس منٹ تک امام کی خدمت میں پہلے سوالات کے جواب ، اجازت نامے اور اس طرح کے کام کرتے اور پھر رسیدوں پر مہر لگانے کا کام کرتے اور اس مدت میں امام رپورٹوں وغیرہ کے مطالعہ میں مشغول ہوتے تھے۔ صرف پہلی اور دوسری خرداد کو جس کے اگلے دن یعنی تین خرداد کو امام کا آپریشن ہونا تھا کام معمول کے مطابق انجام نہیں پائے بلکہ ان دو دنوں میں امام نے اشاروں سے کچھ سوالوں کا جواب دیا۔

اس کے بعد امام نے مطالعہ کا کام چھوڑدیا بلکہ زیادہ اوقات خاموش رہتے تھے گویا امام اس خاموشی میں دنیا سے دور مستقبل کے کسی افق پر نگاہیں جمائے سوچا کرتے تھے۔امام کی جسمانی حالت اس حد تک بہتر تھی کہ ہمیشہ کی طرح دفتر اور قیام گاہ میں تشریف لاتے اور بغیر کسی پریشانی کے سارا کام کیا کرتے تھے۔بظاہر ان کی جسمانی حالت ٹھیک تھی اور اپنی بیماری سے بھی بے خبر تھے۔جہاں تک مجھے معلوم ہے امام کو آخر تک ان کی بیماری کے بارے میں نہیں بتایا گیا۔ان دنوں امام کی جسمانی حالت ایسی تھی کہ ہسپتال داخلہ سے ایک ہفتے پہلے تک امام کولڈ ڈرنک بھی پیتے تھے پھر ڈاکٹر نے ان سے کہا: ”اگر آپ کولڈ ڈرنگ نہ پئیں تو آپ کے لئے اچھا ہے“ 23/5/1989 کو ڈاکٹر امام کے پاس آئے اور بولے:”اگر آپ کی اجازت ہو تو ہم کل کی طرح آج پھر آپ کا معائنہ کرنا چاہتے ہیں“ اس سے ایک دن پہلے امام کی انڈوسکوپی کی گئی تھی۔ امام یہ سمجھے تھے کہ ان کے معدے کی خون ریزی بعض دواؤں کے ری ایکشن کی وجہ سے ہے اس لئے بولے: ”مجھے کل کافی تکلیف ہوئی ہے۔اگر آپ لوگوں کو لگتا ہے کہ یہ خونریزی دواؤں کی وجہ سے ہے تو میں دس دن تک دوائیاں نہیں کھاؤں گا۔شاید اس سے مشکل برطرف ہوجائے “

ڈاکٹر نے عرض کی کہ انڈواسکوپی ضروری ہے لیکن میں وعدہ کرتا ہوں کہ کل کی طرح آپ کو تکلیف نہیں ہوگی۔ امام خمینی اس سے پہلے بھی کئی سخت بیماریوں سے گزر چکے تھے اس لئے ان کا اس بیماری سے پریشان ہونے کا سوال ہی پیدانہیں ہوتا تھا یہاں تک کہ اگر امام کو اپنے کینسر کی بیماری، آپریشن اور موت کی اطلاع

بھی ہوتی تو بھی ان کی عظیم روح پر اس کا اثر نہ ہوتا اور ان کی پیشانی پر بل نہ آتا لیکن ان دنوں امام کسی گہری سوچ میں تھے اب نہیں معلوم انہیں کس چیز کی فکر مندی تھی۔

آپریشن تھئیٹر میں

اس کے اگلے روز یعنی 24 تاریخ کو مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ امام کا آپریشن ہے لیکن میں اتنی بے یقینی کی حالت میں تھا کہ میں سارے کاغذات لئے اور رسیدیں وغیرہ اکٹھی کر کے امام کے بیت الشرف کی جانب روانہ ہو گیا لیکن جب دروازہ بند پایا تو میرا دل شدت سے کانپ اٹھا۔ میرے پیروں میں جیسے جان نہیں رہی لیکن میں نے فوراً خود کو سنبھالا اور ہسپتال کی طرف بھاگا۔ جیسے ہی میں راہداری میں داخل ہوا میری نگاہیں ٹیلی ویژن کی اسکرین پر پڑیں۔ امام آپریشن تھئیٹر میں بیہوش تھے۔ ڈاکٹر پروانہ وار اس شمع کے ارد گرد اکٹھا تھے اور امام کے آپریشن کی تیاری کر رہے تھے۔ بڑے سخت لمحات تھے اتنے سخت کہ جیسے میرے سینے پر پہاڑ رکھ کر چھوڑے جا رہے ہوں۔ دل منہ کو آیا ہوا، ہونٹوں پر دعا، دل میں ذکر خدا اور آنکھوں کے پیالے اشکوں سے بھرے تھے۔ صدر مملکت آیۃ اللہ خامنہ ای، پارلیمنٹ کے اسپیکر ہاشمی رفسنجانی اور چیف جسٹس موسوی اردبیلی بھی یکے بعد دیگرے آئے۔ امام کے دفتر کے چند لوگ، حاج احمد آقا اور امام کی ایک نواسی بھی وہاں موجود تھیں۔ آنکھیں ٹیلی ویژن کی اسکرین پر جمائے سب زار و قطار روئے جا رہے تھے۔ سب سے زیادہ خاموش اور پر سکون امام کے بیٹے تھے جن کے دل میں شیر دل باپ کا دل تھا۔ میری یہ حالت تھی کہ نہ دیکھنے کی سکت تھی اور نہ ہی محبوب کے چہرے سے نگاہیں ہٹانے کی مجال۔ آپریشن کا آلہ ان کے سینے کو نہیں بلکہ ہمارے دلوں کو چیر رہا تھا۔ امام کے ہمراہ گزارے ہوئے عشق و ارادت، ہجر و وصال کی تلخیوں و شیرینیوں کے تیس سالوں میں امید و بے چینی کے یہ تین گھنٹے بھی گزر گئے۔

آخر کار آپریشن کامیابی کے ساتھ مکمل ہوا اور سب کے مرجھائے ہوئے چہروں پر دوبارہ خوشی کے پھول کھلنے لگے۔ پھر وہ لمحہ بھی آ پہنچا جب امام کو آپریشن تھئیٹر سے دوسرے کمرے میں منتقل کیا جانا تھا۔ وہ لمحہ جب شوق دیدار اور اشکوں کے درمیان میں نے امام کے چہرہ مبارک کی زیارت کی اور میرے دل میں بپا طوفان کی سر اٹھاتی موجوں کو قرار آیا۔ میں ڈاکٹروں کا شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا لیکن میرے پاس الفاظ نہیں تھے گویا میری زبان خاموش ہو گئی تھی اس وقت مجھ سے بس اتنا ہی ہو سکا کہ میں نے بے ساختہ ڈاکٹر کا ہاتھ چوم لیا۔

ان دنوں کی یادیں اور باتیں تو بہت زیادہ ہیں، یہاں تک وہ افراد جو اس دن وہاں موجود تھے ان کی زبانی بھی بہت باتیں نقل ہوئی ہیں بالخصوص امام خمینی کی عبادت، رازونیاز، گریہ شب، ذکر خدااور نماز کے لئے جو خاص اہتمام کرتے تھے جو کہ امام کا دیرینہ طریقہ تھا وہ سب کے تصور سے باہر تھا۔ اس طرح خدا یہ بھی چاہتا تھا کہ کم از کم ان چند ایام میں اپنے اس صالح بندے کی معنویت کی کچھ جھلکیاں دوسروں کو بھی دکھائے جو ابھی تک سب کی نظروں سے مخفی اور ناشناختہ تھیں ساتھ ہی مخفی کیمروں کی نگاہوں کے ذریعہ اس بندۂ صالح کی عبودیت کے ان لمحات کو قید کرکے مستقبل میں آنے والے خدا جو انسانوں اور تاریخ کے لئے محفوظ ہو جائے لیکن افسوس کہ کسی بھی دوربین، ذرہ بین یا کسی اور بین میں مقام حق کی حقیقت کو محفوظ کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ اس عبد خدا کی دسیوں سال کی خالصانہ عبادت، دسیوں سال کی شبانہ مناجاتیں، دسیوں سال کی ریاضتیں، دسیوں سال کا جہاد اکبر و جہاد اصغر، دسیوں سال سیر و سلوک کا سفر اور۔۔۔۔ کہاں ہم اور کہاں وہ! ان کی منزلت کی بلندی تک ہمارا طائر فکر بھی پرواز نہیں کر سکتا۔

ان سب کے باوجود گویا مشیت ایزدی یہی تھی کہ چند دنوں اور چند راتوں ہی کے لئے سہی دنیا والوں کے لئے ثابت کرے کہ اگرچہ "وَ مَن نُعَمِّرهُ نُنَكِّسهُ فِي الخَلقِ" کا قانون عام ہے لیکن ذات حق میں گم ہو جانے والی باطنی شخصیت درازی عمر، جسمانی بیماری حتی موت کی وجہ سے متاثر نہیں ہوتی۔

امام خمینی جتنا جتنا زندگی کے آخری لمحات سے قریب ہوتے جارہے تھے ان کا وجود خدا کی طرف توجہ سے لبریز ہوتا جارہا تھا، الٰہی حکمت و معرفت کے آثار ان کے اندر ظاہر ہوتے جارہے تھے اور ان کے چہرے کی نورانیت بڑھتی جارہی تھی جبکہ جسمانی لحاظ سے دن بدن کمزور ہوتے جارہے تھے۔ طبیعی لحاظ سے جسمانی کمزوری اور درد و الم کی وجہ سے ان کو تڑپنا اور کراہنا چاہیے تھا لیکن جس کی روح اس کی طبیعت اور جسم پر غلبہ پالے وہ ایسے حالات میں دوسرے سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔

انہوں نے اگر زندگی میں رنج و الم کا اظہار کیا بھی تھا تو صرف خدا کے لئے اور خدا کی بارگاہ میں کیا تھا اس لئے ان کے گلے سے جسمانی تکلیف کی وجہ سے نکلے والے نالہ و شیون کے بجائے ذکر خدا کی آواز اور وصل و لقاء الٰہی کی وجہ سے پیدا ہونے والی کیفیت کے ترانے ہی نکل رہے تھے اور ان کا چہرہ مبارک جو صرف خدا کے لئے دمکتا تھا اس پر جسمانی تکلیف کی وجہ سے درد و اکتاہٹ کے آثار ہونے کے بجائے نور ایمان، اطمینان نفس اور دوست سے ملاقات کی وجہ سے پیدا ہونے والا سرور ظاہر ہو رہا تھا۔

وہ ان مومنین میں سے تھے جو اسی دنیا میں اپنا حساب و کتاب کر لیتے ہیں اس سے پہلے کہ اس دنیا میں ان سے حساب و کتاب لیا جائے۔ ان کی عظیم روح اگرچہ ظاہری طور پر ابھی تک ان کے جسم سے متصل تھی لیکن در حقیقت وہ قفس

عنصری سے نکل کر اور دنیا کی تمام مادیات سے پچھا چھڑا کر خدا سے متصل ہو چکی تھی۔ وہ پر سکون دل، مطمئن قلب، خرم روح اور امیدوار ضمیر کے ساتھ جہان ابدی کی طرف محو سفر تھے۔

آخری دن

تیرہ خرداد مطابق ۳ جون کو دفتر میں رجوع کرنے والے افراد بہت زیادہ تھے اس کے باوجود ہم نے معمول کے مطابق رسیدیں اور دوسری چیزیں کام کے لئے تیار رکھی ہوئی تھیں لیکن یہ کام ہمیشہ کے لئے رہ گیا اور کبھی انجام نہیں پا سکا کیونکہ دوپہر کے بعد ایک دوست نے دفتر فون کیا اور کہا کہ جلدی ہسپتال پہنچو اس لئے صدر، اسپیکر اور چیف جسٹس ایک اہم میٹنگ چھوڑ کر یہاں آئے ہیں ممکن ہے کوئی خاص بات ہو۔ یہ بات سن کر سب لوگ پریشان ہو گئے اور دفتر میں موجود دوستوں نے مجھ سے کہا کہ فوراً جائیں اور ہسپتال پہنچتے ہی ان کو بھی بتائیں۔ شام کے تقریباً چار بجے تھے جب میں ہسپتال پہنچا۔ وہاں پہنچا تو ایک غمناک اور اداس اداس فضا سے روبرو ہوا، سب لوگ احاطہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آنکھیں اشکبار اور رنگ اڑے ہوئے تھے لیکن سب خاموش تھے کوئی کچھ نہیں بول رہا تھا۔ میں سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ کیا ہوا ہے، میری زبان پر جیسے تالا لگ گیا تھا اور ٹانگوں سے جان غائب ہو گئی تھی، دل شدت سے دھڑک رہا تھا۔ کچھ دیر میں زمین پر بیٹھا رہا، پھر آہستہ آہستہ خود کو سنبھالا، اٹھا اور اس کمرے کی طرف گیا جس میں امام تھے۔ اس وقت مجھے اپنی زندگی کے سب سے زیادہ سخت لمحات محسوس ہو رہے تھے۔ امام بیہوش تھے۔ دل اور سانس کی متعدد مشینیں ان کے ارد گرد تھیں۔ کمرے کی فضا بھی مایوس کن تھی۔ میں کچھ دیر سے زیادہ اس منظر کو برداشت نہ کر سکا اور اس وقت میں نے شیخ سعدی کے اس شعر کے مفہوم کو زندگی میں پہلی بار محسوس کیا۔ ع

در رفتن جان از بدن گویند هر نوعی سخن
من خود بہ چشم خویشتن، دیدم کہ جانم می رود

تقریباً مغرب کا وقت تھا جب ڈاکٹروں نے رپورٹ دی۔ امام کی حالت اور آئندہ زندگی کے بارے میں پوچھا گیا تو جواب دیا گیا: اب بات ہفتوں اور دنوں کی نہیں ہے بلکہ کچھ گھنٹوں کا معاملہ ہے، ان جملوں نے گویا سب کو ہلا کر رکھ دیا لیکن پھر بھی بعض باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے سب کو سکون اور خاموشی اختیار کرنے کے لئے کہا گیا۔ اس وقت کی خاموشی بہت تلخ اور جان لیوا تھی، رات اور غم کی سیاہی دونوں آپس میں مل گیئں تھیں۔ سب اندر ہی اندر غم واندوہ کے تاریک اور تلاطم خیز سمندر میں ہاتھ پاؤں مار رہے تھے۔ سب کی یہی آرزو تھی کہ امام کا بلڈ پریشر بڑھ جائے اور وہ پلکوں یا بھنوؤں کو تھوڑی سی حرکت دیں لیکن۔۔۔ وقت کے گھڑیاں بہت سستی سے گزر رہی تھیں کہ اچانک ہم سب کی زندگی

کا سب سے زیادہ تلخ اور دردناک واقعہ پیش آیا۔ ابھی ساڑھے دس بھی نہیں بجے تھے کہ امام کا بلڈ پریشر صفر پر پہنچ گیا اور عالم اسلام کے اس دھڑکتے ہوئے دل کی حرکت بند ہو گئی۔ قلم و زبان میں ان لمحوں کی بیان کرنے کی سکت نہیں ہے۔ کچھ دیر نالہ و شیون کی صدائیں فضا میں گونجتی رہیں لیکن جب ایک بزرگ نے سب کو صبر کی تلقین کی اور یہ موضوع چھیڑا کہ امام کی رحلت کی خبر کس طرح باہر دی جائے تو سب خاموشی سے سر جوڑ کر سوچنے لگے اور ماحول پر ایک خاموشی طاری ہو گئی۔

جہاں امام سب سے ملاقاتیں کیا کرتے تھے، لے جایا گیا اور نماز صبح کے بعد قریب ہی کے ایک سردخانہ میں رکھا گیا۔

الوداع امام!

اگلی رات یعنی 5 جون کی رات طے پایا تھا کہ امام کا جنازہ "مصلیٰ" لے جایا جائے اس غرض سے تقریبا آدھی رات کے وقت میں امام کے جنازہ کا دیدار کرنے پہنچا، انہیں دیکھ کر ایسے لگا جیسے وہ زندہ بلکہ پہلے سے زیادہ زندہ ہیں۔ ان کے پیروں کا کئی بار بوسہ لیا کیونکہ یہ پیر صرف خدا کے لئے اٹھتے تھے۔ ان کے چہرے کی بھی آخری بار زیارت کی اور بوسہ لیا۔ ان سے معذرت خواہی کی اور دعا کی التماس کی اور پھر ان سے رخصت ہوا۔ یہ میری زندگی کے سب سے اہم، قیمتی، المناک اور جانسوز لحات تھے۔ یہ ایسے لحات تھے جن کے بارے میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔

" وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا "

گیارھواں باب

امام خمینی منفرد زاویے سے

تقدیر بدل دینے والا پیغام

انقلاب سے پہلے کئی دنوں سے تہران میں گورنر راج نافذ کیا گیا تھا جو روزانہ رات دس بجے کے بعد سے شروع ہو جاتا تھا۔ ۱۰ فروری ۱۹۷۹ کو دوپہر دو بجے کے بعد تہران کے گورنر نے اعلان کیا کہ آج سے گورنر راج کا نفاذ چار بجے شام سے کیا جائے گا۔ لوگوں کو یہ خبر سن کر جہاں تعجب ہوا وہیں فکر مند بھی ہوئے کہ ایسا کیوں کیا گیا ہے۔ محترم جبار رضائی جو ایک انقلابی اور مومن سماجی کارکن ہیں اس بارے میں کہتے ہیں: ''یہ خبر سن کر مجھے برا لگا اور میں جس سے بھی اس سلسلے میں بات کرتا تھا اس کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا۔ میں فوراً آیۃ اللہ طالقانی کے گھر پہنچا تا کہ ان سے اس کے بارے میں بات کروں اور ان سے پوچھوں کہ ایسے حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہیے لیکن ان کو بھی اپنی طرح فکر مند پایا۔ کوئی بھی نہیں جانتا تھا اور نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ اس کے پیچھے کیا سازش ہو سکتی ہے اور حکومت کیا کرنا چاہتی ہے اور اس کے مقابلے میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟'' اس وقت تک امام خمینی نے فوجی حکومت اور ان کے ذریعہ نافذ کئے جانے والے قانون کے سلسلے میں کسی رائے کا اظہار نہیں کیا تھا لیکن اس دن فوج کی جانب سے اس اعلان کے رد عمل میں امام نے فوراً ایکشن لیا اور ایک بیان میں قوم سے خطاب فرماتے ہوئے ''ایران کی عزیز ملت اور تہران والوں کے نام'' کے عنون سے ایک پیغام دیتے ہوئے فرمایا: ''فوجی حکومت کی جانب سے آج کا اعلان ایک دھوکہ اور شریعت کے خلاف ہے اور لوگ اس کی طرف بالکل توجہ نہ دیں، میرے بھائیو اور بہنو! بالکل ہراساں نہ ہوں خدا کی مدد سے انشا اللہ آپ لوگ کامیاب ہوں گے'' امام کا یہ پیغام جنگل کی آگ کی طرح پورے تہران میں پھیل گیا، اور بہت سے اہل سیاست یہ پیغام سن کر لوگوں کے فوجی حکومت کی طرف سے ہونے والے اعلان سے زیادہ حیرت زدہ ہو گئے اور امام کے اس اقدام کو غیر منطقی اور خطرناک اقدام قرار دیا۔ دوسری طرف لوگوں نے پورے اشتیاق کے ساتھ امام کے پیغام کو سنا، اس پر لبیک کہی اور اسے عشق و ارادت کے ساتھ جامۂ عمل پہنایا اور ۲۴ گھنٹوں کے اندر ۲۵۰۰ سالہ شہنشاہی نظام کے تمام ستونوں کو گرا گر خاک میں ملا دیا اور حکومت کا تختہ ہی پلٹ دیا۔ دوسرے دن سب پر یہ واضح ہو گیا کہ امام کی تدبیر کس قدر حکیمانہ اور منطقی تھی۔ یہ ایک ایسا پیغام تھا جس نے سفینۂ انقلاب کو بجلی سے تیز رفتار عطا کی اور یہ سفینہ سب کے تصور کے خلاف وقت سے بہت پہلے فتح و ظفر کے ساحل تک جا پہنچا۔

البتہ یہ ظاہری صورتحال تھی کیونکہ کوئی فوجی حکومت کے اس اچانک اعلان اور اس طوفان سے باخبر نہیں تھا جو 11 فروری کی شام کو سفینۂ انقلاب کو غرق کرنے کے لئے آنے والا تھا۔ یہ راز اس وقت فاش ہوا جب انقلاب کی کامیابی کے بعد خفیہ ایجنسی کے دستاویزات، نقشوں اور گرفتار کئے جانے والے افراد کے اعترافات کو سامنے رکھا گیا تو پتہ چلا کہ طے یہ پایا تھا کہ شام کو تہران کے کئی اہم مقامات پر بم بلاسٹ کئے جائیں بالخصوص امام خمینی کی قیامگاہ کو اڑا دیا جائے اور ساتھ

ہی امام کے ساتھ انقلابی تحریک میں اثر انداز سیکڑوں اہم افراد کو گرفتار کیا جائے۔ لیکن سب نے اپنی آنکھوں سے یہ معجزہ دیکھا کہ امام کے پیغام کے بعد سب کی توقع کے خلاف لوگوں کا سیلاب تہران کی سڑکوں پر امڈ آیا جس نے ان تمام سازشوں اور نقشوں پر پانی پھیر دیا اور ایک بار پھر آیہ ""مجسم ہو کر سامنے آئی اور دشمن کی تمام تدبیریں الٹ کر رہ گئیں۔ امام کے پیغام نے ایک طرف دشمن کی سازش کو ناکام کیا اور ساتھ ہی انقلاب کی گاڑی منزل کی طرف حرکت کرنے میں اور بھی تیز رفتار ہوگئی جس کے نتیجے میں ۱۲ فروری ہی کو اسلامی انقلاب کی کامیابی کا معجزہ ایران میں رونما ہو گیا۔

شہدا کے ساتھ

جب امام نے یہ جملے کہے: "خدا سے دعا گو ہوں کہ مجھے بھی جنگ کے شہدا کے ساتھ اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے" امام کے ان جملوں سے یہی سمجھ میں آرہا تھا کہ امام یہ دعا فرمارہے ہیں کہ خداوند متعال قیامت کے دن انہیں ان شہدا کے ساتھ محشور فرمائے لیکن امام کی رحلت کے بعد جب انہیں "بہشت زہرا" یعنی ایران میں شہدا کے سب سے بڑے قبرستان کے بغل میں دفن کیا گیا تو اس وقت اس دعا کا ایک اور مفہوم ہماری سمجھ میں آیا۔ مجھے یاد ہے کہ امام کی رحلت کی پہلی رات کو ملک کی بلند پایہ شخصیات کی جانب سے امام کی تدفین کے لئے قم، جمکران، قم سے قریب دشت احمد، قلعہ مرغی، فضائیہ وغیرہ کے نام لئے گئے لیکن خدا کی مرضی یہ تھی کہ امام اسی جگہ دفن ہوں جہاں انہیں دفن کیا گیا ہے تاکہ ان کی دعا اور آرزو اس انداز میں بھی پوری ہو جائے۔

اس سلسلے میں امام خمینی کی ایک غزل کے آخری شعر پر غور کیا جاسکتا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:

سالہا می گزرد، حادثہا می آید

انتظار فرج از نیمہ خرداد کشم

اگرچہ اس شعر کا مفہوم اپنے سیاق کے اعتبار سے کچھ اور بھی ہے جو خود ایک معما ہے لیکن ۱۵ خرداد سے ایک روز پہلے امام کی رحلت بھی اس شعر کے ایک مصداق کو بیان کرتی ہے۔

اگر ہم آیۃ اللہ خمینی کی پیشینگوئی کو سنجیدگی سے لیتے

یکم جنوری ۱۹۸۹ کو امام خمینی نے کمیونسٹ پارٹی کے سکریٹری جنرل، سوشل سوویت یونین کے صدر اور مشرقی بلاک کی بڑی طاقت کے سربراہ گوباچف جس کے ماتحت تقریبا آدھی دنیا من جملہ مشرقی یورپ بھی تھا؛ کو ایک پیغام بھیجا جس کے بعض جملے اس طرح سے ہیں: ''دنیا کے حقائق کے تئیں آپ کی جسارت اور گستاخیاں ممکن ہے دنیا پر حاکم موجودہ حالات کے پزل کے بکھر جانے اور بڑی تبدیلی کا سبب بنیں۔۔۔ آج کی دنیا میں اگر آپ سوشلزم اور کمیونزم کی اندھی اقتصادی مشکلات کو مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام کے ذریعہ حل کرنا چاہتے ہیں تو جان لیں کہ آپ نے نہ صرف یہ کہ اپنے معاشرے کے درد کا کوئی علاج نہیں کیا ہے، بلکہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دوسروں کو آکر آپ کی غلطیوں کا ازالہ کرنا پڑے گا۔۔۔ کیونکہ اگر آج مارکسزم اپنے اقتصادی اور معاشرتی نظام میں ناکامی کا شکار ہوا ہے تو مغربی دنیا بھی ایک دوسری شکل میں ان مشکلات اور اس طرح کی دوسری مشکلات کا شکار ہے۔ اس لئے حقیقت کی طرف رخ کرنا چاہیے! آپ کے ملک کی بنیادی مشکل مالکیت، اقتصاد اور آزادی نہیں ہے۔ آپ کی بنیادی مشکل خدا پر حقیقی ایمان سے دوری ہے۔ وہی مشکل جس نے مغرب کو بھی نابودی کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے یا بہت جلد وہاں تک پہنچے گی۔ آج کے بعد کمیونزم کو دنیا کی سیاسی تاریخ کے میوزیم ہی میں دیکھا جا سکتا ہے۔ آج دنیا میں کمیونزم نام کی کسی چیز کا وجود نہیں ہے اس لئے آپ سے چاہتا ہوں کہ مارکسزم کی خیالی دیواروں کے ٹوٹنے میں مغرب اور شیطان اکبر کے قید و بند کا شکار نہ ہوں۔ اب آپ کی ہم پیمان حکومتیں اس بات پر ہرگز تیار نہیں ہوں گی کہ اپنے ملک کے سرمایہ کو کمیونزم کی کامیابی کے لئے داو پر لگائیں جس کی ہڈیوں کے ٹوٹنے کی آواز ان کے بچوں کے کانوں تک بھی پہنچ چکی ہے۔۔۔''

اس پیغام کے دوسرے حصوں سے صرف نظر کرتے ہوئے قارئین کو آیۃ اللہ جوادی آملی کی کتاب ''بنیان مرصوص'' کی طرف رجوع کی رائے دیتے ہیں جس میں تمام تفصیلات آئی ہیں البتہ امام کے پیغام کے مذکورہ جملوں کی اہمیت سمجھنے کے لئے ہمیں دنیا کے حالات، سوویت یونین کے عالمی کردار اور اس پیغام کے بعد دنیا میں رونما والے حالات اور بڑی تبدیلیوں پر ایک نظر ڈالنا ہوگی۔

سوویت یونین دنیا کی دو بڑی طاقتوں میں سے ایک اور مشرقی بلاک کی حاکم تھی اور کرملن بھی وائٹ ہاوس کے مدمقابل ایک ناقابل شکست طاقت اور اس کا مضبوط رقیب مانا جاتا تھا اور گورباچف اس وقت کرملن کا مرد اول بنا ہوا قدرت و طاقت کی مسند پر براجمان تھا، ایسے حالات میں معرفت و حکمت کا چشمہ رواں اور اس طرح مستقبل بینی، دور اندیشی اور حقیقت کا ادراک صرف ایک ایسے شخص کا کام ہو سکتا ہے جس کے اندر خدائی روح موجود ہو اور یہی انسان ایک ایسا آسمانی پیغام دے سکتا ہے۔ بہت سے لوگ اس پیغام کے گورباچف تک پہنچنے سے پہلے جب اس کے مضمون سے آگاہ

ہوئے تو انہوں نے مختلف طرح کی باتیں کیں اور پیغام میں کچھ باتوں کو خلاف مصلحت قرار دیا لیکن امام نے ان کی باتوں کی طرف کوئی توجہ نہیں دی اور وہی پیغام ایک وفد کے ہاتھ گورباچف کو بھیجا جس کی سرپرستی آیۃ اللہ جوادی آملی فرمارہے تھے جس کا جواب گورباچف نے سوویت یونین کے وزیر خارجہ "ایڈوارڈ شوار دنادزہ(Eduard Shevardnadze)" کے ذریعہ بھیجا جو سوویت یونین کا شیرازہ بکھر جانے کے بعد میں جارجیا کا صدر بھی بنا،اس جواب کی تفصیلات پانچویں باب میں آئی ہیں۔

خدا کی یہ روح آسمان معنویت وروحانیت سے دنیا کے سب سے آخری افق کو بھی دیکھ رہی تھی لیکن سوویت یونین کا کمیونسٹ سکریٹری جنرل طبعیت کے تاریک کنویں میں بیٹھا، جہان مابعد طبیعت کی طرف پرواز کرنے اور مارکسزم کی تنگ وادیوں سے نکلنے کے بجائے اپنی بیچارگی کا حل اس دیوار کو توڑنے اور مغربی سرمایہ دارانہ نظام میں غرق ہونے میں تلاش کر رہا تھا۔

گورباچف کے پرسٹرویکا(Perestroika) اور گلاسنوسٹ(Glasnost) جیسے فارمولوں سے بھی کچھ نہ ہوسکا اور دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ مشرقی بلاک کا شیرازہ کس طرح بکھر کر رہ گیا۔برلن کی دیوار گر گئی اور مشرقی یورپ کے ممالک،جو اب سوویت یونین کی شطرنج کے مہرے تھے بڑے ہی لذیذ لقموں کی طرح نگلے جانے کے لئے مغرب اور امریکہ کے خونی جبڑوں کا شکار ہوگئے۔

دس سال بعد گورباچف نے اپنے ایک بیان میں کہا:"میری نظر میں آیۃ اللہ خمینی کا پیغام تاریخ عالم کے تمام زمانوں پر مشتمل تھا۔۔۔ آیۃ اللہ خمینی نے دنیا کی جدید تاریخ میں بہت گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔جب ہم نے اس پیغام کو سوویت یونین کی مرکزی شورامیں پیش کیا تو وہ کمیٹی جس کے قبضہ میں آدھی دنیا تھی اس کے لئے یہ ایک غیر متوقع چیز تھی۔مجھے افسوس ہے کہ میں ان دنوں ایران نہیں آسکا تاکہ قریب سے آیۃ اللہ خمینی سے ملاقات کرتا۔بہرحال آج میں ان کا تہہ دل سے احترام بجالاتا ہوں اور میرا کہنا ہے کہ آیۃ اللہ خمینی زمانے کی حدود سے باہر نکل کر سوچتے تھے اور نہ ہی وہ مکان ہی حدودں میں مقید تھے۔آج جب میں ان حالات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں آیۃ اللہ خمینی کا پیغام بار بار میری نگاہوں کے سامنے آتا ہے اور جیسا کہ انہوں نے فرمایا تھا بہت ہی جلد ہم مارکسزم کو تاریخ کے میوزیم میں دیکھیں گے۔۔۔ اگر ان دنوں ہم نے آیۃ اللہ خمینی کی پیشینگوئی کو سنجیدگی سے لیا ہوتا تو آج یقینا ہمیں ان حالات سے دوچار نہ ہونا پڑتا اور ہرگز ملک کو اس طرح بکھرنے نہ دیتے۔"

دس سال بعد

۲۲ فروری ۱۹۸۹ کو امام خمینی نے ایرانی علما کو ایک تاریخی پیغام دیا جو کافی غور طلب ہے۔ اس پیغام میں امام فرماتے ہیں:

''اے ایران کے انقلابی علما، مومنین اور شہدا کے افراد خانہ سب لوگ یاد رکھیں کہ ان غلط تجزیوں اور تبصروں کے ذریعہ اپنے شہدا کے خون کو پامال نہ کریں۔ مجھے ڈر ہے کہ جو لوگ آج غلط تجزیے اور تبصرے کرتے ہیں وہ کل قضاوت کی کرسی پر نہ بیٹھ جائیں اور یہ کہنے لگیں کہ سلمان رشدی کے خلاف دیا جانے والا اسلامی و شرعی فتوا ڈپلومیٹک اصول و قوانین کے ساتھ سازگار ہے یا نہیں ہے؟ اور پھر یہ نتیجہ نکالیں کہ چونکہ خدا کے اس حکم کے کافی نقصانات ہیں، بین الاقوامی منڈیاں اور مغربی ممالک ہمارے خلاف اکٹھا ہو گئے ہیں اس لئے ہمیں جوش میں نہیں آنا چاہیے اور اسلام و پیغمبر (ص) کی توہین کرنے والوں کے مقابل خاموشی اختیار کرنی چاہیے! مختصر یہ ہے کہ مکار مغرب، ظالم و جانی مشرق اور دنیا پر حاکم ڈپلومیسی سے قطع نظر اسلام کی عملی فقہ کو نافذ کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔''

امام کی اس گفتگو کے ٹھیک دس سال بعد یہ پیشینگوئی صحیح ثابت ہوئی اور بیمار دلوں اور مغرب کی الحادی ثقافت کے شیفتہ و فریفتہ افراد کا چھپا ہوا نفاق باہر آ گیا اور انہوں نے امام کی راہ و روش اور اصولوں پر اعتراضات شروع کر دئے۔ انہوں نے اسلام کے مسلم عقائد پر انگلیاں اٹھانا شروع کر دیں اور بین الاقوامی مسائل میں ان عقائد پر پابند رہنے کو قومی مفاد کے خلاف قرار دیا اور اسلامی آئیڈیالوجک اصولوں کو قومی مفادات پر قربان کرنے کا فتوا دینے لگے! یہاں تک کہ ان سیاہ دل افراد میں سے ایک نے مگرمچھ کے آنسو بہاتے ہوئے اسلامی اصولوں و آئیڈیالوجی کی وجہ سے ہونے نقصانات کا مرثیہ بھی پڑھا اور اشاروں و کنایوں میں امام خمینی کو اس کی وجہ سے مجرم قرار دیتے ہوئے نہ صرف ان پر انگلی اٹھائی بلکہ مستحق سزا قرار دیا۔

ملک سے باہر بسنے والے اس قبیلہ کے افراد نے واضح طور پر اپنے کفر و ارتداد کا اعلان کیا اور ''کانون نویسندگان ایران در تبعید'' کی طرف سے ایک بیانیہ دیا: ''فکر و خیال کی دنیا میں کوئی بھی چیز مقدس نہیں ہے۔ اگر کوئی چیز مقدس ہے تو وہ ہے تنقید، شک اور اس طرح کی چیزیں۔۔۔ سلمان رشدی اور تسلیمہ نسرین کے نام ہمارا یہ پیغام ہے کہ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ ہم آپ کے دشمن کے دشمن ہیں اور آپ ہمارے دشمنوں کے دشمن۔ جان لیں کہ جہاں بھی ایرانی قلمکار آزادی بیان، عقیدے و افکار کا دفاع کرتے ہیں وہاں آپ کا دفاع کیا جا رہا ہے۔''

پچھتائیں گے

ایک اور معاملہ میں امام نے اسلامی اصولوں کی بنیاد پر ایک اہم فیصلہ لیا لیکن اس زمانے میں تقریبا سبھی سربراہان مملکت نے امام سے گزارش کی کہ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کریں اور امام نے ان کے شدید کی اصرار کی وجہ سے ان کی بات مان لی مگر ساتھ ہی فرمایا: " آپ خود ہی پچھتائیں گے " کچھ عرصہ گزرنے کے بعد امام کی بات سچ ثابت ہوئی اور سب نے مان لیا کہ امام کا فیصلہ بالکل صحیح تھا۔

چودہ سال بعد

۱۹۸۷ کے پیغام حج میں امام خمینی نے واضح الفاظ میں لبنان کی اسلامی مزاحمتی تحریک "حزب اللہ" کا نام لیا اور اسے اسلامی سرزمینوں کے غاصبوں و قابضوں کے خلاف جہاد کے لئے تمام علما و دانشمندوں کا آئیڈیل اور خدا کی سب سے بڑی دلیل قرار دیا اور دشمنوں کے مقابل سکوت و مصلحت کاری کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا: "میں ایک بار پھر سے تاکید کرتا ہوں کہ آج دنیا اسلام کے نورانی احکام کے لئے تشنہ ہے اور خدا کی حجت تمام علما و دانشوروں کے لئے تمام ہو چکی ہے کیونکہ جب اسلامی ممالک کے جوان اپنی سرزمینوں کا دفاع کرنے کے لئے سرحد شہادت تک پہنچ گئے ہیں اور غاصبوں و قابضوں کو مار بھگانے کے لئے آلام و مشکلات کے سمندر میں کود پڑے ہیں اور ہر طرح کی سزا سہنے کے لئے تیار ہیں اور "حزب اللہ لبنان" اور دوسرے مسلم ممالک کے شجاع اور مجاہد مسلمانوں کی طرح اسلامی مزاحمت کے محاذ میں ڈٹے ہیں اور غاصبوں کے خلاف جہاد کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ اس سے بہتر کیا حجت و دلیل ہو سکتی ہے؟ اب خاموشی، مصلحت کاری، گھروں میں دبک کر بیٹھ جانے اور بیجا تقیہ کرنے کا کیا عذر و بہانہ باقی رہ گیا ہے؟"
۱۹۹۰ ہی کے شروع میں حجۃ الاسلام والمسلمین جناب سید حسن نصر اللہ جو اس وقت حزب اللہ کی مجلس عاملہ کے سربراہ تھے امام خمینی کے ساتھ ملاقات کے لئے آئے تو وہاں امام کے پیغام اور ان جملوں کی بات نکل آئی، سید حسن نصر اللہ کے مطابق ہم نے امام کے پیغام کے اس حصے سے یہ سمجھا ہے کہ امام نے حزب اللہ کا نام اسلئے لیا ہے کہ ان کی حوصلہ افزائی ہو اور حزب اللہ کے افراد مزید جوش و جذبہ کے ساتھ اپنے کام کو انجام دیں، حقیر نے اس بات کی تائید کرتے ہوئے ایک اور نکتہ کا اضافہ کیا وہ یہ کہ: امام خمینی نے کبھی بھی کسی فرد یا گروہ کا نام لے کر ہمیشہ کے لئے اسکی مطلق تعریف و حمایت نہیں کی ہے لیکن اس پیغام میں صراحت کے ساتھ "حزب اللہ" کو تمام علما کے لئے "حجت خدا" کی تعبیر سے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ گویا امام حزب اللہ کے مستقبل اور حق کی راہ میں اس کے ثبات قدم اور استقامت سے

مطمئن تھے اور یہ چیز حزب اللہ کے روشن مستقبل کی ایک امید بخش نوید ہے۔اگر امام کو حزب اللہ کے مستقبل کے سلسلے میں اتنا اطمینان نہ ہوتا تو اس اہم تاریخی و جاوید اں پیغام میں صراحت کے ساتھ حزب اللہ کو حجت خدا کے عنوان سے نہ پہنچواتے۔

اس کے دس سال بعد تک حقیر کا یہ نکتہ حزب اللہ کے سر کردہ افراد کے لئے قابل توجہ رہا ہے جسے حجۃ الاسلام سید حسن نصر اللہ اکثر بیان بھی فرماتے رہتے تھے یہاں تک کہ حزب اللہ کے ثبات قدم اور استقامت کے نتیجے میں سن ۲۰۰۰ میں غاصب صہیونیوں کو پہلی بار شکست کا منہ دیکھنا پڑا اور اسرائیل کی طاقتور فوج جو مغرب کی ترقی یافتہ فوجی وخفیہ جاسوسی طاقت کا مجسم نمونہ سمجھی جاتی تھی اور جس نے پچاس سال تک پوری دنیا بالخصوص عرب دنیا میں اپنے ناقابل شکست ہونے کا افسانہ قبول کروالیا تھا بلکہ اسرائیل سے برسرپیکار ممالک لاکھوں کی فوج کے باوجود اسرائیل کو شکست نہیں دے سکے تھے اس اسرائیل نے چند ہزار افراد پر مشتمل ایک چھوٹے سے گروہ کے سامنے کہ جس کے پاس ایمان کا اسلحہ اور جذبہ شہادت تھا اور فوجی تعداد و قوت کے لحاظ سے وہ اپنے دشمن کے سامنے کچھ بھی نہیں تھا؛ پہلی بار ذلت و خواری کے ساتھ شکست کھائی اور پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوا اور اپنے بہت سے ٹینک، فوجی حمل و نقل کی گاڑیاں، اسلحہ اور دوسرے چھوٹے اور بڑے ساز و سامان کو چھوڑ کر بھاگ گیا اور اس کے علاوہ اسرائیل کے بہت سے زر خرید افراد یا تو بھاگ کھڑے ہوئے یا حزب اللہ کے سامنے خود سپردگی کرنے پر تیار ہو گئے۔حزب اللہ کی اس کامیابی کو دیکھ کر پوری دنیا بالخصوص اسلامی اور عرب ممالک کے سربراہوں کے منہ تعجب سے کھلے رہ گئے اور سب نے حزب اللہ اور اس کی قیادت کو سراہا اور دنیا بھر میں حزب اللہ کے حامیوں اور عاشقوں نے اس کی حمایت میں جشن منایا اور مظاہرے کئے۔

حزب اللہ کی کامیابی کے بعد جب میں پہلی بار لبنان گیا تو اس وقت بھی حجۃ الاسلام سید حسن نصر اللہ نے بارہ سال پہلی والی بات یاد دلائی اور وہاں حاضر بہت سے علما اور دوسرے افراد کے لئے واقعہ کی تفصیلات بیان کیں اور اس بار سید نے مزید ایک نکتہ بیان کرتے ہوئے کہا: جنوبی لبنان میں حزب اللہ کی عظیم کامیابی اور صیہونی ذلت آمیز شکست کے بعد امام کی حیرت انگیز بات بالکل سچ ثابت ہوئی اور عالم اسلام بالخصوص فلسطین کے علما اور دانشوروں نے اپنی تحریروں اور تجزیوں میں وہی بات کہی جو اس وقت امام نے فرمائی تھی اور انہوں نے امام کی بات کے مفہوم کو اس طرح بیان کیا کہ حزب اللہ نے سب کے لئے "خدا کی حجت" کو تمام کر دیا ہے۔حزب اللہ کی کامیابی نے یہ ثابت کر دیا کہ غاصب اسرائیل کے مقابل کامیابی کا تنہا راستہ جہاد اور اسلامی مزاحمت ہے، دوسرے یہ کہ یہ راستہ یقینا نتیجہ خیز ہے جس کا ایک عملی نمونہ فلسطینی انتفاضہ ہے جو حزب اللہ کی اسلامی مزاحمت کو دیکھ کر وجود میں آیا ہے اور عالم اسلام نے بھی اس روشن راستے کے بے مثال ہونے کو تسلیم کر لیا اس طرح پوری دنیا بطور خاص اسلامی ممالک میں مسلمانوں نے کھل کر ایک ایسے

انتفاضہ کی حمایت کی جو کبھی بھی دشمن سے ساز باز نہ کرے جس کی ایک مثال یہ ہے کہ مراکش میں بیس لاکھ سے زیادہ افراد نے حزب اللہ کی حمایت میں ریلی نکالی جن کا بنیادی نعرہ یہ تھا: ''الجهاد هو البديل،حزب الله هو الدليل''یعنی اسرائیل کے خلاف لڑنے کا تنہا راستہ جہاد ہے جس کی بہترین دلیل حزب اللہ ہے۔

مغرب اور امریکہ کا مستقبل

جب ایران کا ڈھائی ہزار سالہ شہنشاہی نظام اپنی قدرت وطاقت کے عروج پر تھا امام خمینی نے پورے یقین واطمینان کے ساتھ شاہ کے فرار ہونے کی بات کہی تھی اور امام کی اس بات کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ شاہ اور اس کی شہنشاہی دونوں تاریخ کے قبرستان میں دفن ہو کر رہ گئے۔ ایک اور وقت میں جب تقریباً آدھی دنیا کمیونسٹ نظام کے ماتحت تھی امام نے فرمایا تھا: ''آج دنیا میں کمیونزم کی کسی چیز کا وجود نہیں ہے اور آج کے بعد کمیونزم کو دنیا کی سیاسی تاریخ کے میوزیم میں تلاش کرنا ہوگا'' امام عزیز نے جماران کی دیواروں کے پیچھے سے جو دیکھا تھا اور دنیا کے لئے ناقابل یقین اسے دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اسی امام نے مغرب کی بھی ایک دوسری شکل میں اور دوسرے مسائل میں گرفتار ہونے اور اس کی نابودی کی خبر دی۔ یہی امام آیات قرآنی کی روشنی میں عالمی سامراج کے سمبل اور عالمی قدرت کے دعویدار امریکہ کو حق کی عزت وقدرت کے سامنے ذلیل ونابود ہوتا دیکھ رہے تھے۔ کیا یہ آیت امریکہ کی حالت بیان نہیں کررہی ہے'' فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوا مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ -فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي أَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَخْزَى وَهُمْ لَا يُنصَرُونَ''

''پھر انہوں نے زمین میں ناحق بلندی اور برتری سے کام لیا اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہم سے زیادہ طاقت والا کون ہے.... تو کیا ان لوگوں نے یہ نہیں دیکھا کہ جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے وہ بہر حال ان سے زیادہ طاقت رکھنے والا ہے لیکن یہ لوگ ہماری نشانیوں کا انکار کرنے والے تھے۔ تو ہم نے بھی ان کے اوپر تیز وتند آندھی کو ان کی نحوست کے دنوں میں بھیج دیا تا کہ انہیں زندگانی دنیا میں بھی رسوائی کے عذاب کا مزہ چکھائیں اور آخرت کا عذاب تو زیادہ رسوا کن ہے اور وہاں ان کی کوئی مدد بھی نہیں کی جائے گی''

اگرچہ یہ آیت قوم عاد کی داستان بیان کرتی ہے لیکن قرآنی واقعات صرف اسی زمانے سے مخصوص نہیں ہیں بلکہ یہ وہ اصول بیان کرتے ہیں جو ہمیشہ جاری رہتے ہیں۔ جس زمانے میں جو سامراجی طاقت سب سے بڑی طاقت ہونے کا دعویٰ کرے اور اللہ کی آیتوں اور نشانیوں کا انکار کرے تو اس کی نحوست کے ایام آپہنچتے ہیں اور عذاب کا طوفان اسے پاش پاش کر دیتا ہے اور اس کی مغرور وسامراجی ناک ذلت وخواری کے ساتھ رگڑائی جاتی ہے البتہ یہ اُس دنیا سے متعلق

نہیں ہے بلکہ ایسا اسی دنیا میں ہوتا ہے آخرت میں جو کچھ ہوگا وہ تو ہوگا ہی۔ کیا دربدری وخواری کے عالم میں شاہ کی موت، اور صدام کی شکست وخواری، پھانسی اور ذلت آمیز موت اس حق بات کا زندہ اور عبرت انگیز نمونہ نہیں ہیں: "لَنُذِيقَنَّهُم عَذَابَ الخِزيِ فِي الحَيٰوةِ الدُّنيَا" اسی کو مد نظر رکھتے ہوئے امام نے فرمایا تھا: "اسرائیل کو صفحہ ہستی سے مٹنا ہے" امام آیات قرآن کی روشنی میں باطل پر حق کے غلبہ کو مشاہدہ کررہے تھے اسی لے آپ نے فرمایا: "میں پورے اطمینان کے ساتھ یہ بات کہتا ہوں کہ اسلام تمام بڑی طاقتوں کی ناک زمین پر رگڑے گا۔" ان کی نظر میں آنے والی صدی اسلام کی صدی تھی اور ان کا اعلان تھا کہ اس صدی میں 'لا الہٰ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کا پرچم پوری دنیا پر لہرائے گا۔

جب ہم امام خمینی کی مستقبل بنی اور ان کی سچ ثابت ہونے والی پیشینگوئیوں کو سامنے رکھتے ہیں تو ہمیں اطمینان حاصل ہوتا ہے امریکہ اور مغرب کا وہی ہوگا جو امام نے فرمایا ہے۔

بہر حال اس تقدیر ساز زمانے میں امام کے زبان وقلم سے جو نکلا ہے (اگر امام زمانہ [عج] کے ساتھ ان کے رابطہ سے صرف نظر کیا جائے) اس میں یقینا غیبی امداد شامل تھی۔ اور اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ اس طرح کے واقعات امام کی زندگی میں انقلاب سے پہلے بھی ملتے ہیں اس کے لئے مرحوم معلم دامغانی جن کی ساٹھ سال تک امام کے ساتھ رفاقت رہی ہے، کی ایک بات نقل کرنا مناسب سمجھوں گا:

امام کے فرزند احمد آقا کے گھر ایک میٹنگ تھی۔ وہاں مرحوم معلم دامغانی بھی تھے۔ 1979/2/10 کے اعلانیہ اور اس طرح کے کچھ مسائل کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے میں نے ان سے پوچھا کہ ان کا مقصد کیا ہے؟ انہوں نے جواب میں فرمایا: کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ امام کے پاس علم غیب ہے؟ ایسا کچھ بھی نہیں ہے؟ میں نے پوچھا: تو پھر اس کا راز کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: یہ سب امام کے خلوص کی بدولت ہے۔ امام اپنی زبان وقلم سے جو کچھ بیان کرتے تھے یا جو فیصلہ لیتے تھے اگر اس وقت ان سے اس کی وجہ اور راز کے بارے میں پوچھا جاتا تو ان کے پاس کوئی جواب نہ ہوتا لیکن بعد میں معلوم ہوتا تھا کہ امام نے جو کچھ فرمایا ہے وہ بالکل صحیح تھا۔

مرحوم دامغانی کا یہ جواب سن کر میرے ذہن میں فورا یہ حدیث آگئی: "مَن اَخلَصَ لِلهِ اَربَعِينَ يَوماً فَجَّرَ اللهُ يَنَابِيعَ الحِكمَةِ مِن قَلبِهِ عَلىٰ لِسَانِه" جو بھی اللہ کے لئے چالیس دن خلوص کے ساتھ بسر کرے خدا اس کے دل سے اس کی زبان پر حکمت کے چشمے جاری کرتا ہے۔

میں سوچنے لگا کہ اگر خلوص کے چالیس دنوں سے دل سے زبان پر حکمت کے چشمے جاری ہوتے ہیں تو یقینا امام جنہوں نے اپنی ساری عمر خلوص کے ساتھ گزاری تو یقینا وہ غیبی امداد اور علم وحکمت کے چشموں سے مالا مال ہوں گے اور ان

کے دسیوں سال کے نفس کے ساتھ جہاد اور اللہ کی راہ میں جانفشانیوں کی وجہ سے صحیح راستے کو سمجھنے اور مسائل کو حل کرنے میں الٰہی ہدایت ضرور ان کی مدد کرتی ہو گی۔"وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَدِينَّهُم سُبُلَنَا" جو لوگ ہماری راہ میں جہاد کرتے ہیں انہیں ہم اپنے راستوں کی طرف ہدایت کرتے ہیں۔